اُردو

یووک بھارتی



بارھویں جماعت



سرکاری فیصلہ نمبر : ابھیاس-۲۱۱۶/ (پر۔نمبر۱۶/۴۳) ایس ڈی-۴ مورّخہ ۲۵/اپریل ۲۰۱۶ء کے مطابق قائم کردہ رابطہ کارکمیٹی کی ۳۰/جنوری ۲۰۲۰ء کو منعقدہ نشست میں اس کتاب کو تعلیمی سال ۲۱-۲۰۲۰ء سے درسی کتاب کے طور پر منظوری دی گئی۔

زباندانی کے نئے نصاب کے مطابق

اُردو

یووک بھارتی

بارھویں جماعت

مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی و ابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ

اپنے اسمارٹ فون میں انسٹال کردہ Diksha App کے توسط سے درسی کتاب کے پہلے صفحے پر درج Q.R. code کے ذریعے ڈیجیٹل درسی کتاب، اسی طرح درس و تدریس کے مواد کے لیے مفید سمعی و بصری وسائل دستیاب ہوں گے۔

مجلسِ مطالعات وادارت

- ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط (صدر)
- سلیم شہزاد (رکن)
- سلام بن رزّاق (رکن)
- احمد اقبال (رکن)
- ڈاکٹر قمر شریف (رکن)
- ڈاکٹر سیّد صفدر (رکن)
- ڈاکٹر محمد اسداللہ (رکن)
- ڈاکٹر ناصرالدین انصار (رکن)
- خان حسنین عاقب محمد شہباز (رکن)
- خان نویدالحق انعام الحق (رکن سکریٹری)

مجلسِ مشاورت

- خان انعام الرحمٰن شبیراحمد
- سیّد امجدالدین وقارالدین قادری
- خان عارفہ نویدالحق
- محمد عالم ندوی
- محمد ابراہیم حسین لکمیشور
- یوسف دیوان
- اعظمی محمد یٰسین محمد عمر
- شمیم اقبال مومن
- فاروق سیّد
- ظفر عابد محمد مصطفیٰ
- سیّد خالد سیّد اکبر علی

Co-ordinator:
Khan Navedul Haque Inamul Haque
Special Officer for Urdu, Arabic & Persian, Balbharati

D.T.P. & Layout:
Sayyed Asif Nisar,
Yusra Graphics,
Shop No. 5, Anamay Building,
305, Somwar Peth, Pune - 411 011.

Production:
Shri Sachchitanand Aphale,
Chief Production Officer
Shri Rajendra Chindarkar,
Production Officer
Shri Rajendra Pandloskar,
Asstt. Production Officer

Cover: Shri Vivekanand Patil

Paper: 70 GSM Cream Wove

Print Order:

Printer:

Publisher

Shri Vivek Uttam Gosavi
Controller,
M.S. Bureau of Textbook Production,
Prabhadevi, Mumbai - 400 025.

بھارت کا آئین

تمہید

ہم بھارت کے عوام متانت وسنجیدگی سے عزم کرتے ہیں کہ بھارت کو
ایک مقتدر سماج وادی غیر مذہبی عوامی جمہوریہ بنائیں
اوراس کے تمام شہریوں کے لیے حاصل کریں:
انصاف، سماجی، معاشی اور سیاسی؛
آزادی خیال، اظہار، عقیدہ، دین اور عبادت؛
مساوات بہ اعتبارِ حیثیت اور موقع،
اور ان سب میں
اُخوّت کو ترقی دیں جس سے فرد کی عظمت اور قوم کے اتحاد اور
سالمیت کا تیقّن ہو؛
اپنی آئین ساز اسمبلی میں آج چھبیس نومبر ۱۹۴۹ء کو یہ آئین
ذریعۂ ہٰذا اختیار کرتے ہیں،
وضع کرتے ہیں اور اپنے آپ پر نافذ کرتے ہیں۔

راشٹر گیت

جَن گَن مَن - اَدِھ نایَک جَیَہ ہے
بھارَت - بھاگیہ وِدَھاتا۔

پنجاب، سِندھ، گجرات، مَراٹھا،
دراوِڑ، اُتکَل، بنگ،

وِندھیہ، ہِماچل، یَمُنا، گنگا،
اُچّھل جَل دِھ تَرَنگ،

تَو شُبھ نامے جاگے، تَو شُبھ آشِس ماگے،
گاہے تَو جَیَہ گاتھا،

جَن گَن منگل دایَک جَیَہ ہے،
بھارَت - بھاگیہ وِدھاتا۔

جَیَہ ہے، جَیَہ ہے، جَیَہ ہے،
جَیَہ جَیَہ جَیَہ، جَیَہ ہے۔

عہد

بھارت میرا ملک ہے۔ سب بھارتی میرے بھائی اور بہنیں ہیں۔

مجھے اپنے وطن سے پیار ہے اور مَیں اس کے عظیم و گونا گوں وِرثے پر فخر محسوس کرتا ہوں۔ مَیں ہمیشہ اِس ورثے کے قابل بننے کی کوشش کروں گا۔

میں اپنے والدین، استادوں اور بزرگوں کی عزّت کروں گا اور ہر ایک سے خوش اخلاقی کا برتاؤ کروں گا۔

میں اپنے ملک اور اپنے لوگوں کے لیے خود کو وقف کرنے کی قسم کھاتا ہوں۔ اُن کی بہتری اور خوش حالی ہی میں میری خوشی ہے۔

پیش لفظ

عزیز طلبہ!

بارھویں جماعت میں آپ کا استقبال ہے۔ اس جماعت میں آموزش کے لیے نئے طرز کی مشقی سرگرمیوں کے ساتھ 'اُردو یووک بھارتی' آپ کو پیش کرتے ہوئے ہمیں بڑی مسرّت ہورہی ہے۔

سننے اور مشاہدہ کرنے سے زیادہ عملی طور پر حل کی گئی سرگرمیاں آپ کے ذہن پر دیرپا اثر مرتسم کریں گی۔ اس کتاب میں نئی سرگرمیوں کو شامل کیا گیا ہے اور ان کی تعداد بھی زیادہ سے زیادہ رکھی گئی ہے۔ کتاب کی آموزش کے لیے اساتذہ کے ساتھ ساتھ آپ اپنے سرپرستوں سے بھی مدد حاصل کیجیے۔ مذکورہ کتاب میں شامل اسباق، نظمیں، مشقی سرگرمیاں، اضافی مطالعہ وغیرہ اپنے طور پر پڑھ کر بھی آپ لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ اپنی کوششوں سے ان تمام امور کی خواندگی کریں گے اور ان سے لطف اندوز ہوں گے۔

اُردو صرف ایک مضمون کا نام نہیں ہے۔ اس کا ہماری تہذیبی زندگی سے گہرا رشتہ ہے۔ صحیح نظریۂ حیات کی تدریجی تشکیل اور سرمایۂ فکر میں اضافے کے لیے زبان کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ادب کا مطالعہ حصولِ مسرت کا بہترین ذریعہ بھی ہے۔ آپ اپنی روزمرہ زندگی میں ہمیشہ مادری زبان اُردو کا استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسکول میں آپ دیگر مضامین اُردو زبان ہی میں پڑھتے رہے ہیں۔ زبان استعمال کرنے کے تعلق سے معیاری اُردو زبان پر زیادہ زور دیا جانا چاہیے۔ آپ کو اُردو مضمون پر جتنا عبور حاصل ہوگا، دوسرے مضامین کو سمجھنا اتنا ہی آسان ہوگا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ زبان و ادب کے مطالعے کا مؤثر ترین ذریعہ نصابی کتابیں ہیں۔ ہمارا مقصد آپ میں خوداعتمادی پیدا کرنا ہے۔ اس کتاب میں شامل سرگرمیوں اور اسباق کو اس انداز سے ترتیب دیا گیا ہے کہ آپ زبان کو بہتر طور پر استعمال کرسکیں۔ اسباق کے انتخاب میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ آپ مختلف ادبی اصناف اور قدیم و جدید ادبی رجحانات سے روشناس ہوں۔ آپ میں صالح معاشرتی نقطۂ نظر پیدا ہو اور ادبی ذوق پروان چڑھے۔ ان کے ذریعے نئے علوم و فنون حاصل کرنے کی لگن پیدا ہو اور آپ کی تفہیم، تخلیق، تخیل اور غور و فکر کی صلاحیت میں اضافہ ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے درسی کتاب میں موجود مشقی سرگرمیوں میں آپ زیادہ سے زیادہ حصہ لیں۔ اس کتاب کی آموزش کے دوران آپ کو جو بھی مشکل یا پریشانی محسوس ہو بلاخوف اپنے استاد کے سامنے اس کا اظہار کریں۔ اس کتاب میں ایسی کئی سرگرمیاں شامل ہیں جن سے آپ بذاتِ خود علم حاصل کرنے کے قابل بن سکیں گے۔ ان سرگرمیوں میں آپ جتنا حصہ لیں گے اتنا ہی زیادہ آپ کے علم میں اضافہ ہوگا۔

Q.R. کوڈ کے ذریعے زبان و ادب سے متعلق مزید اضافی اور کارآمد معلومات آپ کے لیے معاون ثابت ہوگی۔ مختلف ویب سائٹ پر جاکر اپنے طور پر بھی معلومات حاصل کرنے کی عادت بنالیں۔

کتاب کے مواد کے بارے میں آپ کے تاثرات جان کر ہمیں بہت خوشی ہوگی۔ سال بھر آپ کی آموزش مسرت بخش رہے، یہی ہماری اُمید ہے۔

آپ کی عمدہ تعلیم اور بہتر مستقبل کے لیے نیک خواہشات!



(وویک گوساوی)

ڈائرکٹر

مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی و
ابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ-۴

پونہ۔
تاریخ: ۲۱ر فروری ۲۰۲۰ء
بھارتیہ سَور: ۲ر پھالگن ۱۹۴۱

https://www.ncertbooks.guru/

ہدایات برائے اساتذہ

بارھویں جماعت کی درسی کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ پچھلی درسی کتابوں سے قدرے مختلف ہے۔ بچوں کے لیے مفت اور لازمی حق تعلیم کے قانون ۲۰۰۹ء کے مطابق از سرِ نو مرتب شدہ تعلیمی نصاب ۲۰۱۲ء کی روشنی میں تشکیلِ علم کے نظریے کے مطابق نیز خصوصی توجہ کے مستحق طلبہ کی ضروریات کے پیش نظر تعلیمی سرگرمیوں کو اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ لہٰذا تدریس کے دوران درج ذیل اُمور کا لحاظ رکھا جائے تو سیکھنے اور سکھانے کا عمل منفعت بخش ہوگا۔

۱۔ **درسی کتاب کی مشمولات :** مروّجہ طریقے کے مطابق اس کتاب میں نثر و نظم کا متن دو علیٰحدہ حصوں میں شامل کیا گیا ہے۔ نثر کے حصے میں داستان، ناول، افسانہ، خودنوشت، مضمون، ڈراما، سفرنامہ، زبان اور ادب پر مبنی لسانی متن کی اصناف کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ہر سبق کے شروع میں 'پیش درس' کے تحت ان اصناف کا تعارف گیارھویں جماعت میں شامل ہے تاکہ طلبہ سبق کی متعلقہ صنف سے بخوبی واقف ہوجائیں۔ یہاں اس سلسلے کو مزید آگے بڑھایا گیا ہے۔

اُردو نثر کے ابتدائی نمونے داستانی ادب میں ملتے ہیں۔ اس لیے محمد حسین جاہ کی 'طلسم ہوش رُبا' سے ایک اقتباس لیا گیا ہے جو اُردو نثر کے ابتدائی نمونوں میں سے ہے۔ 'طلسم ہوش رُبا' ۱۸۵۷ء میں لکھی گئی تھی اس لیے اس زمانے کے املا، نثری اسلوب اور آج کے نثری اسلوب میں فرق ہے۔ 'طلسم ہوش رُبا' سے ماخوذ اس سبق میں قصداً قدیم املا اور طرز کو جوں کا توں رکھا گیا ہے تاکہ طلبہ قدیم و جدید اُردو نثر کے فرق سے واقف ہوسکیں۔ حصۂ نظم میں ابنِ نشاطی کی مثنوی بھی قدیم اُردو کا نمونہ ہے۔ اساتذہ اُردو کے ان قدیم نمونوں کو پڑھاتے وقت اُردو کے تاریخی مدارج کو بھی پیش کریں تاکہ طلبہ از خود سیکھنے کی طرف مائل ہوں اور ہمہ وقت سیکھتے رہنے کا شوق اِن میں پروان چڑھے۔

۲۔ **تناؤ کے بغیر اکتساب :** کتاب کی نثری اور منظوم مشمولات کے انتخاب کے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ یہ دلچسپ اور زبان کے روزمرہ کے پیشِ نظر بارھویں جماعت کے طلبہ کی فہم کے عین مطابق ہوں۔ اس سے طلبہ ذہنی تناؤ کے بغیر ان کا اکتساب کرسکیں گے۔ اساتذہ کو دورانِ تدریس جماعت میں ایسا اکتسابی ماحول تیار کرنا ہوگا جس سے طلبہ سبق میں دلچسپی لے کر از خود زبان و ادب کی آموزش کی طرف مائل ہوں اور اپنے طور پر تشکیلِ علم کا تجربہ حاصل کریں۔

۳۔ **عالم کاری :** آج سائنس کی ترقی اور الیکٹرانک وسائل کی وجہ سے ہماری وسیع دنیا ایک چھوٹے سے گاؤں میں تبدیل ہوگئی ہے۔ دور دراز کے خطّوں کی معلومات چند لمحوں میں ہم تک پہنچ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں دنیا کے ادبی حالات سے باخبر رہنا بھی ضروری ہے۔ ہماری درسیات اور نصاب کے موجودہ تقاضے کا خیال رکھتے ہوئے بارھویں جماعت کی درسی کتاب میں آغا حشر کاشمیری کا ڈراما 'رستم وسہراب' شامل کیا گیا ہے تاکہ طلبہ اُردو ادب کے ساتھ ساتھ غیر ملکی ادب و تہذیب سے آگاہ ہوسکیں۔ اس کے علاوہ اضافی معلومات کے خاکے اور متعلقہ سبق سے مربوط مزید اضافی معلومات طلبہ کو فراہم کی جاسکتی ہیں۔ تدریس کا حصہ بنانے کے لیے ان خاکوں پر بھی سرگرمیاں تیار کی جاسکتی ہیں۔

۴۔ **سرگرمی اساس اسباق :** اس درسی کتاب میں اسباق اور منظومات کا انتخاب کچھ اس طرح عمل میں لایا گیا ہے کہ طلبہ دورانِ تدریس از خود تشکیلِ علم کرسکیں۔ ان اسباق میں سکھانے سے زیادہ سیکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ آپ بحیثیت تسہیل کار صرف تسہیل کاری ہی کرتے رہیں تو طلبہ زبان و ادب کی مستند معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔ کتاب کے بعض اسباق انٹرنیٹ اور دیگر الیکٹرانک میڈیا سے بھی جوڑے جاسکتے ہیں۔ ان سے متعلق معلومات آپ انٹرنیٹ پر دیکھ سکتے ہیں۔ آپ ایسی ہی معلومات حاصل کرنے کے لیے طلبہ کو آمادہ کریں تاکہ آپ کی تدریس اور طلبہ کی آموزش پُرلطف ہوسکے۔

۵۔ **زبان کی صلاحیتوں کے فروغ پر زور :** کتاب کے اسباق کے انتخاب میں اس امر کی طرف توجہ دی گئی ہے کہ طلبہ میں زبان کی چاروں صلاحیتوں کو فروغ حاصل ہو۔ اسباق میں بالخصوص بولنے، پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت کو اُبھارنے کے لیے خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ توقع ہے کہ آپ ان صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے کمرۂ جماعت میں معیاری زبان بولنے کی مشق کرائیں گے تاکہ طلبہ معاشرے میں معیاری زبان میں گفتگو کریں اور اُردو

تہذیب کی نمائندگی کرسکیں۔

۶۔ **معانی و اشارات** : اسباق میں آنے والے مشکل لفظوں، حوالوں اور لفظی ترکیبوں کے معانی کی وضاحتوں پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں الفاظ کے لغوی مفاہیم متن کے پس منظر میں واضح کیے گئے ہیں۔ کہیں لفظوں کا پرانا املا یا تلفظ ہو تو اسے بھی اس حصے میں وضاحت کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ لغوی اور مرادی معانی کی تفہیم متن کو سمجھنے میں آسانی پیدا کرتی ہے۔ مشقوں میں بھی کچھ سرگرمیاں ایسی ہیں جن میں مشکل لفظوں کے معنیٰ یا ان کے مترادفات پوچھے گئے ہیں۔ آپ کے لیے ضروری ہے کہ معانی و اشارات کے حصے پر توجہ دے کر طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کریں۔ آج کل موبائل پر اُردو کی مختلف لغات آسانی سے دستیاب ہیں اور ان کا استعمال بھی نہایت آسان ہے۔ ان لغات کے ذریعے مترادف اور ہم معنیٰ الفاظ تلاش کرنے کے لیے آپ طلبہ کو اس جانب راغب کرسکتے ہیں۔

۷۔ **مشقی سرگرمیاں** : پچھلے تین برسوں سے دسویں جماعت اور دو برسوں سے بارھویں جماعت کے امتحانات کے لیے ’سرگرمی نامہ‘ استعمال کیا جارہا ہے۔ اِس درسی کتاب کی مشقی سرگرمیاں سرگرمی نامے کے مطابق بنائی گئی ہیں۔ اِن میں سوال بلا سوالیہ نشان (Question without question mark) کے نظریے کو اپنایا گیا ہے۔ مشقی سرگرمیوں میں تنوّع پیدا کرنے اور انھیں جاذبِ توجہ بنانے کے لیے شکلی خاکے، رواں خاکے، شجری خاکے، جدولی تقسیم اور معروضی جوابات کی تکنیک پر زور دیا گیا ہے۔ مشقی سرگرمیوں میں نئی نئی تکنیکیں متعارف کرائی گئی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ کی مدد سے یہ مشقی سرگرمیاں طلبہ کی تشکیلِ علم کی صلاحیت میں قابلِ لحاظ اضافہ کرنے میں معاون ثابت ہوں گی اور ان کی وجہ سے قدر پیمائی اور آموزش کے ماحصل میں مزید سہولت ہوگی۔ یہ تمام خاکے ’سرگرمی نامے‘ کو مدنظر رکھ کر تیار کیے گئے ہیں۔ **کچھ زائد مشقی سرگرمیاں تفہیمِ سبق کے لیے بطورِ خاص شامل کی گئی ہیں اور بعض کو مسابقتی امتحانات کے طرز پر تیار کیا گیا ہے۔** استحسانی سرگرمیوں کا مقصد نظم و نثر کی تفہیم و تشریح کے علاوہ پسندیدگی اور شعر و ادب کے جمالیاتی پہلو سے لطف اندوزی بھی ہے۔

۸۔ **عملی قواعد** : اسباق پر مشتمل اور نصاب میں شامل قواعد کو ’عملی قواعد‘ یعنی زبان کے روزمرہ استعمال کے پیشِ نظر آسان تر مثالوں اور وضاحتوں کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ یعنی عنوانات گیارھویں جماعت میں شامل تھے۔ قواعدی تفہیم کے لیے یہاں اسی کتاب کے اسباق سے مثالیں دی ہوئی ہیں۔ ان کے مفصل تجزیے کے بعد قواعدی اصطلاح کی تعریف متعین کی گئی ہے۔ دوسری مماثل مثالیں ڈھونڈنے یا تیار کرنے کی ہدایات بھی یہاں شامل ہیں۔ آپ ان ہدایات کی روشنی میں قواعد پڑھائیں اور طلبہ کو ایسے مواقع فراہم کریں کہ وہ زبان کے عمومی استعمال میں عملی قواعد کی مثالوں کو پہچان لیں۔ اس تعلق سے پچھلی درسی کتابوں کے متن کی طرف بھی اساتذہ اور طلبہ کو متوجہ کیا گیا ہے۔ پچھلی جماعتوں کی درسی کتابوں میں اجزائے کلام (صَرف) اور نحو میں جملے کی اقسام پر غور کیا گیا تھا۔ اب اس کتاب میں جملے کی نحوی و صرفی ترکیب اور تحویل و تقلیب کے ساتھ ہی لفظ سازی کے طریقوں پر بھی غور کیا گیا ہے۔ طلبہ اساتذہ کی مدد سے سبق کے جملوں کا نحوی و صرفی تجزیہ بغور کرسکیں اس کے لیے قواعد کے حصے میں بیشتر مثالیں دی ہوئی ہیں۔

۹۔ **مثالیں** : مشمولات کی آموزش اور تفہیم میں طلبہ کی آسانی کے لیے کتاب کی مشقی سرگرمیوں میں زیادہ سے زیادہ مثالیں دی ہوئی ہیں۔ یہ مثالیں سرگرمی کو آسان بنانے اور سبق کے متن کی مکمل توضیح کے لیے نہایت مفید ہیں۔ اساتذہ ان مثالوں کے علاوہ دیگر مثالیں بھی اپنی تدریس کے دوران استعمال کرسکتے ہیں۔ **اساتذہ اس بات کا خصوصی خیال رکھیں کہ ان تمام سرگرمیوں کی شمولیت سرگرمی نامے میں ضروری نہیں ہے۔**

۱۰۔ **وضاحتیں** : کتاب میں تفہیم کے لیے اضافی معلومات کے خاکوں کے ذریعے متن کے بعض اہم نکات کی وضاحت اور معانی و اشارات کے ذیل میں بعض الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے۔ اسی جگہ زبان کو دیگر مضامین سے مربوط کرنے کے لیے تدریسی متن کے ساتھ علمی معلومات بھی دی گئی ہے۔ تدریس کے وقت آپ اس کا استعمال کرسکتے ہیں۔ نثر و نظم کے متن میں بعض اہم حوالوں کی وضاحت اور ان کی تفہیم کے لیے سرگرمیاں زیرِ نظر کتاب کی ایک اور خصوصیت ہے۔ متن میں آنے والے غیر معروف یا کم معروف تصور، شخص، واقعے وغیرہ کے کسی قدر مفصل تعارف پر مبنی اقتباسات کتاب میں جگہ جگہ شامل ہیں۔ ان کا مطالعہ طلبہ کو زائد معلومات فراہم کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔

۱۱۔ صلاحیتوں کی نشوونما : درس وتدریس کو طالب علم مرکوز کرنے، اس میں خود آموزی پر زور دینے اور اسے طلبہ کے لیے مسرت بخش بنانے کے مقاصد کے تحت یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ درس وتدریس کے وقت یہ واضح ہونا چاہیے کہ ابتدائی تعلیم کے مختلف مرحلوں میں طلبہ میں کون سی مخصوص صلاحیت پروان چڑھے گی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس درسی کتاب میں زباندانی اور ادبی شعور کو جلا دینے والی متوقع صلاحیتوں کا تعین بھی کر دیا گیا ہے۔

درسی کتاب میں بارھویں کے طلبہ کی عمر کے گروہ سے تعلق رکھنے والے اور بچوں کی جذباتی دنیا سے ہم آہنگ نثر اور نظم کے اسباق کو شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں زباندانی کی صلاحیتوں کے ارتقا کے لیے جدید طرز کی مشقیں اور سرگرمیاں دی گئی ہیں۔ مشقوں کے ذریعے طلبہ کی قوتِ مشاہدہ، قوتِ تخیل اور قوتِ عمل پر زور دیا گیا ہے۔ عنوان 'عملی قواعد' کے تحت قواعد کے اجزا کو آسان زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ زبان کی افہام وتفہیم، نئے الفاظ برتنا، روزمرہ اور محاوروں کا استعمال کرنا اور زبان وقواعد کے بارے میں آگہی پیدا کرنا، اِن مقاصد میں شامل ہے۔ اس کے تحت درسی کتاب میں مسرت بخش اور آسان زبان میں لکھا ہوا مواد شامل کیا گیا ہے۔ معاشرے کے تئیں ذمے داری، اخلاقی اقدار، شجاعت، تاریخ و ثقافت اور انسانی رشتوں کی پاسداری جیسے جذبات کو پروان چڑھانے کے لیے بھی اس کتاب میں مواد شامل ہے۔ مختلف موضوعات پر بات چیت اور ان کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے سے طلبہ میں علمی شعور بیدار ہوگا۔ طلبہ از خود مضمون نویسی کریں، اپنے خیالات کا اظہار کریں، اس مقصد کے تحت متنوّع مشقیں اور سرگرمیاں درسی کتاب میں شامل کی گئی ہیں۔

زیرِ نظر درسی کتاب کی تدریس کے دوران اساتذہ اس امر کو ملحوظ رکھیں کہ جماعت میں جو کچھ سکھایا جائے، وہ اسکول سے باہر کی دنیا اور روزمرّہ زندگی کے معاملات سے لازمی طور پر مربوط ہو۔

کتاب کو حتی الامکان معیاری اور بے عیب بنانے کے لیے اس کا مسودہ ریاست مہاراشٹر کے مختلف علاقوں سے مدعو کیے گئے اساتذۂ کرام، ماہرینِ تعلیم اور ماہرینِ زبان کی خدمت میں تبصرے کے لیے پیش کیا گیا تھا۔ ان کے پیش کردہ مشوروں اور تجاویز کی روشنی میں مسودے میں ضروری ترمیم کر کے اسے قطعی شکل دی گئی ہے۔

نثر ونظم کے انتخاب کے وقت کوشش کی گئی ہے کہ اُردو زبان کا لسانی، تہذیبی، ملکی اور عالمی تصوّر واضح ہوجائے۔ کلاسک نثر ونظم کے نمونوں کے ساتھ جدید اور عصری ادبی تصورات پر مشتمل چیزیں طلبہ کے مطالعے کے لیے پیش کی جائیں۔ اُمید ہے کہ زبان، ملک اور معاشرے کو ماضی وحال کے آئینوں میں دیکھنے اور سمجھنے کے لیے اس کتاب کی مشمولات طلبہ کے لیے ممد ومعاون ثابت ہوں گی۔ کتاب میں شامل اضافی مطالعہ خاکوں پر مشتمل ہے۔ اس ادبی صنف کے خدوخال، اس کی خوبیاں اور ادبی اہمیت سے روشناس کرانے کے لیے اسے اضافی مطالعے میں شامل کیا گیا ہے۔

حالیہ زمانے کی درسی کتابیں جدید مواصلاتی تکنیکوں کے استعمال سے خالی نہیں رہ سکتیں۔ QR کوڈ کے علاوہ کتاب میں شامل متعدد اسباق جن کتابوں سے لیے گئے ہیں، ان میں سے انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہیں۔ طلبہ اور اساتذہ اِن سے مطلوبہ معلومات حاصل کر کے اپنے علم میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ اب تمام اُردو درسی کتابیں بال بھارتی کی ویب سائٹ پر بھی دستیاب کرائی جا رہی ہیں۔

یووک بھارتی، بارھویں جماعت کا متن

بارھویں جماعت کی درسی کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ پچھلی درسی کتابوں سے قدرے مختلف ہے۔

اب سے پہلے یووک بھارتی، گیارھویں اور بارھویں کا متن ایس.ایس.سی. بورڈ کے لیے متعینہ اُردو لسانی کمیٹی مرتب کرتی رہی ہے۔ بال بھارتی کے ادارے نے پہلی مرتبہ اعلیٰ ثانوی درجے کی اس دوسری درسی کتاب کے متن کی تالیف وتدوین کی ہے۔ بارھویں جماعت کے طلبہ کی ذہنی عمر کے پیشِ نظر ان کی آموزشی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے جو تقاعلات نصاب میں شامل ہیں، گزشتہ برس کی کتاب اور زیرِ نظر کتاب میں کچھ فرق کر دیا گیا ہے۔

ظاہری ہیئت میں یہ کتاب سات حصوں میں تقسیم ہے : (۱) نثر (۲) نثری قواعد (۳) نظم (۴) شعری قواعد (۵) اضافی مطالعے کا متن (۶) اطلاقی تحریریں اور (۷) نظم ونثر سے ماخوذ مثالوں پر مشتمل قواعد یعنی صرف ونحو کے وہ موضوعات جن سے طلبہ گزشتہ برسوں میں متعارف ہو چکے ہیں۔

کتاب کے حصۂ نظم میں مختلف شعری ہیئتوں پر مشتمل نظمیں شامل ہیں۔ان اصناف سے بھی طلبہ واقف ہیں۔ان کی خصوصیات اوران کے پڑھنے اور سمجھنے کے طریقے ان کی تدریس میں شامل رہے ہیں۔ایک نئی صنف 'شہرآشوب' یہاں متعارف کی جارہی ہے جس سے معاشرے کے حالات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔غزلوں کا متن قدیم سے جدید منظر تک پھیلا ہوا ہے اوراس میں غزل کی لفظیات اور مختلف شعرا کے اسالیب کی شناخت کی گئی ہے۔

شعری قواعد کا متن گیارھویں جماعت کی درسی کتاب سے ملتا جلتا ہے البتہ چند مثالیں بدل دی گئی ہیں۔نثری قواعد میں کچھ نئے موضوعات شامل کیے جارہے ہیں۔

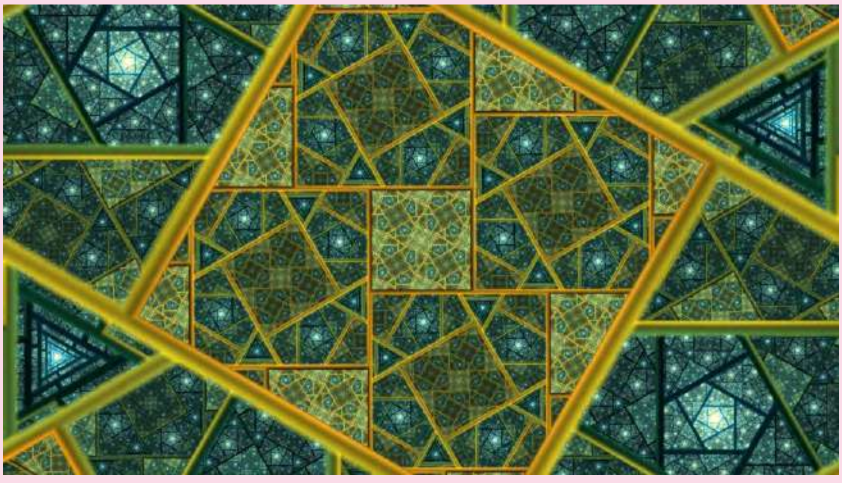
اُردو نثر میں خاکہ ایک ایسی صنف ہے جو کسی کردار،شخصیت کے کوائف کے ساتھ اس کی طبعی و نفسی صورت گری کرتا ہے۔ یہاں اضافی مطالعے کے حصے میں مہاراشٹر کے چار اہم خاکہ نگاروں نے مہاراشٹر ہی کے چار بہت اہم ادیبوں،شاعروں کے خاکے تخلیق کیے ہیں جن کا مطالعہ طلبہ میں کسی بھی شخص کے ظاہر و باطن کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا کرسکتا ہے۔

درسی کتاب میں شامل اطلاقی تحریریں علم اور زبان کا عملی خاکہ ہیں۔ان میں مضمون نویسی، روداد نویسی تعارف نامہ اور فیچر رائٹنگ کے متعلق مواد شامل ہے کہ مختلف شعبوں میں روزگار حاصل کرنے کے لیے طلبہ کو کن خطوط پر چلنا ہوگا۔

آموزش کی جانچ کے لیے نثر و نظم کے ہر سبق پر متعدد اقسام کی مشقیں شامل کی گئی ہیں۔ان کی صورت گزشتہ کتاب کی مشقوں سے ملتی ضرور ہے لیکن ان کے حل میں بعض نئے طریقے شامل کیے گئے ہیں۔

اس درسی کتاب کے متن و مواد کی پیشکش اوران کی آموزش کے بعد جانچ کے مشقی مراحل کی تفہیم کے علاوہ اسباق کی پیش کش کے لیے 'پیش درس' کا تعارف شامل ہے۔نثری یا منظوم صنف کے تقاضوں کے مطابق اس میں متعلقہ سبق کے مواد اوراس کی صنف کا تعارف کیا گیا ہے۔ یہ متن کے سیاق و سباق،موضوع ،مرکزی خیال وغیرہ کے مدنظر تدریسی متنی اکائی کو اساتذہ اور طلبہ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ کوئی سبق سے آزاد لسانی اکائی نہیں بلکہ اکثر اسباق کی مشقی سرگرمیوں میں ان پر شذرات پوچھے گئے ہیں اور یہ ایک طرح سے سبق کا لازمی حصہ ہے۔

اگلے وقتوں کی لسانی درسی کتابوں میں اسباق کے مصنّفین کا مختصر سا تعارف شامل ضرور ہوتا تھا لیکن اب یہ تعارف جو پیش درس کے ساتھ یا اس کے بعد متن میں شامل ہے، مشقی سرگرمیوں کا بھی حصہ بنا دیا گیا ہے۔ ہم جو سبق پڑھ رہے ہیں، اس کا لکھنے والا خود کیا تھا یا کیا ہے، اس کے دیگر ادبی کارہائے نمایاں کیا ہیں، ان کی معلومات اساتذہ اور طلبہ دونوں کو ہونی چاہیے۔ توقع کی جاتی ہے کہ دونوں ہی ہر شاعر اور مصنف اور اس کے کاموں کو یاد رکھیں گے کیونکہ یہ ہماری زبان کی روایات کا حصہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ زبان کی روایتوں کی حفاظت زبان کو استعمال کرنے والے ہر فرد کا فرض بھی ہے۔



متوقع صلاحیتیں

یہ توقع کی جاتی ہے کہ بارھویں جماعت کے تعلیمی سال کے آخر تک طلبہ میں زبان کی درج ذیل صلاحیتوں کو فروغ حاصل ہو۔

سننا

۱۔ سمعی، بصری و سمعی ذرائع ابلاغ سے نشر ہونے والے بیانات، مباحثے، مذاکرے، انٹرویو، کہانیاں، نظم خوانی کے پروگرام، مثالی خواندگی وغیرہ میں پائی جانے والی لسانی خصوصیات اور نظریاتی پیش کش کو تشخیصی طور پر سمجھنا۔

۲۔ عوامی مقامات پر آویزاں ہدایات، امتناعی ہدایات، گزارشات کو سن کر ان کی معنویت پر غور کرتے ہوئے ان کے مطابق عمل کرنا۔

۳۔ رسمی و غیر رسمی مقامات پر ہونے والے بیانوں، مکالموں، مباحثوں، مذاکروں اور کارگاہوں میں پیش کردہ حوالوں کی سماعت سے معالجاتی طور پر ان کے مطالب اخذ کر پانا اور اپنی زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کرنا۔

۴۔ لسانی مہارتوں کو فروغ دینے کے لیے مختلف سمعی، بصری و سمعی ذرائع ابلاغ کا معلومات کے سرچشموں کے طور پر سمجھ بوجھ کر استعمال کرنا۔

۵۔ انٹرنیٹ سے لنکس، کیو. آر. کوڈ، ویڈیوز، یو-ٹیوب، ذرائع ابلاغ وغیرہ بصری و سمعی وسائل میں دیے گئے متوقع اور اکتسابی عمل سے متعلق حوالوں کو تلاش کرکے ان کا استعمال کرنا۔

بولنا

۱۔ مختلف ادبی سرگرمیوں پر مبنی بحث میں حصہ لیتے وقت عام فہم خیالات کو موضوع کی مناسبت سے پیش کرنے کے لیے مؤثر زبان کا استعمال کرنا۔

۲۔ پڑھی جاچکی اصنافِ ادب کی عام خصوصیات واضح کرنا۔

۳۔ 'اطلاقی تحریر' کے باب میں شامل متعلقہ اکائیوں کو پیش کرنا۔

۴۔ دیے ہوئے موضوع کے مطابق آزادانہ ذاتی خیالات حوالے کے ساتھ صراحت سے پیش کرنا۔

۵۔ بولنے کی مہارت کی تمام خوبیاں اپنے اندر پیدا کرکے شخصیت کی تعمیر کے لیے ان کا اعتماد کے ساتھ استعمال کرنا۔

پڑھنا

۱۔ مختلف ادبی متون کا تنقیدی مطالعہ، نیز ادب سے حظ حاصل کرنے کے مقصد سے انھیں پڑھنا۔

۲۔ انٹرنیٹ پر ای-بکس، ای-نیوز اور ای-ادب تلاش کرکے انھیں پڑھ پانا اور مناسب موقعوں پر ان کا استعمال کرنا۔

۳۔ مسابقتی امتحانات کے پیش نظر اُردو زبان سے متعلق سودمند ابواب/ اکائیوں کا بغور مطالعہ کرنا۔

۴۔ اپنے علمِ زبان کو حال کے مطابق پروان چڑھانے کے لیے مفید اکائیوں کا بغور مطالعہ کرنا مثلاً مختلف اخبارات، حوالہ جاتی کتب، لغات وغیرہ۔

۵۔ اسباق سے متعلق اصل ادبی سرگرمیوں اور حوالہ جاتی کتب کا مطالعہ کرنا۔

لکھنا

۱۔ سبق کے مرکزی خیال اور اس کی فکر کے متعلق وضاحت کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار آسان لفظوں میں کرنا۔
۲۔ اشعار میں پائے جانے والے شعری حسن کو وضاحت سے لکھنا۔
۳۔ اپنے تجربات اور مشاہدات کے متعلق اپنے خیالات کو تحریری طور پر پیش کرنا۔
۴۔ 'اطلاقی تحریر' کے باب کی اکائیوں کو لکھ پانا۔

آموزشی مہارت

۱۔ حوالوں کے لیے قاموسی ادب کا مطالعہ کرنا۔
۲۔ مختلف واقعات سے حاصل تجربات کو تفصیل کے ساتھ واضح کرنے کی صلاحیت۔
۳۔ انٹرنیٹ کی عملی زندگی میں استعمال کی مہارت۔
۴۔ کمپیوٹر پر دستیاب مختلف تعلیمی اپلی کیشنز کا عملی طور پر بہترین استعمال کرنا۔
۵۔ ذرائع ابلاغ سے مشتہرا اکائیوں کو بغور سمجھ کر انھیں تشخیصی صورت میں پیش کرنا۔
۶۔ مختلف سماجی رکاوٹوں کو سمجھ کر اُن کے سدباب کے لیے واضح خیالات پیش کرنا۔
۷۔ مختلف زبانوں سے آشنا ہونے کی اُمنگ پیدا کرنا۔
۸۔ ادبی سرگرمیوں کے ذریعے ذوق کو بڑھانا اور سرگرمیوں میں شرکت کے ذریعے اسے پروان چڑھانا۔
۱۔ تکنالوجی اور انٹرنیٹ کا مناسب استعمال کرکے اپنی ذات کا اظہار اور اسے فروغ دینا۔

زبان کا مطالعہ

۱۔ زبان کا مطالعہ - جملے کی اقسام اور تحویل/تقلیب، استفہامیہ اقراری اور استفہامیہ انکاری کی پہچان کرنا اور ان کا اپنی تحریروں میں استعمال کرنا۔
۲۔ صرفی ونحوی تجزیوں کا تعارف اور مشق۔
۳۔ صنائع بدائع کے مطالعے سے شعرفہمی کی صلاحیت کو اُجاگر کرنا۔
۴۔ کلاسیکی ادب کے ذریعے زبان کے تدریسی مراحل کو سمجھنا۔



فہرست

حصّۂ نثر

۱

طلسمِ ہوش رُبا

محمد حسین جاہ

پیش درس

'داستان' قصہ کہانی کہنے کا ایک قدیم طرز ہے۔ آپ نے حاتم طائی، الہ دین، سند باد وغیرہ کی کہانیاں ضرور سنی ہوں گی بلکہ ان کہانیوں پر بنائی گئی فلمیں بھی دیکھی ہوں گی۔ یہ سب کہانیاں دراصل داستانیں ہیں۔ 'الف لیلہ' دنیا بھر میں مشہور ایک داستان ہے۔ الہ دین اور سند باد کی کہانیاں 'الف لیلہ' ہی میں شامل چھوٹی کہانیاں ہیں۔ قدیم زمانے میں کہانیاں سنانے کا یہ عام طریقہ تھا کہ ایک کہانی شروع کرتے اور اس میں دوسری بہت سی چھوٹی بڑی کہانیاں جوڑتے جاتے تھے۔ اس زمانے میں کہانیاں زبانی سنانے کا رواج تھا۔ اس طرح کہانی ایک لمبی داستان بن جاتی تھی۔

داستان گو ایک کہانی کو ایسے واقعے تک لا کر ادھورا چھوڑ دیتا کہ سننے والے بقیہ داستان سننے کے لیے بے تاب ہو جاتے تھے۔ داستان گو اگلی رات اسی کہانی کو دوسری کہانی سے جوڑ کر داستان کو آگے بڑھا دیتا تھا۔ اس طرح بے شمار واقعات اور بے شمار کرداروں پر مشتمل بہت سے مجموعے تیار ہو جاتے تھے جنھیں دفتر کہا جاتا ہے۔ 'طلسمِ ہوش رُبا' بھی ایک مزید طویل داستان 'داستان امیر حمزہ' کا ایک دفتر ہے۔ یہ دفتر ہزار ہزار صفحات کی آٹھ یا دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں امیر حمزہ اپنے لشکر کے ساتھ 'ہزار شکل' کے بادشاہ لقا باختری سے مقابلے کے لیے نکلتے ہیں۔ لقا نے خدائی کا دعویٰ بھی کیا ہے اور طلسم کے سارے بادشاہ، جادوگر، دیو، پریاں اور دوسری مخلوقات اسے اپنا خدا مانتی ہیں۔ امیر حمزہ لقا کے تعاقب میں طلسم ہزار شکل تک پہنچتے ہیں لیکن لقا وہاں سے فرار ہو جاتا ہے۔ تب امیر حمزہ اپنے جاسوسوں کو اس کی خبر لانے کے لیے بھیجتے ہیں۔ لقا کو گلزارِ سلیمانی کے بادشاہ نے پناہ دی ہوئی ہے۔ امیر حمزہ کا لشکر گلزارِ سلیمانی کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد کا قصہ ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

یہ اقتباس 'طلسمِ ہوش ربا' جلد اوّل کے ابتدائی صفحات سے ماخوذ ہے۔ اس کے بغور مطالعے سے اُنیسویں صدی میں اُردو نثر کے بیانیہ اسلوب سے تعارف حاصل ہوتا ہے۔ جگہ جگہ پر نثر مقفّیٰ ہے جیسے یہ جملے :

خیمہ خرگاہ اُشتر وقاطروں پر بار ہوئے۔ / دلاور مسلح و مکمل ہو کر چلنے پر تیار ہوئے۔
حکمِ ربط وضبط ملک، فوج کو اپنی دیا / درِ قلعہ بند کیا۔ وغیرہ

اکثر سطروں میں زیرِ اضافت والی ترکیبیں استعمال کی گئی ہیں : بہ ہمراہیِ لقا / خدمتِ امیرِ کشور گیر / گزارشِ خدمتِ سلطانِ عالی شان وغیرہ۔ ہم آج ایسی ترکیبیں اپنی گفتگو اور تحریر میں استعمال نہیں کرتے یا بہت کم کرتے ہیں۔

جان پہچان

طلسمِ ہوش رُبا کو واقعہ در واقعہ سنانے کا کام ۱۸۵۷ء سے پہلے رام پور میں شروع ہوا۔ اس کی ابتدا میر احمد علی نے کی۔ ان کے بعد دوسرے بہت سے داستان گویوں نے اسے عوام میں پیش کیا۔ اس تعلق سے احمد علی کے شاگرد امبا پرشاد کا نام لیا جاتا ہے۔ پھر احمد علی ہی کے بیٹے غلام رضا نے داستان سرائی کی روایت کو آگے بڑھایا۔ داستان کی روایت یہ رہی ہے کہ اسے سامعین کے سامنے سنایا جائے۔ پھر طباعت کی آسانی نے اسے قرأت کی روایت میں تبدیل کر دیا یعنی داستانیں کتابوں میں آ گئیں۔ 'طلسمِ ہوش ربا' کی تمام جلدیں دو داستان گویوں کا کارنامہ ہے، ایک محمد حسین جاہ اور دوسرے احمد حسین قمر۔ اس کی پہلی چار جلدیں جاہ نے اور بقیہ جلدیں قمر نے سنائیں اور لکھیں۔ اصل داستان 'امیر حمزہ' کو جتنا سنا اور پڑھا گیا ہے، اُردو میں کوئی داستان اس مرتبے کو نہیں پہنچتی۔ افسوس کہ اس عظیم لسانی کارنامے کے مصنفوں کے حالات دنیا کے سامنے نہیں۔

راوی کہتا ہے کہ جب لقا ہزار شکل سے بھاگا تھا، حمزہ صاحب قِراں نے لشکرِ ظفر پیکر سے اپنے چار ہرکارے صبا دم، تیز رفتار لقا بے بقا کے ہمراہ روانہ فرمائے تھے کہ جس جگہ یہ مسکن گزیں ہو اور جو اسے پناہ دے، اُس بادشاہ کی حقیقت سے اور اُس ملک وسپاہ کی کیفیت سے حضرتِ قدر قدرتِ شاہنشاہی کو اطلاع دیں۔ وہ ہرکارے بہ ہمراہیِ لقا یہاں تک آئے تھے۔ انھوں نے بیانِ سپہ سالارانِ سلیمان، سب سنا اور حال فوج اور ملک کا سب دریافت کر کے خدمتِ امیرِ کشور گیر میں چلنے کا ارادہ کیا۔ القصہ قلعے سے نکل کر مانند صرصر کے روانہ ہوئے اور سلطانِ عالی شان سعد بن قباد کی خدمت میں آ کر پہنچے۔ وہ اس قدر بہ تعجیلِ تمام آئے تھے کہ پپڑیاں ہونٹوں پر بندھی تھیں، کنپٹیاں لپکتی تھیں۔ انھوں نے آ کر شہنشاہِ عالی جاہ کو مجرا کیا اور ہاتھ اٹھا کر دعا وثنائے شہریاری بجا لائے اور یوں عرض کرتے تھے کہ اے بادشاہِ عالی تبار، نَصفت نشان، لقا کوہِ عقیق پہنچا اور وہاں سکونت ٹھہرائی ہے۔ بادشاہ نے وہاں کے، اعانت کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ باقی اور جو احوال کہ ہرکاروں نے دیکھا تھا، وہ سب مَن وعَن مفصّلاً گزارشِ خدمتِ سلطانِ عالی شان کیا۔ بادشاہ نے اپنے سپہ سالار حمزہ صاحب قِراں کی جانب دیکھا اور حکم دیا کہ پہلوانِ دوراں عادی کو بلاؤ اور پیش خیمہ طرف کوہِ عقیق کے روانہ کرو۔ حسبِ ارشاد پلٹنیں اور رسالے بہ کرّوفر، مَرکَب ہائے تازی پر سوار، پیادے بے شمار کوچ کرنے لگے۔ بازاریں لشکر کی روانہ ہوئیں۔ خیمہ خرگاہ اُشتر وقاطروں پر بار ہوئے۔ دلاور مسلح ومکمل ہو کر چلنے پر تیار ہوئے۔ بادشاہ مع سردارانِ گرامی کے اور صاحب قِراں مع عیارانِ نامی کے، سوار ہو کر بہ رہبری اُسی طرف چل نکلے۔

قصہ کوتاہ، بعد کوچ ومقام وشام وپگاہ، لشکر نے قریبِ کوہِ عقیق ورود فرمایا۔ بارگاہِ فلک پایے گاہ نصب ہوئی، بازاریں لشکر میں کھل گئیں، پلٹنیں صحرائے پاکیزہ اور مقامِ عمدہ میں اترنے لگیں۔ داخلۂ لشکر سے مخالفوں کے ہوش مثلِ طائرِ پریدہ اُڑے۔ سلیمان نے آمدِ فوج کی خبر سن کر حکمِ ربط وضبطِ ملک، فوج کو اپنی دیا اور درِ قلعہ بند کیا۔ توپیں برنجی وآہنی ڈھلی ہوئی لگائیں، برج وبارے وکنگُرے وفصیلیں درست ہوئیں۔ الغرض یہاں تو یہ تیاری شروع ہوئی اور صاحب قِراں منتظرِ مقابلۂ عدو، سامنے قلعے کے فروکش ہوئے مگر بدیع الزّماں فرزندِ رشیدِ حمزہ صاحب قِراں کو ہوائے خوش اور صحرائے سبزہ زار دیکھ کر شکار کھیلنے کی ہوس ہوئی، امیر سے اجازت چاہی۔ امیر خاموش ہو رہے۔ بدیع الزماں اپنی والدہ کے پاس گئے اور گزارش کی کہ آپ مجھے والدِ ماجد سے اجازت شکار کے لیے جانے کی لا دیں۔ ملکہ نے منظور کیا اور جب امیر بارگاہ میں ملکہ کی تشریف لائے، ملکہ نے شاہزادے کی سفارش کی۔ امیر نے بِنا چاری رخصت دی مگر فرمایا کہ یہ صحرا تمام ساحرانِ جہاں کا مسکن ہے اس لیے میں اجازت نہیں دیتا تھا کہ شاہزادہ کسی آفت میں مبتلا نہ ہو لیکن تمھارے کہنے سے ایک روز کی اجازت دیتا ہوں کہ بعد ایک روز کے پھر آئیں، زیادہ عرصہ نہ لگائیں۔ بدیع الزماں نے ارشادِ صاحب قِراں قبول کیا اور سامان شکار کھیلنے کا، رات بھر درست ہوتا رہا۔ جس وقت صیادِ فلک مشرق سے سبزہ زارِ فلک پر صید افگنِ ثوابت وسیارگاں ہوا، وہ آفتابِ عالم تاب بہرِ شکار عازمِ میداں ہوا، شاہزادۂ عالی مقام باحشم وخدم، صحرا میں صید افگن تھا اور ہر طرف فضائے نزہتِ دشت وکوہ دیکھتا جاتا تھا، سامنے کچھار سے ایک آہو اٹکھیلیاں کرتا، طرارے بھرتا پیدا ہوا۔ بدیع الزماں اس کی رعنائی اور زیبائی دیکھ کر شیفتہ اور فریفتہ ہوا۔ سرداران کو اپنے حکم دیا کہ اس کو زندہ گرفتار کرو، خبردار جانے نہ دو۔ بہ مجردِ حکم ہمراہیوں نے حلقہ باندھ کر اُسے گھیرا مگر ہرن کنوتیاں بدل کر سر پر سے شاہزادے کے نکل کر چلا۔ بدیع الزماں نے اس کے پیچھے گھوڑا اٹھایا اور کئی کوس نکل آئے۔ سب ساتھی چھوٹ گئے اور یہ اکیلے رہے۔ اس وقت کہ جب ہرن پر دسترس نہ پہونچا اور وہ زندہ گرفتار نہ ہوا، فوراً ترکش سے تیرِ مارِ دَہ مشت

بحرِکمان میں پیوستہ کرکے لگایا۔ تیراس کے دوسار ہوا، وہ ہرن زمین پر گرا، شاہزادے نے مَرَکَب سے کودکر اسے ذبح کیا۔ جیسے ہی وہ ہرن ہلاک ہوا، ایک صدائے مہیب پیدا ہوئی کہ اے فرزندِ حمزہ! تو نے بڑا غضب کیا کہ قتل کیا غزال کو۔ یہ سرحدِ طلسمِ ہوش رُبا ہے۔ یہاں سے بچ کر جانا اب دشوار ہے۔ شاہزادے نے دیکھا کہ تمام صحرا گرد وغبار سے تاریک ہے، آندھیوں کا طوفان برپا ہے۔ بعد لمحے کے شاہزادے پر بے ہوشی طاری ہوئی پھر جو آنکھ کھلی، اپنے کو قیدِ گراں میں پایا۔

یہاں امیّہ بن عَمرو نامدار عیّار جب شہزادے کی تلاش میں آیا، دشت کو تیرہ وتار پایا، قیامت کا آثار دیکھا۔ لاش بدیع الزماں کی خاک پر پڑی ہے، وہ چاندسی صورت خون میں بھری ہے۔ الغرض عیّار، شہزادے کی لاش سے لپٹ کر رونے لگا اور اپنا گریبان چاک کیا۔ خاک سر پر اڑاتا لاشے کو گھوڑے پر ڈال کر لشکرِ صاحب قِراں کی طرف چلا۔ راہ میں ہمراہی اور رفیق، شاہزادے کے ملے۔ انھیں جو یہ ماجراغم انگیز نظر آیا، فرطِ الم سے کلیجا منہ کو آیا۔ روتے پیٹتے، خاک اڑاتے خدمتِ امیر میں آئے۔ جب اہلِ لشکر اور امیرِ نام ور نے یہ سانحہ جاں گزا ملاحظہ فرمایا، بے تامل نالہ وشیون کیا۔ سارے لشکر اور محلاتِ عظمیٰ میں شورِ گریہ وبکا بلند تھا۔ ملکہ گردیہ بانو ماں شہزادے کی، پچھاڑیں کھاتی تھی۔ یہاں تو یہ شور ونوحہ وزاری برپا تھا مگر عمرو سے امیر نے فرمایا کہ جلد مرکب کو تیار کرکے لا کہ میں شہزادے کے قاتل کی تلاش میں جاؤں اور اسے قتل کرکے اُس کا بھی سر لاؤں۔ عمرو نے عرض کی کہ اے شہر یار، میں نے سنا ہے کہ شاہزادے کو کسی انسان نے نہیں شہید کیا ہے بلکہ صحرا تاریک ہوگیا، کچھ معلوم نہ ہوا سوائے اُس کے کہ یہ لاشۂ بے سر ملا۔ امیر نے فرمایا کہ واللہ اس میں کچھ اسرار ہے، اس حال سے آگاہ پروردگار ہے۔ بلاؤ فرزندانِ خواجہ بزرچمہر وزیرِ نوشیرواں کو۔ حسبِ ارشادِ امیر، فرزندانِ خواجہ بزرچمہر کو بلایا اور بارگاہ میں بہ اعزازِ تمام صدرِ عزّت پر بٹھایا، شاہزادے کا حال پوچھا۔ انھوں نے زائچہ کھینچ کر بعد خوض وغورِ بسیار سر اٹھا کر فرمایا کہ اے شہر یارِ ذی وقار! شہزادہ صحیح وسالم ہے مگر قیدِ شدید میں ساحروں کی گرفتار ہے اور جو یہ لاش آپ کے سامنے آئی ہے، ماش کے آٹے کی تصویر بنائی ہے۔ آپ اسمِ اعظم پڑھ کر پانی پر پھونکیے اور اس لاش پر چھڑک دیجیے، پھر قدرتِ خالق کا تماشا دیکھ لیجیے۔ امیر نے اسمِ اعظم پانی پر دم کرکے لاش پر چھڑکا، وہ لاش ماش کے آٹے کی نظر آئی۔ امیر نے گردن پئے سجدۂ باری جھکائی کہ شکر ہے تیرا کہ تو نے خبرِ حیاتِ فرزند سنائی۔ خواجہ زادوں کو خلعتِ فاخرہ دے کر رخصت فرمایا اور لاش کو پُھکوا دیا۔ لشکر میں شور وفریاد جو بلند تھا، موقوف ہوا۔ سب نے جانِ تازہ پائی، زندہ رہنے کی شاہزادے کے، خوشی منائی۔ امیر نے عمرو کو بلایا اور واسطے خبر گیریِ شاہزادۂ نامور کے مامور کیا۔ عَمرو نے عیاری سے اپنے جسم کو آراستہ کیا۔ زنبیل اور جالِ الیاسی اور گلیمِ عیاری اور کمندِ آصفی اور دیوجامہ وغیرہ کو سنبھالا اور سب تحفے اور تبرک ساتھ لیے۔

راوی کہتا ہے کہ زنبیل ایک کیسہ ہے کہ علاوہ اس دنیا کے، ایک عالم اُس میں بھی آباد ہے، جب چاہو گے اُس میں سے ہر چیز، جو مانگو گے، نکلے گی اور جو چاہو گے، وہ اُس میں رکھ لو گے۔ گلیمِ عیاری ایسی ہے کہ جب تم اُسے اوڑھ لو گے، تم سب کو دیکھو گے اور تمھیں کوئی نہ دیکھے گا اور جالِ الیاسی یہ صفت رکھتا ہے کہ اگر کروڑوں من کے وزن کی چیز ہو مگر جب تم جال پھینکو گے وہ سوا سیر کی ہوکر اُس میں آجائے گی اور کمندِ آصفی کو پھینک کر جتنا کہو گے، گھٹ جائے گی اور بڑھنے کو کہو گے، بڑھ جائے گی اور کسی چیز سے وہ نہ کٹے گی، نہ ٹوٹے گی اور دیوجامہ جو پہنو گے، سات رنگ بدلے گا۔ کبھی سبز ہوجائے گا اور کبھی سرخ، کبھی زرد وغیرہ۔ انھی اشیا کو عمرو نے درست کرکے واسطے تلاش کرنے بدیع الزماں کے راستہ لیا اور بہ سرعتِ تمام صحرا کی طرف روانہ ہوا۔

معانی واشارات

لقا	–	طلسمِ ہوش رُبا کا ایک جادوگر
ہزار شکل	–	ایک قلعے کا نام
کرّوفر	–	شان وشوکت
صاحبِ قِراں	–	وہ شخص جس کی پیدائش کے وقت اچھے ستارے ایک بُرج میں ہوں۔
لشکرِ ظفر پیکر	–	فاتح لشکر
ہرکارے	–	ہرکارہ کی جمع، قاصد، خبر رساں
صبا دم	–	ہوا کی رفتار رکھنے والا
بے بقا	–	فنا ہونے والا
مسکن گزیں ہونا	–	قیام کرنا، ٹھہرنا
امیرِ کشور گیر	–	ملک پر قابض امیر
صرصر	–	طوفانی ہوا
بہ تعجیل	–	بہت جلدی میں
مجرا	–	سلام
شہر یاری	–	بادشاہی
عالی تبار	–	اونچے مرتبے والا
نَصفت نشان	–	عدل وانصاف جس کا جھنڈا ہو
مِن وعَن	–	جوں کا توں
پیش خیمہ	–	وہ سامان جو فوج کی روانگی سے پہلے اگلی منزل کو بھیجا جاتا ہے۔
رسالے	–	رسالہ کی جمع، فوجی دستے
مَرکَب ہائے تازی	–	عربی گھوڑے
خیمہ خرگاہ	–	ساز وسامان
اُشتر	–	اونٹ
قاطر	–	خچر
عیارانِ نامی	–	نہایت مشہور دھوکے باز، چالاک، جاسوس
پگاہ	–	صبح

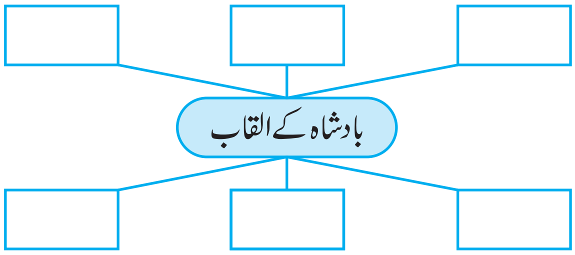
ورود	–	وارد ہونا، پہنچنا
بارگاہِ فلک	–	آسماں جتنا بلند دربار
طائرِ پریدہ	–	اُڑتا ہوا پرندہ
برنجی	–	کانسے کی
فروکش ہونا	–	قیام کرنا، ٹھہرنا
ہوائے خوش	–	مزہ دینے والی ہوا، اچھی لگنے والی ہوا
بنا چاری	–	نہ چاہتے ہوئے
ساحرانِ جہاں	–	دنیا بھر کے جادوگر
پھر آئیں	–	لوٹ آئیں
صید افگن	–	شکاری
ثوابت وسیارگاں	–	غیر متحرک اور متحرک ستارے
صیادِ فلک	–	آسمان کا شکاری مراد سورج
سبزہ زارِ فلک	–	آسمان کا سبزہ زار
صید افگن ثوابت وسیارگاں		ستاروں کا شکار کرنے والا
آفتابِ عالم تاب	–	دنیا کو روشن کرنے والا سورج
بہرِ شکار	–	شکار کے لیے
عازمِ میداں ہونا	–	میدان کی طرف جانے کا ارادہ کرنا
باحشم وخدم	–	نوکر چاکر کے ساتھ
نزہتِ دشت وکوہ	–	جنگلوں پہاڑوں کی تازگی
کچھار	–	دریا کا دلدلی جنگلی علاقہ
شیفتہ	–	عاشق
بہ مجردِ حکم	–	حکم کے مطابق
کنوتیاں بدلنا	–	چوکنا ہونا، کان کھڑے کرنا
کوس	–	دو میل کا فاصلہ
تیرِ ماردہ مشت	–	دس مٹھی لمبے سانپ کے برابر تیر
بحرِ کماں	–	ایک سرے سے دوسرے سرے تک کمان کی لمبائی
دوسار ہونا	–	آر پار ہونا

تیرہ وتار - گھپ اندھیرا
جاں گزا - جان کو تڑپا دینے والا
نالہ وشیون - چلا چلا کر رونا
خوض وغور - غور وخوض، سوچ بچار
گلیمِ عیاری - جادوئی کمبل

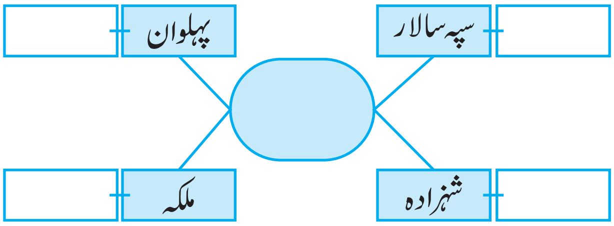
مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کرکے شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔



۲۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کرکے شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔



* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ ہزار شکل قلعے سے فرار ہونے والوں کے تعاقب میں روانہ کیے گئے ہرکاروں کو دی گئی ہدایات لکھیے۔
۲۔ امیرِ کشور گیر کی خدمت میں پہنچنے والے ہرکاروں کی حالت بیان کیجیے۔
۳۔ سپہ سالار صاحب قِراں کی فراہم کردہ معلومات پر بادشاہ کا ردِ عمل بیان کیجیے۔
۴۔ کوہِ عقیق کے بادشاہ کی جنگی تیاریوں کو قلم بند کیجیے۔
۵۔ شہزادہ بدیع الزماں کی خواہش، اجازت ملنے کے مراحل اور بادشاہ کی تنبیہ ترتیب وار تحریر کیجیے۔
۶۔ شہزادہ بدیع الزماں کے شکار پر نکلنے کے وقت کی منظرکشی کیجیے۔
۷۔ عمرو نامدار عیار کے شہزادے کو تلاش کرنے اور اس کی لاش لے کر صاحب قِراں تک پہنچنے کا منظر تحریر کیجیے۔
۸۔ خواجہ بزرجمہر کے زائچہ کھینچنے کے نتیجے کو قلم بند کیجیے۔
۹۔ زنبیل، جالِ الیاسی، گلیمِ عیاری، کمندِ آصفی اور دیو جامہ سے متعلق معلومات دیجیے۔

* درج ذیل گروہ سے متفرق جز کی شناخت کیجیے۔

۱۔ (الف) صبا دم (ب) تیز رفتار
(ج) ہرکارے (د) صرصر

۲۔ (الف) مرکب (ب) پیادے
(ج) اُشتر (د) قاطر

۳۔ (الف) پلٹن (ب) رسالہ
(ج) پیادہ (د) لشکر

۴۔ (الف) آہو (ب) ہرن
(ج) غزال (د) گھوڑا

* صحیح متبادل تلاش کرکے لکھیے۔

۱۔ شہزادے کو شکار کھیلنے کی ہوس ہوئی............
(الف) ہوائے خوش اور صحرائے سبزہ زار دیکھ کر
(ب) ساحرانِ جہاں کا مسکن دیکھ کر
(ج) فضائے نزہت دشت وکوہ دیکھ کر
(د) اٹکھیلیاں کرتا اور طرارے بھرتا آہو دیکھ کر

۲۔ یہاں سے بچ کر جانا اب دشوار ہے کیونکہ............
(الف) تمام صحرا گرد وغبار سے تاریک ہے۔
(ب) آندھیوں کا طوفان برپا ہے۔
(ج) شہزادے پر بے ہوشی طاری ہے۔
(د) یہ سرحد طلسم ہوش رُبا ہے۔

۳۔ امیر نے شہزادے کا سانحہ جاں گزا ملاحظہ فرمایا تو عمرو سے کہا کہ............

(الف) میں شہزادے کے قاتل کی تلاش میں جاؤں اور اسے قتل کر کے اس کا بھی سر لاؤں۔

(ب) اے شہریار! میں نے سنا ہے کہ شاہزادے کو کسی انسان نے نہیں شہید کیا ہے۔

(ج) واللہ! اس میں کچھ اسرار ہے۔ اس حال سے آگاہ پروردگار ہے۔

(د) بلاؤ فرزندانِ خواجہ بزرجمہر وزیر نوشیرواں کو۔

٭ اسباب بیان کیجیے۔

۱۔ ہرن کے تعاقب میں شہزادے کا اکیلا رہ جانا۔

۲۔ بادشاہ کو شہزادے بدیع الزماں کے زندہ ہونے کی اُمید۔

٭ درج ذیل جملوں کی وضاحت کیجیے۔

۱۔ شہزادے کی خبر گیری کے لیے عمرو نے عیاری سے اپنے آپ کو جن چیزوں سے آراستہ کیا۔

۲۔ قصہ کوتاہ، بعد کوچ و مقام و شام و پگاہ، لشکر نے قریب کوہِ عقیق ورود فرمایا۔

۳۔ جس وقت صیادِ فلک مشرق سے سبزہ زارِ فلک پر صید افگنِ ثوابت و سیارگاں ہوا، وہ آفتاب عالم تاب بہرِ شکار عازمِ میداں ہوا۔

۴۔ جب ہرن پر دسترس نہ پہنچا اور وہ زندہ گرفتار نہ ہوا، فوراً ترکش سے تیر مارِ دَہ مشت بحرِ کمان میں پیوستہ کر کے لگایا۔ تیر اس کے دوسار ہوا۔

٭ ذیل میں دیے ہوئے موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

۱۔ شہزادے بدیع الزماں کی سرگرمیاں

۲۔ اُمیہ بن عمرو نامدار عیّار کی امیر سے کی گئی عرض

۳۔ سحر، ساحر، زائچہ، پیشین گوئی، اسمِ اعظم

۴۔ کرامت اور سائنس

٭ ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ ذیل کے جملوں سے مفرد، مرکب اور مخلوط جملے شناخت کر کے لکھیے۔

- واللہ! اس میں کچھ اسرار ہے، اِس حال کا آگاہ پروردگار ہے۔
- انھی اشیا کو عمرو نے درست کر کے واسطے تلاش کرنے بدیع الزماں کے راستہ لیا۔
- وہ اِس قدر بہ تعجیلِ تمام آئے تھے کہ پڑیاں ہونٹوں پہ بندھی تھیں۔
- بدیع الزماں ہرن کی رعنائی اور زیبائی دیکھ کر شیفتہ اور فریفتہ ہوا۔

۲۔ منفی جملے میں تبدیل کیجیے۔

یہاں سے بچ کر جانا اب دشوار ہے۔

۳۔ مفرد جملے میں تبدیل کیجیے۔

لشکر میں شور و فریاد جو بلند تھا، موقوف ہوا۔

۴۔ تذکیر و تانیث کے الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔

بدیع الزماں اپنی والدہ کے پاس گئے اور گزارش کی کہ آپ مجھے والد ماجد سے اجازت شکار کے لیے جانے کی لا دیں۔

۵۔ جمع کا لفظ تلاش کر کے لکھیے۔

یہ صحرا تمام ساحرانِ جہاں کا مسکن ہے۔

۶۔ خط کشیدہ لفظ کے لیے موزوں لفظ لکھیے۔

جس وقت <u>صیادِ فلک</u> مشرق سے سبزہ زارِ فلک پر صید افگنِ ثوابت و سیارگاں ہوا۔

۷۔ مرکب لفظ تلاش کر کے لکھیے۔

راہ میں ہمراہی اور رفیق، شہزادے کے ملے۔

٭ مندرجہ ذیل محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

ہوش اُڑنا ، کلیجا منہ کو آنا ، خاک اُڑانا

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ گل بکاؤلی کی داستان یا مثنوی تلاش کر کے پڑھیے۔

۲۔ اُردو کی قدیم داستانوں کے نام اور ان کے مصنّفین کے نام تلاش کر کے لکھیے۔

۲ سپاہی اور بٹ مار

شمس الرحمٰن فاروقی

پیش درس

آپ نے گزشتہ جماعت میں مولوی عبدالحلیم شرر کے ناول 'فردوسِ بریں' کے اقتباس کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ ناول ایک تاریخی ناول ہے جس میں ایک خاص زمانے کے کچھ حقیقی اور کچھ تخیلی کردار مخصوص واقعات سے گزرتے ہیں۔ تاریخی ناول میں اکثر تاریخ کے حقیقی کردار سے کم سروکار رکھا جاتا ہے۔ ان کا وجود ناول کے واقعات کو حقیقی رنگ دینے کے لیے معاون ہوسکتا ہے۔ 'فردوسِ بریں' میں واقعے کا تاریخی پس منظر حقیقی ہے لیکن اس کے کرداروں پر بیتنے والے واقعات تخیلی ہیں۔ اسی طرح ناول 'قبض زماں' میں جس سے یہ اقتباس ماخوذ ہے، ہندوستان کی تاریخ کا ایک خاص زمانہ واقعات کے پس منظر میں موجود ہے۔ یہ لودھی خاندان کا زمانہ ہے جس میں سکندر لودھی کے ایک سپاہی کے ساتھ گزرنے والے حادثے کو بیان کیا گیا ہے۔

ناول کا درج ذیل واقعہ سولھویں صدی کے ہندوستان کے مخصوص معاشرے کی تصویر پیش کرتا ہے جس میں بادشاہ، عوام، امیر، سپاہی اور راہزن جیسے کردار سامنے آتے ہیں۔ ان تصویروں کے امتزاج سے معلوم ہوتا ہے کہ سماج کے مذکورہ افراد کا آپسی ربط ضبط کیسا تھا۔

جان پہچان

شمس الرحمٰن فاروقی ۱۹۳۵ء میں پرتاپ گڑھ (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے الہ آباد یونیورسٹی سے ایم.اے. تک تعلیم حاصل کی اور انڈین پوسٹل سروسیز میں پوسٹ ماسٹر جنرل کے عہدے سے وظیفہ یاب ہوئے۔ ان کی ادبی خدمات کے صلے میں ملک اور غیر ملک کی یونیورسٹیوں نے انھیں اپنی اعزازی ڈگریوں سے سرفراز کیا۔ 'سوار' ان کے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ ان کا ناول 'کئی چاند تھے سر آسماں' جدید ادب میں کلاسک کی حیثیت رکھتا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی بلند پایہ شاعر، نقاد اور فکشن نگار ہیں۔ ماہنامہ 'شب خون' کے مدیر کی حیثیت سے ادبی صحافت میں بھی وہ ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ میرؔ اور غالبؔ کے شارح کے علاوہ انھوں نے مترجم کے طور پر بھی اپنی شناخت بنائی ہے۔ ملک کی آزادی کے بعد جن نقادوں نے مغربی نظریات کو اُردو میں متعارف کروایا اور تنقیدی ادب کو وسعت عطا کی، ان میں فاروقی کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے شاعری میں زبان کی اہمیت اور نوعیت، ہیئت وموضوع کی وحدت اور ترسیل وابلاغ کے مسئلے پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ انھوں نے اپنے مضامین میں لفظ ومعنی کے رشتے پر خصوصی بحث کی ہے۔

میرؔ وغالبؔ کے اشعار کی تشریح وتعبیر میں انھوں نے مغربی تنقیدی نظریات کے پہلو بہ پہلو کلاسیکی نظامِ فن کو خصوصیت کے ساتھ مدنظر رکھا ہے۔ ان کی پہلی تصنیف 'لفظ ومعنی' ہے۔ اس کے علاوہ 'شعر، غیر شعر اور نثر، عروض، آہنگ اور بیان، افسانے کی حمایت میں، شعر شور انگیز، تعبیر کی شرح' وغیرہ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

ایک بار تھانیسر کے علاقے سے اطلاع آئی کہ ہندوؤں نے ایک تالابِ قدیم کو از سرِ نو تعمیر کرکے وہاں میلہ ایک ماہ بہ ماہ منعقد کرنا شروع کیا ہے اور پوجا پاٹھ بھی کرتے ہیں اور گھنٹ ناقوس بھی بجتے ہیں۔ پس اس باب میں حکمِ عالی کیا صادر ہوتا ہے؟ سلطان والا شان نے مفتیِ اعظم سے مشاورت کرکے فرمان لکھوایا کہ وہ اپنے مذہب پر ہیں، پس جب تک ان کے مناسک ورسوم کے باعث کوئی خطرا من وامان کے لیے نہ ہو، ان سے ہرگز کچھ تعرض نہ کیا جائے۔

انتظامِ سلطنت میں ہشیاری اور خبرداری کی غرض سے حضرتِ دہلی اور اس کے گرد ونواح میں اسّی ہزار مسلح فوج ہر وقت تیار رہتی

تھی۔ کہیں سے ذرا بھی بدامنی کی خبر آئی اور جُیوُشِ سلطانی حرکت میں آ گئے۔ تغلق آباد، غیاث پور، بیگم پورہ، سیری اور کیلوکھیڑی جو پایۂ تخت کے پرانے شہر تھے، ان سب میں میدان وسیع و مرتفع و مسطح دیکھ کر فوجوں کے لیے مقرر کر دیے گئے تھے۔ میں جس فوج میں تھا، وہ غیاث پور سے ذرا ورے کنارِ جمنا پر قیام کرتی تھی۔ اس ندی کو جن نے دیکھا ہے، وہی اس کے وسیع پاٹ کا قیاس کر سکتے ہیں۔ برساتوں میں ندی پر دریائے اعظم کا گمان ہونے لگتا۔ غازی آباد میں ہنڈن کے ورلے کنارے سے کچھ آگے جنوب کی طرف سے لے کر اوکھلے تک سارا علاقہ پانی سے بھر جاتا۔ اسی بنا پر اس علاقے کو خَلقُ اللہ طنزاً پٹ پڑ گنج کہنے لگی تھی حالانکہ وہاں مچھروں، پسوؤں، جونکوں اور دیگر لساع کیڑوں کے سوا گنج کے نام پر کچھ نہ تھا۔

واللہ! وہ بھی کیا زمانے تھے۔ بارہ برس میں میرا درماہہ بارہ تنکے سے بڑھتے بڑھتے بیس ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں پانچ تنکا ماہانہ پانے والے اجلے خرچ سے رہتے تھے۔ سلطان بہلول لودھی کو اللہ بخشے، ان کا جاری کیا ہوا تانبے کا سکہ بہلولی کہلاتا تھا۔ وہ اب بھی رائج تھا اور اس میں طاقت اس قدر تھی کہ آدمی یہاں سے کول تک کا سفر اپنے گھوڑے کے ساتھ کرتا تو ایک بہلولی اس کے لیے کافی ہوتا۔ مجھے اپنے گھوڑے کے ساز و یُراق، سائیس اور اسلحے کی دیکھ بھال پر بہت صرف کرنا پڑتا تھا، پھر بھی میں ہر مہینے تین سے چار تنکے گھر بھجوا دیا کرتا تھا۔

اب سلطان سکندر کا یہ اکیسواں سنۂ جلوس تھا۔ میری بیٹی بارہ برس کی ہو کر تیرھویں میں لگی تھی۔ گھر سے خبر آئی کہ اس کی سگائی اور پھر بیاہ آئندہ برساتوں سے پہلے ہو جائے تو خوب ہو۔ مجھے بلایا گیا تھا کہ جا کر سب معاملات طے کر دوں۔ ہر چند کہ خداوندِ عالم سلطان سکندر نے شرع شریف کی پابندی پر بہت کچھ زور دیا تھا لیکن ہم ان اطراف کے گنوار مسلمانوں میں ہندوؤں کی بو باس ابھی بہت کچھ باقی تھی۔ جمعے کے سوا ہر دن ہم لوگ ہندوانی دھوتی پہنتے تھے۔ جمعے کو البتہ دوبر کا ڈھیلا سفید پاجامہ گاڑھے کا اور محمودی کا کرتا پہنا جاتا تھا۔ ہماری عورتیں گھر سے باہر نکلتی تھیں لیکن لمبا گھونگھٹ کاڑھ کر۔ ہر گھر میں ایک صندوق تھا جس میں دیوالی اور دسہرے اور عید، بقرعید، شُبرات کے لیے روپیا پس انداز کیا جاتا تھا۔ شادی کی رسمیں بہت کچھ ہندوانہ تھیں۔ کنیادان یا جہیز کی صورت نہ تھی لیکن لڑکے والے شادی سے پہلے منگنی لے کر ضرور آتے اور اس موقعے پر شادی سے کچھ ہی کم خرچ ہوتا۔ نکاح کے بعد رخصتی (جسے ہم لوگ گون یا گَونا کہتے تھے) اکثر بہت دیر سے ہوتی تھی۔ ہندوؤں کی طرح ہمارے یہاں بچکانہ شادی کا رواج تو نہ تھا لیکن منگنی، پھر نکاح پھر گون کی رسمیں کچھ نہ کچھ وقفے سے ادا ہوتی تھیں۔

جیٹھ نکل کر اساڑھ کی آمد آمد تھی جب میں نے گھر جانے کا ارادہ کیا۔ تین ساڑھے تین سونتکوں کا انتظام میں نے کر لیا تھا کہ مصارفِ شادی اس سے کم بھلا کیا ہوں گے۔ ارادہ تھا کہ شام ہونے کے پہلے لیکن عصر کے بعد چل نکلوں کہ موسم ٹھنڈا ہو چکا ہوگا۔ ایک منزل کرتے کرتے غروب آفتاب ہونے لگے گا، کہیں کوئی اچھی سرائے دیکھ کر رات گزار لوں گا اور صبح ٹھنڈے ٹھنڈے اپنے گاؤں ننگل خُرد پہنچ لوں گا۔ زادِ سفر بہت تھوڑا رکھا، تحفہ تحائف کی ضرورت نہ تھی کہ سارا سامانِ شادی اور دیگر رسومِ شادی کے لحاظ سے گھر کی عورات ہی کو خریدنا تھا۔ سواری کے لیے گھوڑا تھا ہی اور کچھ درکار سپاہی کو نہ تھا۔ میرا راستہ نہر فیروز شاہی کے بائیں کنارے سے لگا ہوا، کئی کوس چل کر پھر نہر سے کٹ جاتا تھا۔

وزیر پور پر نہر فیروز شاہی خود ہی خود خم کھا کر کرنال اور حصار کی جانب رواں ہو جاتی تھی۔ دو رُیہ گھنے پیڑ اور آتی برسات کے

بادلوں کی دھندلی روشنی نے نہر کے دونوں طرف نیم تاریکی سی پیدا کر دی تھی۔ ایک جگہ خم اس قدر سخت تھا کہ خم کے پہلے اور بعد دونوں سرے نظر نہ آتے تھے۔ خم میں داخل ہو جائیں تو گویا دونوں طرف کی راہ بند ہو جاتی تھی لیکن خطر کوئی نہ تھا۔ حکومت میں سلطان والا شان کی راہیں سب محفوظ تھیں اور یہ جگہ تو حضرتِ دہلی سے کوئی پانچ چھے کروہ تھی۔ درحقیقت میرے لیے جگہ رات کے پڑاؤ کی یہاں سے بہت دور نہ تھی۔ میں گھوڑے پر سوار گنگناتا دُلکی چلتا چلا جا رہا تھا۔ سامنے ایک پُلیا تھی جس کے نیچے نالہ ابھی خشک تھا۔ پلیا کے ورلی طرف ایک بڑھیا، نہایت تباہ حال نظر آئی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے کچھ دعائیہ لہجے میں مگر ذرا بلند آواز میں پکارا، ''اکیلے دُکیلے کا اللہ بیلی!''

پھر اس نے بہت مسکین لیکن پھر بھی بلند آواز میں مجھ سے کہا، ''اللہ کی راہ میں کچھ دے دو بیٹا۔ بیوہ دکھیا پر ترس کھاؤ۔''

میں نے سوچا، سفر میں ہوں، نیک کام کے لیے جا رہا ہوں، اس وقت اسے کچھ دے دوں تو نیک شگون ہوگا۔ پھر میں نے گھوڑا آہستہ کیا، راس کو بڑھیا کی طرف موڑ کر جھکا، شلوکے کی جیب میں ہاتھ ڈالا کہ کچھ نکال کر بڑھیا کو دے دوں۔ یک مرتبہ کسی نے مجھے پیچھے سے دھکا دیا۔ مَیں غصّے میں اُس کی طرف مڑ کر بدزبانی کرنے ہی والا تھا کہ کسی اور نے ایک دھکا اور دیا۔ میں بے قابو ہو کر بائیں طرف کو لڑکھڑایا۔ گھوڑا الف ہونے لگا۔ راس میرے ہاتھ سے نکل گئی۔ گھوڑا الف ہو کر کدھر گیا، یہ میں نہ دیکھ سکا کہ کسی نے اتنی دیر میں میرے سر پر کالا کپڑا ڈال کر مجھے اندھا کر دیا تھا۔ کپڑا اتنا موٹا اور پسینے کی بدبو سے بھرا ہوا تھا کہ مجھے ابکائی آ گئی اور میری سانس رکنے لگی۔ کپڑا فوری طور پر میری گردن پر کس دیا گیا تو میں سمجھا کہ یہ بٹ مار ہیں۔ جان نہ بچے گی، میری بٹی کا کیا ہوگا، میں نے کمر سے خنجر نکالنا چاہا کہ ایک دو کو ختم ہی کر دوں۔ یہ نہیں جانتے کہ کس کے گھر بیعانہ دیا ہے۔ ایک دو کو تو مار ہی کر مروں گا۔

میری سانس اب بالکل ہی رکی جا رہی تھی۔ ابکائیوں اور خنجر نکالنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے کی کوششوں میں سانس ٹوٹی جاتی تھی۔ میں نے پوری قوت سے چلّا کر ان کو برا بھلا کہنا چاہا لیکن اب تک میری مُشکیں بھی کَس لی گئی تھیں۔ میری کمر میں ہِمیانی بندھی ہوئی تھی۔ اسے نہایت صفائی سے کاٹ کر نکال لیا گیا۔ گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی، پھر کسی نے اس کو چمکارا اور چپ کیا۔ گھوڑوں کی چوری میں بھی ظالم اس غضب کے مشّاق تھے کہ بہ ظاہر گھوڑا ابھی پلک جھپکتے میں رام ہو گیا۔ سارا کام مکمل خاموشی میں ہوا تھا۔ پھر میرے سر پر سے کپڑا کھینچ لیا گیا لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کر سکتا، میرے منہ میں ایک اور کپڑا، پہلے سے بھی زیادہ بدبودار اور متعفن، ٹھونس کر ساتھ ہی ساتھ آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔ پھر کچھ دوڑتے ہوئے قدموں اور گھوڑے کی ہلکی ٹاپ کی آواز۔ دونوں آوازیں بہت جلد مدھم ہو کر غائب ہو گئیں۔ کسی کے سانس لینے کی بھی آواز نہ سنائی دیتی تھی، بات کرنے یا کھانسنے کھنکھارنے یا ہنسنے کی تو بات ہی کیا تھی۔ میں یہ تو سمجھ ہی گیا کہ یہ پرلے درجے کے مشّاق بٹ مار ہیں اور وہ بڑھیا ان سے ملی ہوئی تھی لیکن یہ بھی تھا کہ وہ مجھے جان سے مارنا نہ چاہتے تھے۔ ان کا منشا محض یہ تھا کہ مجھے بے دست و پا کر کے چھوڑ دیں اور اتنی دور نکل جائیں کہ میں ان کا تعاقب نہ کر سکوں اور نہ کسی کو آگاہ ان کے بارے میں کر سکوں۔

مجھے رنج سے بڑھ کر غصہ تھا کہ میں، سارے عالم میں مانے ہوئے سلطان کی سارے عالم میں مانی ہوئی فوج کا سپاہی اور یوں کسی کچھوے کی طرح پکڑ لیا جاؤں کہ مدافعت اپنی میں ایک وار بھی نہ کر سکوں۔ لعنت ہے ایسی سپہ گری پر اور تُف ہے ایسی سلطانی پر کہ رعایا یوں بے کھٹکے دن دہاڑے لٹ جائے! میں یہاں یوں ہی مجبور پڑا رہا تو کیا پتا رات میں کسی موذی جانور کا شکار ہو جاؤں۔ کیا

خبر مجھے کوئی اور بٹ مار قتل کر کے جو کچھ میرے بدن پر کپڑے اور تھیلی میں ستو اور جلیبیاں ہیں اور شلوکے کی جیب میں چند سکے بہلولی ہیں، انھیں بھی لے کر چمپت ہو جائے۔ میں نے چیخنا چاہا لیکن وہ متعفن کپڑا میرے حلق تک یوں ٹھنسا ہوا تھا کہ میں اگر بولنے کی کوشش میں منہ یا حلق پر کچھ زیادہ زور ڈالتا تو کپڑا شاید میرے حلق کے اندر ہی اُتر جاتا۔ وقت کتنا گزر گیا تھا، مجھے اس کا کچھ علم نہ تھا۔ مغرب تو ہو ہی چکی تھی لیکن کہیں دور سے بھی اذان کی آواز یا مندروں میں گھنٹے کی پکار یا چراگاہ سے واپس ہوتے ہوئے کسان یا چرواہے کے ساتھ مویشیوں کے ریوڑوں کی گھنٹیوں کی آواز، کچھ بھی نہ سنائی دیتی تھی۔ دانہ دُنکا چن کر اپنے گھونسلوں کو لوٹنے والی چڑیوں کے جھنڈ اگر تھے تو یا تو ابھی واپس نہ ہو رہے تھے یا وہ بھی شام کی تنہا شفق میں چپ چپاتے نکل گئے تھے یا اگر آواز کوئی سنائی دینے والی تھی بھی تو زور سے چلانے کی کوشش سے میرے کانوں میں سائیں سائیں اس قدر ہونے لگی تھی کہ کچھ سن لینا مشکل تھا۔

کیا بہت دیر ہو گئی تھی؟ کیا اب کوئی آنے والا نہیں ہے؟ ابھی ابھی میں نے شیر کی دہاڑ سنی تھی۔ شیر تو اس علاقے میں تھے نہیں، ہاں گُلدار بہت تھے۔ گلدار تو جمنا کے کنارے کی کچھاروں میں دہلی سے کرنال تک چھوٹے ہوئے سانڈوں کی طرح بے روک ٹوک گھومتے تھے اور بھیڑیے بھی۔ گلداروں کی تو ہمتیں اس قدر کھلی ہوئی تھیں کہ دہلی کے مضافات میں جو آبادیاں بہ وجہِ نقلِ مکانی کے ذرا چھدری ہو جاتیں، ان کے خالی گھروں میں گلدار آباد ہو جایا کرتے تھے۔ یہاں تو میں جمنا کے کنارے سے دور تھا۔ سلطان فیروز شاہ خلد مکانی نے یہ نہر بنوائی ہی اسی لیے تھی کہ جمنا کا پانی جن علاقوں میں پہنچتا نہیں ہے، وہاں بہ ذریعہ اس نہر کے پہنچ جائے لیکن یہاں بھی اب گھنے درختوں اور نہر کی رطوبت نے کچھار جیسا سماں پیدا کر دیا تھا۔ سلطان فیروز کو اللہ نے جنت میں اونچا مقام ضرور دیا ہوگا۔ انھوں نے اس راہ میں اور کول کی راہ میں جگہ جگہ شاہی سرائیں بنوائی تھیں جہاں کوئی بھی مسافر کچھ رقم دیے بغیر ٹھہر سکتا تھا اور اچھا ہی تھا کہ انھوں نے یہ حکم دے دیا تھا کہ سراؤں کا خرچ تمام خزانۂ سلطانی سے ادا ہو ورنہ مجھ جیسے لٹے پٹے مسافر کو تو راہ میں ایک وقت کی روٹی اور سر چھپانے کے لیے چھت کے لالے پڑ جاتے۔

میں نے بہت چاہا کہ راہ کے کسی پتھر سے رگڑ کر اپنے ہاتھوں کو بندش سے آزاد کرا لوں لیکن ایک تو اس اندھیرے میں پتھر کہاں ملتا پھر میری آنکھوں پر اندھیری جو چڑھی ہوئی تھی اور ہاتھ پیٹھ پر بندھے ہوئے تھے۔ پاؤں کے بند کو رگڑ کر کاٹنے کی کوشش میں جگہ جگہ خراشوں کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا تھا۔

رات تو بے شک ہو چکی ہوگی۔ کہیں درختوں کے پیچھے کچھ کھسر پھسر تو نہیں ہو رہی ہے؟ کہیں وہ واپس تو نہیں آ رہے ہیں؟ یہ آواز کیسی ہے؟ میں نے بہت غور سے سننا چاہا لیکن کانوں میں سائیں سائیں اب بھی ہو رہی تھی۔ ہاں، یہ کچھ نئی سی آواز تھی۔ ٹھہر ٹھہر کر آ رہی تھی۔ کہیں کسی مندر میں گھنٹ ناقوس تو نہیں بج رہا؟ نہیں، یہ تو گہری اور دور تک پھیلنے والی آواز تھی۔ ٹن...ٹنن...ٹن... ذرا رک رک کر... کوئی فیل نشین ادھر آ رہا تھا... میرا دل بَلّیوں اُچھلنے لگا۔ شاید میری جان بچ ہی جائے گی۔ ہاتھی کی گھنٹیوں کی آواز نزدیک آئی، آہستہ ہوئی، ٹھہر گئی۔

''معتبر سنگھ، ذرا دیکھنا۔ یہ راہ میں کیا پڑا ہوا ہے؟'' مضبوط، ٹھہری ہوئی آواز لیکن کسی فوجی عہدے دار یا شاہی اہل کار کی نہیں، بلکہ کسی ایسے شخص کی تھی جو عیش و عشرت میں پلا بڑھا رئیس زادہ ہو۔ ''نہیں، ابھی اترو نہیں، پاس سے دیکھو۔''

میں نے ہاتھ پاؤں ہلانے کی سعی اور تیز کر دی کہ مہاوت سمجھ لے کہ میں زندہ ہوں۔

''عالی جاہ! لگتا ہے ڈاکوؤں نے کسی شخص کو گھائل کر کے ڈال دیا ہے۔'' نہایت مؤدّب آواز آئی۔

''نیچے اترو۔ اس غریب کی کیفیت دریافت کرو۔ اچھا یوں کرو۔ ہاتھی کو ذرا اور آگے لے جا کر کہو کہ سونڈ سے اس آدمی کو اٹھا کر اوپر میرے پاس لے آئے۔ چلو، شاباش۔''

معتبر سنگھ نے ہاتھی کو کچھ آگے بڑھایا لیکن کتنا، اس کا مجھے اندازہ نہ ہو سکا۔ معتبر سنگھ نے ہاتھی سے سرگوشی میں کچھ کہا اور کئی بار کہا۔ پھر مجھے لگا کہ کوئی بہت ہی طاقتور اور کئی گز لمبا موٹا اجگر مجھے بانہہ میں لپیٹ کر بَلوں میں اپنے اٹھائے لیے جا رہا ہے۔ میں نے سہم کر خود کو چھوٹا کرنے کی کوشش کی لیکن کہاں میں اور کہاں وہ زبردست بادلوں جیسا زور۔ آن کی آن میں ہاتھی نے مجھے رئیس کے ہودے کے آگے مہاوت اور مالک کے بیچ کی جگہ میں دھانس دیا۔ بلا سے جگہ تنگ تھی لیکن اب میں ضیقِ جان سے تو بچ نکلا تھا۔

معتبر سنگھ نے یا شاید مالک نے بھی اس کا ہاتھ بٹایا۔ مجھے بہ آسانی اس عفونت سے بھرے اور شاید تیل اور تھوک سے بھی چکٹے ہوئے میرے حلق میں ٹھنسے ہوئے کپڑے اور آنکھ کی پٹی سے آزاد کر لیا گیا۔ تاہم مجھے اپنی آواز دوبارہ حاصل کرنے میں کچھ وقت لگا۔ تھوک کو بہ مشکل گھونٹتے ہوئے میں نے فیل نشین کے سوال کے جواب میں مختصر لفظوں میں اپنی بپتا کہہ سنائی۔

''تو سپاہی جی، تم دوہرے خوش نصیب تھے۔ ان لوگوں نے تمھیں زندہ چھوڑ دیا اور پھر ہم ادھر آ نکلے۔''

''بندے کا بال بال آپ کے احسان سے گُندھا رہے گا۔ میں تو سمجھا تھا کہ شیر بھیڑیا، کوئی نہ کوئی مجھے کھا ہی لے گا۔''

''خیر، رسیدہ بود بلائے... ہوا سو ہوا۔ میں بہادر گڑھ جا رہا ہوں۔ وہاں تک بہ آسانی تمھیں پہنچا دوں گا۔ آگے جو تمھارا جی چاہے۔''

معانی واشارات

بٹ مار	–	راہزن، لٹیرے
گھنٹ	–	گھنٹا
ناقوس	–	سنکھ جو ہندو پوجا کرتے وقت بجاتے ہیں۔
مشاورت کرنا	–	باہم مشورہ کرنا، تبادلۂ خیال کرنا
مناسک	–	منسک کی جمع، مذہبی ارکان، عبادت کے مقامات
تعرّض	–	اعتراض، رکاوٹ
جُیوُش	–	جیش کی جمع، فوجیں
ورلے کنارے	–	کنارے سے پرے، کنارے سے ہٹ کر
لساع	–	ڈسنے والے کیڑے
درماہہ	–	ماہانہ تنخواہ
اُجلا خرچ	–	فیاضی کے ساتھ خرچ کرنا
ساز و یراق	–	لڑائی کا سامان، ہتھیار
دوبر	–	کپڑے کی دُگنی چوڑائی
گاڑھا	–	موٹا سوتی کپڑا
محمودی کُرتا	–	کپڑے کی ایک قسم، ململ کا کُرتا
کروہ	–	کوس
راس	–	لگام
شلوکا	–	آدھے آستین کا کرتا
یک مرتبہ	–	اچانک
گھوڑا الف ہونا	–	گھوڑے کا پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہونا، بدکنا
کس کے گھر بیعانہ دیا		مراد کس کو چھیڑا
ہمیانی	–	روپے پیسے رکھنے کی تھیلی

مشّاق	-	ماہر، چالاک
رام ہونا	-	قابو میں آنا
متعفّن	-	بدبودار
گُلدار	-	چیتا
خلد مکانی	-	جنتی
لالے پڑنا	-	دشوار ہونا، مشکل ہونا
فیل نشین	-	ہاتھی سوار
مہاوت	-	فیل بان، ہاتھی کو ہانکنے والا
دھانس دینا	-	ٹھونس دینا، دھنسا دینا
ضیقِ جان	-	سخت پریشانی
عفونت	-	بدبو، گندگی
رسیدہ بود بلائے	-	بلا آئی تھی۔ پوری فارسی مثل یوں ہے : ”رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت“ (بلا آئی تھی لیکن خیر سے گزر گئی)

مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کرکے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

پرانے شہر

۲۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کرکے خاکہ مکمل کیجیے۔

ہندوستانی مہینے کے نام

کپڑے کی قسم کو ظاہر کرنے والے الفاظ

۳۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کرکے خاکہ مکمل کیجیے۔

ہندوؤں کے تہواروں کو ظاہر کرنے والے الفاظ

مسلمانوں کے تہواروں کو ظاہر کرنے والے الفاظ

۴۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کرکے خاکہ مکمل کیجیے۔

سلطان کا نام	تانبے کا سکہ جاری کرنے والا
نہر فیروز شاہی بنوانے والا	فیل بان کا نام

* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ سپاہی کے زمانے کے روپے، ارزانی اور سپاہی کی تنخواہ سے متعلق معلومات لکھیے۔

۲۔ سبق پڑھ کر اُس زمانے کی طرزِ معاشرت کی تفصیل تحریر کیجیے۔

۳۔ تباہ حال بُڑھیا کی مدد کے لیے سپاہی کے خیال کی وجہ قلم بند کیجیے۔

۴۔ اس سبق میں مذکور رہزنی کی واردات کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۵۔ بٹ ماروں کے ذریعے جکڑے ہوئے سپاہی کے محسوسات اور خدشات کو لکھیے۔

۶۔ سلطان کے ذریعے رعایا کی بہبودی کے لیے کیے جانے والے کاموں کے بارے میں لکھیے۔

* اسباب بیان کیجیے۔

۱۔ مفتی اعظم کے فرمان کا لکھا جانا۔

۲۔ سپاہی کا اپنے آپ پر لعنت کرنا۔

* درج ذیل جملوں کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ برساتوں میں ندی پر دریائے اعظم کا گمان ہونے لگتا۔

۲۔ اس علاقے کو خلق اللہ طنزاً پٹ پڑ گنج کہنے لگی تھی۔

۳۔ واللہ! وہ بھی کیا زمانے تھے۔ بارہ برس میں میرا درماہہ

بارہ تنکے سے بڑھتے بڑھتے بیس ہو گیا تھا۔

۴۔ جیٹھ نکل کر اشاڑھ کی آمد آمد تھی۔ جب میں نے گھر جانے کا ارادہ کیا۔

۵۔ اکیلے دُکیلے کا اللہ بیلی!

۶۔ بندے کا بال بال آپ کے احسان سے گندھا رہے گا۔

*** ذیل میں دیے ہوئے موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔**

۱۔ سلطان کا فرمان۔

۲۔ اس سبق کے حوالے سے کل اور آج کی زندگی میں نظر آنے والا فرق۔

۳۔ نیک شگون یا بدشگونی۔

۴۔ غصّے میں سپاہی کا بدزبانی کرنا۔

*** ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔**

۱۔ جملے میں اسم، صفت اور فعل کی نشان دہی کیجیے۔
اسّی ہزار مسلح فوج ہر وقت تیار رہتی تھی۔

۲۔ جملے میں مبتدا اور خبر پہچانیے۔
میری سانس اب بالکل ہی رُکی جارہی تھی۔

۳۔ مندرجہ ذیل جملوں کو مخلوط جملے میں تبدیل کیجیے۔
وقت کتنا گزر گیا تھا، مجھے اس کا کچھ علم نہ تھا۔ مغرب تو ہو ہی چکی تھی۔

۴۔ سبق میں استعمال کیے گئے دس محاوروں کو تلاش کر کے ان کا مفہوم لکھیے۔

۵۔ اس سبق کے الفاظ مدافعت، لعنت، تُف اور دن دہاڑے کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ یہ سبق شمس الرحمٰن فاروقی کے ناول 'قبضِ زماں' سے ماخوذ ہے۔ لائبریری یا انٹرنیٹ سے کتاب حاصل کر کے اس کا مطالعہ کریں اور اس پر اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

۲۔ گیارھویں جماعت کی کتاب سے سبق 'کہانیاں رہیں نہ کردار' پڑھ کر اپنے تاثرات قلم بند کیجیے۔

۳۔ ماضی میں بٹ ماروں کی طرح 'ٹھگ' بھی ہوتے تھے۔ ان کے بارے میں معلومات حاصل کر کے مضمون لکھیے۔



۳ شال

علی عبّاس حسینی

پیش درس

افسانوی ادب میں داستان اور ناول کے بعد افسانوں کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ افسانہ ایک مختصر تحریر ہے جسے ایک ہی نشست میں پڑھا جاسکتا ہے۔ افسانہ زندگی کے کسی ایک پہلو کو اُجاگر کرتا ہے یا کسی ایک واقعے کو ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ فنی اعتبار سے افسانے میں ڈرامے کی طرح نقطۂ عروج (کلائمکس) کی بڑی اہمیت ہے۔ ناول کے مقابلے میں افسانہ مختصر ہوتا ہے۔

پریم چند، سجاد حیدر یلدرم، سلطان حیدر جوش، نیاز فتح پوری اور علی عباس حسینی کو اُردو کے اوّلین افسانہ نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ترقی پسند تحریک اور جدیدیت کے زیر اثر کئی افسانہ نگار اُبھرے جنھوں نے اُردو افسانے کو نئے رجحانات، اسالیب اور رنگ و روپ سے آشنا کیا۔ نئے افسانوں میں تکنیک کے تجربات نے افسانہ نگاری کو وسعت عطا کی۔ تجریدی اور علامتی افسانوں نے بدلتی ہوئی زندگی کے مسائل اور پیچیدگیوں کو نئے انداز میں پیش کیا۔ بعض افسانوں میں واقعہ بیان کرنے سے انحراف بھی کیا گیا ہے۔

پلاٹ، کردار، مکالمے، نقطۂ نظر، پس منظر اور زبان و بیان کی شستگی مختصر افسانے کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ ان اجزا کے توازن سے افسانے کی تشکیل ہوتی ہے۔ افسانے میں ہونے والی ہیئت اور تکنیک کی تبدیلیوں کے باوجود آج بھی افسانہ اسی بنیاد پر کھڑا نظر آتا ہے جس کی داغ بیل سو برس پہلے پریم چند نے ڈالی تھی۔

انسان کے لیے لازم ہے کہ ہمیشہ سچ بولے۔ جھوٹ بولنے سے انسان اعتبار کھو دیتا ہے لیکن سچ بولنے کے آداب میں یہ بات بھی ہمیں سمجھائی گئی ہے کہ سچی بات اس طرح کہی جائے کہ بات کڑوی بھی ہو تو سننے والا اسے قبول کرلے۔ جھوٹ بولنے کو کبھی اچھا نہیں سمجھا گیا ہے لیکن کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی فتنے یا شر کو رفع کرنے کے لیے نقصان نہ پہنچانے والی حقیقت کے برعکس بات کا سہارا لے لیتا ہے۔ اس افسانے کے مرکزی کردار کو ایسی ہی ایک صورت حال پیش آتی ہے۔ افسانے کا انجام بھی نہایت چونکا دینے والا ہے۔

جان پہچان

علی عباس حسینی ۳؍فروری ۱۸۹۷ء کو غازی پور کے ایک قصبے پارہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم پٹنہ میں پائی۔ ۱۹۱۵ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۲۴ء میں الٰہ آباد سے ایم.اے.کی سند حاصل کی۔ پھر اس کے بعد گورنمنٹ ڈگری کالج، لکھنؤ میں ملازمت اختیار کی اور ۱۹۵۴ء میں پرنسپل کے عہدے سے سبک دوش ہوئے۔

علی عباس حسینی ادب برائے زندگی کے قائل تھے۔ انھوں نے پریم چند کی طرح اپنی تخلیقات میں دیہی زندگی کی مؤثر عکاسی کی ہے۔ انھوں نے کسانوں کی معاشی بدحالی اور زمین داروں کے ظلم وستم کو اپنی کہانیوں میں پیش کیا ہے۔ اپنی تخلیقات کے ذریعے انھوں نے قومی یکجہتی اور انسانیت کا پیغام دیا ہے۔ افسانوں کے علاوہ انھوں نے ناول، ڈرامے اور تنقیدی مضامین بھی لکھے۔ 'اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ' ان کی ایک اہم کتاب ہے۔ انھوں نے بعض افسانے بچوں کی نفسیات سے متعلق لکھے۔ پہلی کہانی 'پژمردہ کلیاں' انھوں نے ۱۹۱۸ء میں لکھی۔ 'رفیقِ تنہائی، باسی پھول، کانٹوں میں پھل، اُلجھے دھاگے وغیرہ ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔ انھوں نے کئی ناول بھی لکھے جن میں 'قاف کی پری' کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ۲۷؍ستمبر ۱۹۶۹ء کو علی عباس حسینی کا انتقال ہوا۔

عبید جب ٹرین سے اُترا تو اس وقت صبح کے ساڑھے چھے بج چکے تھے مگر سورج نے گہرے کہرے میں منہ چھپا رکھا تھا۔ یخ پڑ رہی تھی۔ چار باغ جیسے بڑے اسٹیشن پر جہاں ٹرین کی آمد و روانگی کے وقت کھوے سے کھوا چھلتا ہے، ایک عجیب طرح کا سناٹا تھا۔ اسٹیشن کیا تھا جیسے برات اُتارنے والا گھر لڑکی کی رُخصتی کے بعد۔ بس پانچ سات قلی دِکھائی دیے، وہ بھی منہ لپیٹے پالا مارے ہوئے پودوں کی طرح سکڑے سکڑائے۔

رات کو ٹرین پر اُس نے خود بھی سردی کی اس تیزی کو بری طرح محسوس کیا تھا۔ اس نے برتھ پر اپنا خاصا موٹا گدا بچھایا تھا۔ اس پر دو دو کمبل اوڑھے تھے۔ ان کے اوپر سے اپنا موٹا اوورکوٹ بھی ڈال لیا تھا مگر پاؤں پھیلا کر نہ سو سکا تھا۔ ٹھنڈک کے مارے گٹھری ہی بنا رہا۔ اس کا بار بار جی چاہا تھا کہ وہ حمیدہ کی چہیتی شال اٹیچی سے نکال کر جسم پر لپیٹ لے۔ یقیناً وہ اس طرح سے خود کو گرما سکتا تھا لیکن اس نے سردی کھائی، تکلیف اُٹھائی مگر اپنی بیوی کی دی ہوئی شال نہ نکالی۔ ڈر تھا اوڑھنے لپیٹنے میں وہ مَل وَل جائے گی۔ عبید یہ بات کسی طرح پسند نہ کر سکتا تھا۔

بڑی عزیز تھی یہ شال حمیدہ کو۔ بہت دنوں سے اُس کی خواہش تھی کہ اس کے پاس ایک شال ایسی خوب صورت اور اتنی اچھی ہو کہ کسی کے پاس نہ ہو۔ اب کے اپریل میں عبید جشنِ بہار کے مشاعرے میں شریک ہونے سری نگر گیا تھا۔ وہیں سے یہ شال شہر کی ساری دکانیں چھان کر وہ حمیدہ کے لیے لایا تھا۔ اس کے چوڑے حاشیے پر بہت ہی عمدہ نازک اور باریک کام بنا تھا اور بیچ والے حصے میں ہر طرح کے پھول کھلے تھے؛ گلاب و لالہ، بنفشہ و نرگس، سیوتی اور سوسن، کنول اور کوزہ۔ کتنی خوش ہوگی وہ ایسی شال پا کر۔ اس کے گالوں پر سرخی دوڑ جائے گی، اس کی آنکھوں میں ستارے چمکیں گے، وہ اسے اوڑھ کر اِٹھلائے گی اور آپ ہی آپ شرمائے گی۔

اور جب وہ لکھنؤ پہنچا تھا اور گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے یہ خوب صورت شال حمیدہ کے کندھوں پر ڈال دی تھی تو اس کے سارے خواب سچ نکلے تھے۔ وہ بوکھلا بھی گئی تھی۔ وہ مسکرائی تھی، وہ کھلکھلائی تھی اور وہ بلبل کی طرح چہک بھی اُٹھی تھی۔ حمیدہ نے اسے شیشے کی الماری میں رکھا اور اس میں مضبوط قفل ڈال دیا۔ یہ الماری کنجوس کے دل کی طرح ہمیشہ بند رہتی۔ بس اس کے شیشے دن میں دو دفعہ باہر سے جھاڑ دیے جاتے تھے۔ عبید نے ایک دو بار ٹوکا بھی، ''شال اوڑھنے کی چیز ہے، پرستش کی نہیں۔ ابھی گرمیاں ہیں اس لیے اتنا ہی کرو کہ اسے الماری سے نکال کر دو ایک بار دھوپ دِکھا دو۔ اونی ہے، کیڑا اویڑا نہ لگ جائے۔''

وہ کہتی، ''برا نہیں لگتا تمھیں ایسی بدشگونی کی بات زبان سے نکالتے! ارے میں دو تین بار تو اسے دن میں دیکھتی ہوں۔ موئے کیڑوں کی کیا مجال کہ اس کے پاس پھٹک سکیں!''

لیکن اس کے تعجب کی انتہا نہ رہی تھی دو دن پہلے۔ اس روز جب اس کڑاکے کی سردی میں وہ اپنے مختصر سفر پر روانہ ہونے لگا تھا اور ہولڈال میں بستر رکھا جانے لگا تھا تو دونوں کو یاد آیا تھا کہ اس سفر کے لیے کوئی گرم چادر نہیں ہے۔ عبید کا نیا لحاف تیار نہ ہو سکا تھا۔ حمیدہ تھوڑی دیر تو سوچتی رہی پھر جھپٹ کر اپنی چہیتی شال نکال لائی۔ عبید نے روکا، ''میں تمھاری شال نہیں لے جاؤں گا۔ سفر میں میلی ہو جائے گی۔'' مگر وہ کسی طرح نہ مانی۔ اس نے شال اٹیچی کیس میں رکھ ہی دی۔ عبید کو بیوی کی اس اتھاہ محبت کا اندازہ تھا۔ اس نے اپنے طور پر طے کر لیا کہ چاہے مجھ پر کیسی ہی گزر جائے، میں اس شال کو ایک منٹ کے لیے بھی اپنے استعمال میں نہ لاؤں گا اور اسے حمیدہ کو ویسے ہی صاف ستھری، بے شکن لا کر واپس کر دوں گا جیسی کہ وہ حمیدہ کے ہاتھوں سے مجھے ملی ہے۔ اس نے پورے سفر میں

اسی لیے شال نہیں اوڑھی۔ اس نے ٹرین میں سردی بھی کھائی مگر شال نہ نکالی۔ اس وقت البتہ اس نے شال سوٹ کیس سے نکال کر ہاتھ میں لے لی۔ اس کا ارادہ تھا وہ گھر پہنچتے ہی اسے حمیدہ کے سر پر ڈال کر کہے گا، ''لو دیکھو، میں جیسی نئی لے گیا تھا، ویسی ہی واپس لے آیا۔ تمھاری شال میں مَیں نے ذرا بھی میل نہ لگنے دیا۔''

اس لیے جب وہ گرم سوٹ پر موٹا اوورکوٹ پہنے، گلے کو اونی مفلر سے اور ہاتھوں کو چمڑے کے دستانوں سے چھپائے رکشے پر بیٹھا تو اس نے حمیدہ کی شال گھٹنوں پر رکھ لی۔ خیال تھا، گھٹنے بھی گرم رہیں گے اور شال میں شکنیں بھی نہ پڑیں گی۔

رکشے والا جوان تھا۔ بھرے بھرے شانے، چوڑا سینہ، مضبوط کمر، موٹی موٹی پنڈلیاں، بڑے بڑے پاؤں۔ اس نے سر اور گردن میں ایک سوتی مفلر پگڑ کی طرح لپیٹ رکھا تھا۔ وہ آدھی آستین کی خاکی قمیص پر ایک پرانا سینڈوکٹ سویٹر پہنے تھا اور ٹانگوں میں خاکی نیکر۔ پنڈلیاں بھی ننگی اور پاؤں بھی ننگے۔ وہ اپنی ٹھنڈک دور کرنے کے لیے رکشا تیز تیز چلا رہا تھا۔ رکشے کی اس تیز رفتاری نے ہوا کی دھار پر اور بھی باڑھ رکھ دی۔ ٹھنڈک عبید کے گرم موزے میں لپٹی اور اونی پتلون میں ڈھکی پنڈلیوں میں تیر کی طرح گھسنے لگی۔ عبید نے حمیدہ کی شال کی ایک تہہ کھول کر اسے ٹخنوں پر لٹکا دیا۔

عبید نے رکشے والے پر بھرپور نظر ڈالی۔ اس کے چہرے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے جھلک رہے تھے۔ عبید نے سوچا کتنا فرق ہے محنت کرنے اور بے کار رہنے میں۔ جہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے، وہاں اپنے ہی جسم کی گرمی ایک بجھا ہوا دیا بن جائے گی۔ اسے محنت مزدوری کی دیا سلائی دِکھاؤ تو اندر کی آگ بھڑک کر باہر آ جائے گی۔ پھر نہ لحاف کی ضرورت، نہ کسی شال کی۔

اس نے پوچھا، ''کہاں کے رہنے والے ہو؟''

وہ بولا، 'گونڈا جِلا۔'

عبید نے مسکرا کر پوچھا، ''مہریا ہے؟''

رکشے والے نے گردن پھرا کر دیکھا اور کہا، ''ارے پتنی اور بالک نہ ہو تِن تو ایسی سردی ما رکشا چلایت۔''

عبید نے اور کریدا، ''یہیں ہیں شہر میں؟''

وہ بولا، ''ناہیں ساب، اپنا دیس ما۔''

عبید نے کہا، ''جب ہی!''

رکشے والا اس 'جب ہی' کا طنز تو کیا خاک سمجھتا مگر وہ گنگنانے لگا، ''نین لڑی ہیں تو منوا ما کھٹک ہوئی بے کری۔''

عبید نے ہنس کر کہا، ''اچھا، تم فلم دیکھنے کے بھی شوقین ہو؟''

وہ بولا، ''کبھو کبھو نواب ساب! سال چھے مہینا ما۔''

عبید جھنجھلا اُٹھا۔ نہ جانے کیوں یہ سارے پردیسی لکھنؤ کے ہر سفید پوش کو نواب پکارنے لگتے ہیں۔ وہی جو محنت و مزدوری سے عاری ہیں، وہی بے کاروں کی خاص جماعت، وہی 'پدرم سلطان بود' کہہ کر اکڑنے وکڑنے والے اپاہج۔ وہ کیوں ان میں شمار کیا جائے؟ وہ تو صبح سے شام تک اپنے جوتا سازی کے کارخانے میں جان کھپاتا، پچیس تیس کاریگروں کے کام کی نگرانی کرتا، دھوپ، لؤ اور سردی پانی میں دکان دکان پھر کر سامان خریدتا اور آرڈر حاصل کرتا۔ اس طرح خون پسینہ ایک کرتا تب جا کر چار پیسے آتے۔

عبید اسی طرح پیچ وتاب کھاتا رہا کہ نم ہوا کے دوش پر کہیں دور سے ایک دل دوز کراہ سنائی دی۔ کراہنے والا کچھ منمنا بھی رہا تھا مگر صاف نہیں سنائی دے رہا تھا۔ پھر بھی آواز میں انسانی دل کے لیے ایک ناقابلِ برداشت درد تھا۔ سینے کو برما دینے والا، آنکھوں میں مرچیں لگا دینے والا۔

عبید نے گھبرا کر رکشے والے سے پوچھا، ''ارے یہ کون کراہ رہا ہے بھائی؟''

اس نے رکشا دھیما کر کے، آستین سے منہ کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا، ''اؤ اک پگلی ہو ساب۔ او ہے ایک چھوٹا بالک چھاتی سے لگائے سڑک پر پڑل ہو...بس ہر وکھت چیکھت ہو: ارے مور بالک کا بچا لیو۔ ای سردی سے مرت ہو! دوئی دن سے سڑک پر پڑل چیکھت ہو۔''

عبید نے تعجب سے پوچھا، ''ارے تو اتنے بڑے شہر میں کسی اللہ کے بندے نے اسے کوئی رضائی یا کمبل نہ اوڑھا دیا؟''

وہ بولا، ''ہما سما، جے کے پاس رجائی کمل ہوئی اؤ کھود اوڑھی کی پگلی کا دے ای؟''

عبید نے کہا، ''ارے تو کیا ہمارے شہر کے رئیس، امیر، سیٹھ، ساہوکار سب مر گئے؟''

اس نے رکشا روک کر بڑے زور سے کھنکار کر سڑک پر تھوکا۔ پھر بولا، ''اجی نواب ساب! بڑا لوگ موٹر ما سیسہ چڑھائے پوں پوں کرت سن سن نکل جات ہیں۔ او کا ہے کا پگلی کی اور دیکھین۔ او آپن دو سو اڑھائی سو کا کمل پگلی پر دیہن آپو کا بات کہت ہِن؟ نواب ساب!''

اور اس نے پھر رکشا تیز چلانا شروع کیا۔ آواز اب بالکل صاف صاف سنائی دینے لگی تھی۔ ''ارے بھگوان کے نام پر بچالو اِس بالک کو۔ کوئی وَستر اس کو اوڑھا دو۔ مر رہا ہے یہ سردی سے۔ آہ...آہ۔ بھگوان! کیا اس پرتھوی پر کہیں دَیا نہیں؟

عبید نے دیکھا پگلی فٹ پاتھ پر پڑی ہے۔ بس ایک چھوٹی سی دھوتی لپٹی ہے۔ اسی کا ایک کونا پیٹ پر پڑا ہے۔ اس چیتھڑے میں سے ایک بچے کا سر دِکھائی دے رہا ہے۔ پگلی کے بال مٹی میں اَٹے ہیں۔ اس کی آنکھیں بند ہیں اور وہ کراہے جا رہی ہے، ''آہ ...آہ...آہ! بھگوان، کیا کہیں دَیا نہیں؟''

عبید کے جسم میں بجلی کا کرنٹ سا دوڑ گیا۔ دل و دماغ جھنجھنا اُٹھے۔ وہ اس طرح کانپا کہ گھٹنے پر رکھی شال پھسل کر اس کے جوتے پر آ رہی۔ وہ اسے جھک کر اُٹھاتے اُٹھاتے بے ساختہ چیخ اُٹھا، ''روکو رِکشا!''

رکشے والے نے پورا بریک لگایا۔ رکشا جھٹکے سے رُک گیا۔ اس نے عبید کو سوالیہ انداز سے دیکھا۔ عبید نے شال اس کی طرف بڑھا کر کہا، ''لو یہ شال، اسے اوڑھا دو۔''

رکشے والے کا منہ تعجب سے کُھل گیا۔ ''او پگلی کا؟'' اس نے پوچھا۔

عبید نے کہا، ''ہاں، اسی کو۔''

رکشے والے نے اپنی سیٹ سے اُترتے ہوئے پھر احتجاج کیا، ''ارے ای چدریا بہت بڑھیا ہے، نواب ساب۔''

عبید نے ڈانٹ کر کہا، '' بکو مت۔ جا کے اُسے اوڑھا دو۔''

مگر وہ خود نہ تو اپنی جگہ سے ہلا اور نہ اس نے پگلی کے پاس جانے کی ہمت کی۔ بڑی گندی تھی وہ۔ اسے تو پگلی کو دیکھنے ہی سے

گھن آتی تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر سڑک پر گھبرائی گھبرائی نظر ڈالی، کوئی دیکھتا تو نہیں اس کی اس بے وقوفی کو۔ کس قدر ہنسے گا اپنے دل میں اس حرکت پر۔ پگلی اور ایسی خوب صورت اور قیمتی شال۔ رکشے والے نے پگلی کے پاس پہنچ کر شال کا ایک سرا پکڑ کر اسے پھیلانے کے لیے زور سے جھٹکا اور اس کے میلے گھناؤنے جسم پر حمیدہ کی پسندیدہ شال کے پھول بکھیر کر کہا، ''لے رے پگلی۔ تو ہار قسمت جاگل۔ اب خوب گرما کے لیٹ۔''

پگلی نے شال کی سرسراہٹ جسم پر محسوس کی۔ خون کبوتر آنکھیں کھول کر رکشے والے کو دیکھا۔ دانت نکال کر اس طرح مسکرائی کہ چہرہ اور بھی ڈراؤنا ہوگیا۔ رکشے والا جلدی سے پیچھے ہٹا اور رکشے پر بیٹھتے ہی اسے تیز چلانے لگا۔

اور عبید اس سوچ میں پڑ گیا کہ شال دینے کو تو دے دی پگلی کو مگر میں کہوں گا کیا حمیدہ سے؟ یہی کہ میں نے اس کی شال ایک پگلی کو دے دی؟ کیا حمیدہ اسے اپنی توہین نہ سمجھے گی؟ اور اگر کہیں اس سلسلے میں اس کی چشم مے گوں میں آنسو آ گئے؟ یا کہیں اُتر گیا اس کا ہنس مکھ چہرہ تو؟ عبید نے طے کیا، ''مجھے بات بنانی ہی پڑے گی۔ مجھے جھوٹ بولنا ہی پڑے گا مگر ایسا جھوٹ کہ بجائے آنکھوں سے آنسو کے اس کے منہ سے کلمۂ شکر نکلے۔''

حمیدہ نے میاں کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اسے اوورکوٹ اُتارنے میں مدد دی۔ دہکی ہوئی انگیٹھی اس کے پاس لاکر رکھ دی۔ گرم گرم پانی سے ہاتھ منہ دھونے کا انتظام کیا۔ جلدی جلدی کھولتی ہوئی چائے تیار کراکے پلائی۔ جب وہ سوٹ اُتارنے اور کپڑے بدلنے دوسرے کمرے میں چلا گیا تو حمیدہ نے اٹیچی کیس کھولا کہ اس کے کپڑے کپڑوں میں رکھ دے۔ ساری چیزیں موجود تھیں، اسے صرف اپنی شال نہ دِکھائی دی۔ اس نے ہولڈال بھی کھول ڈالا۔ وہاں بھی شال غائب تھی۔

اس نے گھبرا کر عبید سے بلند آواز میں پوچھا، ''میری شال کیا ہوئی؟''

عبید نے جھوٹی کہانی گھڑ لی تھی۔ وہ بیوی کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور بولا، ''وہ تو ریل میں چوری ہوگئی۔''

حمیدہ کا چہرہ تمتما اُٹھا۔ وہ بولی، ''ارے، یہ کیسے؟''

عبید نے کہا، ''رات ریل میں دو کمبلوں سے سردی نہ گئی تو میں نے اوپر سے تمھاری شال بھی ڈال لی۔ معلوم ہوتا ہے وہ کروٹ لینے میں پھسل کر برتھ کے نیچے گر پڑی۔ میں سو رہا تھا کہ دو مسافر اُتر گئے۔ انھی میں سے کوئی اسے بغل میں دبا کر لے گیا۔''

حمیدہ روہانسی آواز میں کوسنے لگی، ''موئے کا ہاتھ سڑ جائے۔ میری شال اوڑھنا اسے کبھی نصیب نہ ہو۔ اس کی قبر میں کیڑے پڑیں۔'' کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ماما عیدُن عبید کے ناشتے کے لیے ہدایت لینے آئی ہوئی پاس ہی کھڑی تھی۔ وہ بولی، ''اُے ہے بی بی، اتنی سی بات پر روتی ہیں! خدا کا شکر کیجیے کہ اللہ آمین میاں سلامت پلٹ آئے۔ صدقہ اُتاریے، شکر کا سجدہ کیجیے۔''

حمیدہ کا موڈ بالکل بدل گیا۔ اس نے جھٹ آنکھیں پونچھ ڈالیں اور سوا روپیہ عیدُن کی طرف بڑھا کر بولی، ''سچ کہتی ہو بوا، میں بڑی ناشکری ہوں۔ یہ سوا روپے لو اور اسے ایک سینی میں سوا سیر ماش اور سوا پاؤ کڑوے تیل کے ساتھ رکھ کر ان کے ہاتھ سے چھوا کر کسی فقیر کو دے دو اور میں جاتی ہوں دوگانہ پڑھنے۔'' اور وہ فوراً ہی وضو کرنے لگی۔ عبید نے شرم سے گردن جھکا لی اور پانی پانی ہوگیا۔ جھوٹ بھی کس قدر کثیر الاولاد ہے۔ ایک بولو، جھٹ اس کے پیٹ سے دس پیدا ہوجائیں گے۔ پھر بھی اس کا جھوٹ کتنا

شیریں، کتنا میٹھا نکلا! حمیدہ کی آنکھیں بھیگیں تو شکرِ خدا میں۔

دوسرے دن جب ٹھنڈی ہوا ذرا گرمائی تو پانچ بجے عبید کارخانے سے پلٹتے وقت اس سڑک پر مڑ گیا جدھر پگلی ملی تھی۔ اس نے دیکھا میونسپلٹی کے ملازم پگلی کی اکڑی ہوئی لاش ایک ٹھیلے پر لاد رہے ہیں۔ اس کے جسم پر وہی میلی پھٹی ہوئی دھوتی ہے۔ اس کا مرا ہوا بچہ اسی طرح چھاتی سے چپکا ہوا ہے اور حمیدہ کی شال کا دور دور تک پتا نہیں! دفعتاً عبید کا منہ اتنا کڑوا ہو گیا کہ اس نے ایک جاہل بے پروا شہری کی طرح سڑک پر تھوک دیا۔

معانی واشارات

اٹیچی	– چھوٹا سوٹ کیس
مَل دَل جانا	– سلوٹیں پڑ جانا
ہم چشم	– برابر والا، ہم رُتبہ
کھوے سے کھوا چھلنا	– بہت بھیڑ ہونا
سینے کو برمانا	– بہت تکلیف دینا
بدشگونی	– نحوست
ہولڈال	– بستر بند
سیوتی	– ایک قسم کا سفید پھول، نسترن
سوسن	– نیلے اور آسمانی رنگ کا پھول، لمبی پنکھڑیوں والا پھول (Lily)
کندن	– خالص سونا
مہریا	– بیوی
دل دوز	– دل دہلا دینے والا
چشمِ مے گوں	– سرخی مائل آنکھ

مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

سبق سے موزوں لفظ تلاش کرکے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

	شال پر موجود پھول	

* اشاروں کے مطابق جدول مکمل کیجیے۔

صفت	کنجوس	....	محنتی	....
اسم	....	سردی	....	کمزوری

اسم	بوکھلاہٹ	....	چہچہاہٹ	....
فعل	....	مسکرانا	....	بنانا

* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ افسانے کی تعریف بیان کرکے اس کے اجزا کی نشان دہی کیجیے۔

۲۔ ’’ادب برائے زندگی‘‘ کے بارے میں اپنے استاد سے معلومات حاصل کیجیے۔

۳۔ حمیدہ کی شال کی خوب صورتی بیان کیجیے۔

۴۔ حمیدہ کی اُس وقت کی کیفیت بیان کیجیے جب عبید نے اس کے کندھوں پر شال ڈالی تھی۔

۵۔ شال خریدتے وقت حمیدہ کے متعلق عبید کے ذہن میں آنے والے خیالات کو قلم بند کیجیے۔

۶۔ منع کرنے کے باوجود حمیدہ کے شال دینے پر عبید نے جو کچھ طے کیا، اسے تحریر کیجیے۔

۷۔ رکشے پر بیٹھتے وقت عبید نے سردی سے بچنے کا جو انتظام کیا، اُسے بیان کیجیے۔
۸۔ رکشے والے کا حلیہ بیان کیجیے۔
۹۔ عبید کی ذمے داریاں بیان کیجیے۔
۱۰۔ رکشے والے سے پگلی کو شال اوڑھانے کے لیے کہہ کر عبید نے جو ردِّ عمل ظاہر کیا، اسے بیان کیجیے۔
۱۱۔ حمیدہ کا چور کو کوسنا بیان کیجیے۔
۱۲۔ پگلی کو شال دیتے وقت رکشے والے کے خیالات کو قلم بند کیجیے۔
۱۳۔ شال پگلی کو دینے کے بعد حمیدہ سے متعلق عبید کے خدشات تحریر کیجیے۔
۱۴۔ افسانے کی روشنی میں اُس کے کرداروں کا تعارف پیش کیجیے۔
عبید، حمیدہ ، رکشے والا، عیدُن

* اسباب بیان کیجیے۔

۱۔ سخت سردی کے باوجود عبید کا شال نہ اوڑھنا۔
۲۔ رکشے والے کا تعجب کرنا۔
۳۔ عبید کا تعجب میں پڑنا۔
۴۔ عبید کا جھنجھلانا۔
۵۔ مصنف کا ''پدرم سلطان بود'' کہہ کر غصہ ہونا۔

* درج ذیل جملوں کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ جہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے، وہاں اپنے ہی جسم کی گرمی ایک بجھا ہوا دیا بن جائے گی۔ اسے محنت مزدوری کی دیا سلائی دکھاؤ تو اندر کی آگ بھڑک کر باہر آجائے گی۔
۲۔ جھوٹ بھی کس قدر کثیر الاولاد ہے۔ ایک بولو جھٹ اُس کے پیٹ سے دس پیدا ہوجائیں گے۔
۳۔ دفعتاً عبید کا منہ اتنا کڑوا ہوگیا کہ اس نے ایک جاہل بے پروا شہری کی طرح سڑک پر تھوک دیا۔

* ذیل میں دیے ہوئے موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

۱۔ عبید کے ٹرین سے اُترنے کے بعد موسم کی کیفیت۔
۲۔ رکشے والے کو دیکھ کر عبید کے ذہن میں آنے والے خیالات۔
۳۔ فٹ پاتھ پر پڑی ہوئی پگلی کا حلیہ۔
۴۔ ماما عیدُن کے مشورے کے بعد حمیدہ میں آنے والی تبدیلی۔
۵۔ شال نہ اوڑھنے پر عبید کا حمیدہ کو ٹوکنا۔
۶۔ ٹرین میں سردی سے بچنے کے لیے عبید کی کوششیں۔
۷۔ پگلی کی دل دوز کراہ۔
۸۔ شال پگلی کو دے دینے کے بعد اگلے روز کا واقعہ۔
۹۔ عبید کے لیے حمیدہ کی اتھاہ محبت۔
۱۰۔ اگر عبید حمیدہ سے سچ بات بتا دیتا تو حمیدہ کا ردِّ عمل۔

* ہدایت کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ سبق میں استعمال کیے گئے محاوروں کو تلاش کرکے اُن کا مفہوم لکھیے اور انھیں جملوں میں استعمال کیجیے۔
۲۔ سبق سے رکشے والے کی مقامی زبان کے فقرے الگ کیجیے اور انھیں معیاری زبان میں لکھیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ رکشے والے اور عبید کے درمیان ہونے والی گفتگو کو اُردو مکالمے کی صورت میں لکھیے۔
۲۔ اسکول کی لائبریری سے علی عباس حسینی کے کسی افسانے کو حاصل کرکے اس کا مطالعہ کیجیے اور اپنی ذاتی رائے کا اظہار کیجیے۔
۳۔ افسانہ 'گاؤں کی لاج' پڑھ کر اس پر اپنی ذاتی رائے پیش کیجیے۔



۴ نیا شاعر اور زندگی کے مسائل

عمیق حنفی

پیشِ درس

مضمون کی مختلف اقسام میں تنقیدی مضمون بھی شامل ہے۔ اس میں مضمون نگار فن پاروں اور تخلیق کاروں کے متعلق اظہارِ خیال کرتا ہے۔ لفظ تنقید 'نقد' سے ماخوذ ہے جس کے ایک معنی کھرے کھوٹے کی پرکھ ہے۔ ادبی تحریر کے مطالعے کے دوران عام قاری اکثر اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ پاتا جس قدر ایک ناقد اس تخلیق کی خوبیوں اور خامیوں کو سمجھتا ہے۔ تنقید نگار ادب کے حسن و قبح کو اُجاگر کرنے کے علاوہ ادبی روایات اور اصناف کے اعتبار سے بھی اس کا مرتبہ طے کرتا ہے۔ وہ تجزیہ، تقابل اور تفہیم کے ذریعے ادب پارے کو سمجھنے اور تعینِ قدر میں قاری کی مدد کرتا ہے۔

تنقید کی مختلف اقسام ہیں۔ علاوہ ازیں ادبی تحریکات مثلاً ترقی پسند تحریک اور جدیدیت کی تحریک کے زیرِ اثر بھی ادب کو الگ الگ طرح سے جانچا اور پرکھا گیا ہے۔ مضامین کے علاوہ ادبی رجحانات کے اعتبار سے بھی مختلف ادیبوں، شاعروں، ڈراما نگاروں وغیرہ کے فن پر کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ان کے ادبی کارناموں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ شعر کہنے یا شاعری کرنے سے شاعر کا مقصد صرف خیالی طوطا مینا بنانا ہرگز نہیں۔ شاعری تخیل سے ضرور نمود کرتی ہے لیکن شاعر کی تخلیقی باتوں کا گہرا تعلق اس کے اطراف کے ماحول، معاشرے کے نشیب و فراز اور اس کے متعدد مسائل سے لازمی طور پر ہوتا ہے۔ شاعر معاشرے کے مسائل سے متاثر ہو کر ہی انھیں اپنی نظموں اور شعروں کا موضوع بناتا ہے۔ شاعری میں زمانے کے مسائل کسی نہ کسی طرح ضرور بیان کیے ہوئے ملتے ہیں۔ واضح رہنا چاہیے کہ ایک زمانے کے مسائل دوسرے زمانے کے مسائل سے مختلف ہوتے ہیں۔ شاعر اپنے تخیل، اپنی بصیرت اور اپنے فنی خلوص کے پیشِ نظر ان مسائل پر اظہارِ خیال کرتا ہے۔ میرؔ و سوداؔ کے زمانے میں ہمارے ملک کے مسائل جیسے تھے، وہ آج نہیں پائے جاتے۔ اکبرؔ و اقبالؔ کے زمانے کے مسائل سردارؔ و فیضؔ کے معاشی، سیاسی اور تہذیبی مسئلوں سے قطعی مختلف ہیں۔

عمیقؔ حنفی ایک اہم جدید شاعر ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں انھوں نے عالمی پیمانے پر بدلتے ہوئے حالات کے پیشِ نظر موجودہ عہد کی شاعری کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ اپنے زمانے میں شاعر پر نافذ کی گئی پابندیوں کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ سیاسی، مذہبی، معیشتی اور فلسفیانہ نظریات کا پابند ہو کر شاعر اپنے تخیل کا سچا اظہار نہیں کر سکتا۔ اسے فکر اور اظہار کی آزادی حاصل ہونی چاہیے۔

جان پہچان

عمیقؔ حنفی ۱۹۲۸ء میں مہو چھاؤنی ضلع اندور (مدھیہ پردیش) میں پیدا ہوئے۔ اُن کا پورا نام عبدالعزیز حنفی تھا۔ عمیقؔ حنفی کی ابتدائی تعلیم مہو میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ اندور گئے اور سیاسیات اور تاریخ میں ایم۔اے۔ کیا۔ فلسفے سے انھیں خاص دلچسپی تھی۔ ان کے فکر و فن پر ان علوم کا اثر آخر تک قائم رہا۔ عمیقؔ حنفی نے طویل مدت تک آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت کی۔ وہ اسٹیشن ڈائریکٹر کی حیثیت سے ۱۹۸۷ء میں سبکدوش ہوئے۔

عمیقؔ حنفی موسیقی کے بھی بڑے دلدادہ تھے۔ انھوں نے باقاعدگی سے موسیقی کا علم حاصل کیا تھا۔ اس فن کی باریکیوں پر انھوں نے بعض عمدہ مضامین لکھے ہیں۔ اُردو کے علاوہ انگریزی اور دیگر ہندوستانی زبانوں کے ادب پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ 'شعلے کی شناخت' اور 'شعر چیزے دیگر است' ان کے تنقیدی مضامین پر مشتمل کتابیں ہیں۔

عمیقؔ حنفی نے اپنا ادبی سفر ترقی پسند تحریک کے عروج کے دور سے شروع کیا۔ ان کا پہلا مجموعۂ کلام 'سنگِ پیراہن' اسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے بعد وہ جدیدیت کے زیرِ اثر آ گئے۔ انھوں نے کئی شعری تجربے کیے اور متعدد طویل نظمیں بھی لکھیں جنھیں غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔ 'شب گشت' اور 'شجرِ صدا' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۱۹۸۸ء میں عمیقؔ حنفی کا انتقال دہلی میں ہوا۔

ہمارے عہد کی معاشرت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہماری زندگی کے تقریباً ہر شعبے پر سیاست کا غلبہ ہے۔ سائنس، صنعت، تجارت، فن، ادب، فلسفہ، مذہب، اخلاق، تعلیم سبھی کو سیاست نے اپنا محکوم بنا رکھا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر اہلِ فن بھی سیاسی پارٹیوں کے مسلک اور طریق کار کو اپنا کر اپنے ذہن و احساس کا اظہار کرنے کی بجائے اربابِ بَست وکُشاد کی خوشنودی، اعزاز و انعام، سماجی احترام اور عزت حاصل کرنے کے لیے اپنے فن کو آلۂ کار بنائے ہوئے ہیں۔ غیر مشروط ذہن سے رونما ہونے والی تخلیقات کو دبا کر نقالوں، شعبدہ بازوں، بازیگروں اور عیاروں کی جعل سازیوں نے شور مچا رکھا ہے۔ کہیں سیاست میں ادب کی اور کہیں ادب میں سیاست کی بیساکھیاں لگائے ہوئے نا اہل 'نورتن' بنے پھر رہے ہیں۔ سیاست کو میں نہ حقیر سمجھتا ہوں نہ حرام لیکن معاشرے میں اُسے شریکِ غالب کا درجہ دینا مجھے گوارا نہیں۔ سیاست سماج کی منتظم ہے۔ جان مال اور عزّت آبرو کی حفاظت اور اجتماعی فلاح و بہبود کے منصوبوں تک اسے برداشت کیا جا سکتا ہے۔ ربطِ ملت کے لیے فرد کا فنا ہونا ناگزیر نہیں ہے۔ سماج اس لیے نہیں ہے کہ افراد کو نگلنے والا وحشی درندہ بن جائے، ان کے چشم و گوش، دل و دماغ، زبان و دہن کو اپنا غلام بنائے اور انھیں کٹھ پتلیوں کی طرح نچائے۔

میں سوچتا ہوں کہ محض ادیب و شاعر اور دیگر فنونِ لطیفہ کے خلاق ہی آج انسان کے نہاں خانۂ ذات میں اُٹھنے والے طوفانوں اور ہنگاموں کو اپنے فن کے آئینے میں دکھا سکتے ہیں۔ ایک غیر مشروط اور آزاد شعور و احساس کی روشنی باہر اور اندر کے مناظر پر ڈال سکتے ہیں۔ تاریخ و جغرافیہ، مذہب و سیاست، رنگ و نسل میں بٹی ہوئی دنیا کو پھر سے اکائی بنا سکتے ہیں۔ بے شک سماج اور اس کی ملکہ سیاست نے میرے شعور کی پرورش اور تعلیم و تربیت اور میری شخصیت و کردار کی نشو و نما میں بہت اہم حصہ لیا ہے۔ سماج سے میرے جسم اور میرے ذہن کو غذا ملی ہے۔ پھر بھی میرا ذہن اور میری ذات غیر مشروط ہیں۔

میں سماج کا دشمن ہوں نہ حریف۔ میں ایک فرد ہوں اور فرد سماج کی بنیادی اور مرکزی اکائی ہوتا ہے۔ میں نراج کا آرزومند نہیں اور نہ تخریب برائے تخریب اور بغاوت برائے بغاوت کا قائل لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں کہ سماج میرے آنگن میں اودھم نہ مچائے، میرے مطالعے کے کمرے میں اپنے پہرے دار نہ بٹھائے، میری عینک کا انتخاب میرے ڈاکٹر پر چھوڑ دے، میرے لیے خیالات والفاظ کا انتخاب نہ کرے۔ میرے لیے سیر گاہوں کا تعین نہ کرے اور میری شاعری کو اپنے استعمال کی شے اور اپنا آلۂ کار نہ سمجھے۔

میرے عہد کے تضادات میرے احساس کو پریشان رکھتے ہیں، میں چوبیس گھنٹوں میں اندور سے دہلی یا بمبئی پہنچ جاتا ہوں: فاصلہ کم ہو گیا ہے۔ دہلی یا بمبئی کے ہجومِ رواں میں مجھے کوئی قابلِ توجہ نہیں سمجھتا۔ کسی کا پتا پوچھتا ہوں، کوئی نہیں بتاتا: فاصلہ بڑھ گیا ہے۔ ریڈیو خبر دیتا ہے کہ دو ہزار میل دور بنگال میں سیلاب آیا اور ہزاروں لوگ غرق ہو گئے، بے شمار بستیاں تباہ ہو گئیں: باخبری بڑھ گئی ہے۔ میرے پڑوسی نے اطلاع دی ہے کہ ہمارے مکان سے کوئی دس پندرہ مکان چھوڑ کر جو جھونپڑی تھی، جل گئی اور اس میں رہنے والی بڑھیا جل کر مر گئی، بات ہفتہ بھر پہلے کی ہے: بے خبری بڑھ گئی ہے۔ سینما کے پردے پر ایک بلکتی ہوئی مظلوم عورت کو دیکھ کر میری آنکھیں بھر آئی ہیں: میں کتنا حساس اور دردمند ہوں۔ میرے گھر کے سامنے گرمی کی دوپہر میں ایک آدمی بے ہوش ہو کر گر پڑا ہے، میں نے دروازہ بند کر لیا ہے۔ کون پنچ نامے کے جھگڑے میں پڑے: میں کتنا بے حس اور بے درد ہوں۔ فتوحاتِ شمس و قمر کی خبریں ترقیات کو کلائمکس پر لے جا رہی ہیں۔ مٹی کا تیل خریدنے کے لیے دکان پر لگی ہوئی لائن میں سر پھٹول ہو رہی ہے۔ یہ میرا شعور ہے، احساس ہے جو میری شاعری کی اساس ہے۔

میں نے خبریں پڑھی ہیں کہ طب اور جرّاحی نے اعصابی مریضوں کو شفا بخشی ہے اور نفسیاتی تجزیوں کا بھرم کھول دیا ہے۔ عقیدت مندی شاملِ حال ہو تو سیانے، اوجھا، عامل، نجومی، پامسٹ، قیافہ شناس اور حاضرات کے ماہرین بھی ماضی و مستقبل کے پردے اٹھا سکتے ہیں اور ان سب کو بھی اپنے اپنے شعبدوں پر سائنس ہونے کا دعویٰ ہے۔

میں مشرق اور مغرب کے فرق و امتیاز کو جغرافیائی مفروضے مانتا ہوں۔ سورج کے طلوع وغروب کے مقامات کا فرق انسانیت اور انسانی مسائل پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ کہیں صبح ہوتی ہے کہیں دوپہر، کہیں شام تو کہیں رات اور یہ سب بہ یک وقت ہوتا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے شاعروں کے سامنے جو مسائل ہیں، ان کے درجات مختلف ہیں لیکن نوعیت ایک ہے۔ وہاں کے واقعات بے شک ہمارے لیے خبر ہیں۔ ہم ابھی ان مسائل سے اس شدت کے ساتھ دوچار نہیں ہوئے۔ میرے شہر میں کارخانے کی چمنی اور اونچا پیڑ متوازی خطوط ہیں۔ ماضی نہ یہاں زندہ ہے نہ مردہ۔ فطرت اور مشین کے مسائل بھی یہاں اتنے شدید نہیں ہیں۔ یہ وہ زندگی ہے جسے میں جیتا ہوں، دیکھتا ہوں، سوچتا ہوں، محسوس کرتا ہوں۔

میں جانتا ہوں کہ شاعری نیا موڑ لے چکی ہے اور اس میں اور زندگی میں بے تکلف، بے حجاب اور براہ راست رشتہ مستحکم ہو چکا ہے۔ آج کا شاعر اپنی بات کہتا ہے، اس کے پاس معمولات ہیں۔ معمولات پر غور وفکر اور تحقیق کر کے سائنس آج ابوالعلوم بن چکا ہے لیکن شعور اور احساس کی دنیا میں فنون وادب نے سائنس کے طرزِ عمل کے بجائے سیاست کے سطحی طرزِ عمل کو اپنا کر اور اپنے آپ کو دوسروں کا پِچھ لگو اور آلۂ کار بنا کر اپنی اہمیت، وقعت اور توقیر کو گھٹایا ہے۔ اب یہ نہ ہوگا۔ میری نظر میں فلسفی، سائنسداں، فنکار اور ادیب ہم مرتبہ ہیں۔

تکنالوجی نے سیاست اور تجارت کی اطاعت قبول کر کے انسان اور انسانیت میں جو خلیج پیدا کر دی ہے، اُسے پاٹنا ضروری ہے۔ مادّی ترقی کے نام پر استحصال واقتدار کی جو 'پاگل دوڑ' جاری ہے، آخر اس کی منزلِ مقصود کہاں ہے؟ آسائش ورفتار حاصل کرنے میں جو کچھ ہم نے کھویا ہے، اس کی قدر وقیمت حاصل سے کم تھی یا زیادہ؟ بے شک تکنالوجی اور صنعت نے انسان کو شاہ مائڈس بنا دیا ہے لیکن کہیں اس کا یہ زریں لمس اسے خود بے جان وبے روح سونے کی مورت نہ بنا دے۔ یہ تمام سوالات وہ ہیں جن کا کوئی جواب سیاست کے پاس نہیں ہے۔ میرے پاس بھی ان مسائل کا کوئی ریڈی میڈ حل نہیں ہے لیکن ان مسائل کے وجود کا احساس دلانے اور ان سوالات کو اپنے قارئین کے ذہنوں میں اگاتے رہنے میں کیا مضائقہ ہے؟ اپنی طویل نظموں میں بالخصوص میرا یہی مشغلہ رہا ہے۔

نئی شاعری اب تک تنظیم یا تحریک نہیں بنی ہے۔ نئے شاعر کسی منشور یا دستور العمل کے پابند نہیں ہیں۔ خلوص، دیانت اور ذہنی آزادی کی سطح پر ان کے فکر واحساس میں فطری طور پر یکسانیت اور ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ نئی شاعری پیشہ ہے نہ کاسہ، بیساکھی ہے نہ بانس کے پاؤں۔ اعزاز وانعام اس کا مقصد نہیں۔ یہ ایک مقدس فریضہ ہے جو نئے شاعروں کی اپنی اپنی ذات نے ان پر عائد کیا ہے۔

ہم لوگ ایک دوسرے کی تخلیقات سے محبت کرتے ہیں۔ تعریف، تنقید اور تردید کرنے میں لاگ اور لگاؤ سے کام نہیں لیتے۔ نئی شاعری کے لیے نئی تنقید کی ضرورت ہم بھی محسوس کرتے ہیں۔

میرے لیے شاعری محض فارم، تکنیک، اسٹائل اور ڈکشن کا نام نہیں ہے اور شاعری کے لیے محدود ومخصوص لفظیات پر اصرار کرنا

لغویت اور نہایت گھٹیا قسم کی عصبیت ہے۔ صاف ذہن اور ایمان دار و پُرخلوص شاعرانہ احساس، زبان و بیان، اسلوب وہیئت کی عاقبت از خود سنوار دیتے ہیں۔ میں اپنی شاعری میں لفظوں کا استعمال کچھ اس طرح کرتا ہوں کہ معنویت کی دوہری پرتیں بن جاتی ہیں۔ ایک سطح پر ظاہری اور بصری حقائق سے لطف حاصل کیا جا سکتا ہے اور اگر دوسری سطح تک رسائی ہو جائے تو اصل مدعا کھل جاتا ہے اور ادراک، احساس اور فکر اپنا ابلاغ کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح لفظ، لفظ بھی رہتا ہے اور علامت یا اشارہ بھی بن جاتا ہے۔

ہم عَروضی موزونیت کے عادی ہو گئے ہیں مگر اس کے بغیر بھی شاعری ممکن ہے اور مہذب زبانوں میں کی بھی جا رہی ہے۔ نئی معاشرت اور زندگی کی لَے کو اونٹ گھوڑوں کی ٹاپوں، بیل گاڑیوں اور رتھوں کی چالوں سے وضع کی ہوئی صدیوں پرانی بحریں گرفت میں نہیں لا سکتیں اس لیے انھیں توڑنا اور جھنجھوڑنا حلال وثواب ہے۔

حادثات وواقعات، مجذوبوں اور شعبدہ بازوں کی ہجوم آفرینی سے ہٹ کر میں اپنے 'شعلے کی شناخت' کے لیے سرگرداں ہوں۔ میں جانتا ہوں، یہ وہ شعلہ نہیں ہے جو ویدک یگیہ کنڈ سے لپکا تھا۔ وہ بھی نہیں ہے جو آتش کدۂ ایران میں شب وروز روشن رہتا تھا۔ نہ وہ ہے جسے پرومیتھیوز چُرا کر عذاب میں مبتلا ہوا تھا اور نہ وہ جس نے کوہِ طور کو سرمہ بنا دیا تھا۔ بہرحال یہ ایک شعلہ ہے جو میرے وجود کا لباس بن گیا ہے۔ وجود سے خلا تک، خلا سے وجود تک اور دونوں کے درمیان اپنی شاعری کے وسیلے سے میں اسی شعلے کی شناخت کے لیے پھر رہا ہوں۔

معانی واشارات

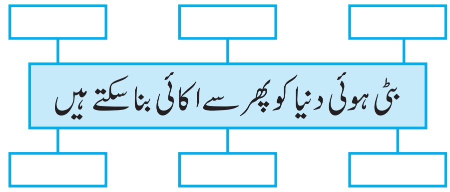
مسلک	–	طریقہ
اربابِ بَست و کشاد		ذمے دار لوگ
غیر مشروط ذہن	–	ذہن جو کسی شرط کو نہیں مانتا
نورتن بنا	–	اہمیت حاصل کر لینا، اہمیت جتانا
شریکِ غالب	–	بڑا شریک، جس کا حصہ زیادہ ہو
نہاں خانۂ ذات	–	اپنا اندرون
نراج	–	بے اُصولی
کلائمکس	–	عروج
تحلیلِ نفسی	–	انسانی ذہن کی تحقیق و تفتیش
شعبدہ	–	نظر بندی، دھوکا، فریب، جادو کا کھیل
پچھ لگّو	–	چاپلوس
خلیج	–	دوری، فاصلہ
زریں لمس	–	چھونے سے ہر چیز کا سونا بن جانا
منشور	–	اُصولوں کا مجموعہ
دستورالعمل	–	کام کرنے کے اُصول، منشور
ڈکشن	–	ادب میں لفظوں (زبان) کا استعمال
ظاہری اور بصری	–	نظر آنے والے
عَروضی	–	شعر کہنے کے لیے آوازوں کے وزن کے علم (علم عروض) سے متعلق
بحریں	–	شعر کہنے کے لیے آوازوں کا نظام
شعلے کی شناخت	–	مراد اپنی انفرادیت کی پہچان
یگیہ کنڈ	–	پوجا کے وقت آگ جلانے کا گڑھا

مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

★ سبق سے موزوں لفظ تلاش کرکے شبکی خاکے مکمل کیجیے۔

۱۔


۲۔


۳۔


* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ تنقید کو مصنف جس نظریے سے دیکھتا ہے، اسے تحریر کیجیے۔

۲۔ سماج کے تعلق سے مصنف کے خیالات کو قلم بند کیجیے۔

۳۔ ادیبوں اور شاعروں سے مصنف کی توقعات تحریر کیجیے۔

۴۔ سیاست سے متعلق مصنف کے خیالات تحریر کیجیے۔

۵۔ نئی شاعری کے تعلق سے مصنف کے خیالات لکھیے۔

۶۔ مصنف نے اپنی شاعری کو جن دو سطحوں پر برتا ہے، اُسے لکھیے۔

* درج ذیل جملوں کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ اکثر اہلِ فن بھی سیاسی پارٹیوں کے مسلک اور طریق کار کو اپنا کر اپنے ذہن واحساس کا اظہار کرنے کی بجائے اربابِ بست وکشاد کی خوشنودی، اعزاز و انعام، سماجی احترام اور عزت حاصل کرنے کے لیے اپنے فن کو آلۂ کار بنائے ہوئے ہیں۔

۲۔ معمولات پر غوروفکر اور تحقیق کرکے سائنس آج ابوالعلوم بن چکا ہے لیکن شعور اور احساس کی دنیا میں فنون وادب نے سائنس کے طرزِ عمل کے بجائے سیاست کے سطحی طرزِ عمل کو اپنا کر اپنے آپ کو دوسروں کا پچھ لگو اور آلۂ کار بنا کر اپنی اہمیت، وقعت اور توقیر کو گھٹایا ہے۔

* ذیل میں دیے ہوئے موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

۱۔ مصنف کے اپنے بارے میں خیالات کا اظہار۔

۲۔ مصنف کے عہد کے تضادات کا احساس اسے پریشان رکھتا ہے۔

۳۔ موجودہ سماجی پس منظر میں بڑھتی ہوئی بے خبری۔

۴۔ سیاست اور ادب میں بیساکھیاں لگائے ہوئے نا اہل نورتن بنے پھر رہے ہیں۔

۵۔ سیانے، اوجھا، عامل، نجومی، پامسٹ، قیافہ شناس اور حاضرات کے ماہرین کا اپنے شعبدوں پر سائنس ہونے کا دعویٰ کرنا۔

* ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ درج ذیل محاوروں اور الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

استحصال، آنکھ بھر آنا، سرگرداں،
دو چار ہونا، خوشنودی، نورتن بننا

۲۔ ذیل کے جملوں کے 'طور' کی شناخت کیجیے۔

- ریڈیو خبر دیتا ہے۔
- میں نے خبریں پڑھی ہیں۔
- مجھے اطلاع دی گئی۔
- اُسے شریکِ غالب کا درجہ دینا مجھے گوارا نہیں۔
- بے شمار بستیاں تباہ ہوگئیں۔

۳۔ ذیل کو استفہامِ اقراری یا انکاری میں تحویل کیجیے۔

- ہمارے عہد کی معاشرت کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے۔
- تحلیل نفسی کی علمی حیثیت ابھی مکمل نہیں ہے۔

- تکنالوجی اور صنعت نے انسان کو شاہ مائڈس بنا دیا ہے۔
- یہ وہ شعلہ نہیں ہے۔

۴۔ سبق سے واوِ عطف کی تراکیب کی فہرست تیار کیجیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ موجودہ عہد کے شعرا کے اچھے اشعار تلاش کر کے اپنی بیاض میں لکھیے۔

۲۔ آج کل حادثوں پر لوگ امداد کی بجائے فوٹو اور ویڈیو بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ ذیل کے شعر کی روشنی میں اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

مرتے ہوؤں کا لوگ بناتے ہیں ویڈیو
ہنستے ہیں اُن کو بھیڑ میں لاچار دیکھ کر

۳۔ اُردو میں حادثوں پر کئی اشعار لکھے گئے ہیں۔ انھیں جمع کر کے اپنی بیاض میں لکھیے۔

۴۔ مضمون میں آنے والی آگ کی تلمیحات کی معلومات جمع کیجیے۔

اضافی معلومات

پرومیتھیوز

یونانی دیومالائی کہانی کے مطابق دیوتا زیوس نے انسانوں کو سزا دینے کے لیے زمین سے روشنی اور آگ کو ختم کر دیا۔ ایک زمانے تک لوگ اندھیرے میں جیتے رہے۔ تب پرومیتھیوز نامی ایک دیوزاد انسانوں کی مدد کے لیے آگے آیا۔ اس نے زیوس کے محل سے آگ چرالی اور دنیا میں لا کر اسے لوگوں تک پہنچا دیا۔ زیوس نے غصّے میں آ کر پرومیتھیوز کو گرفتار کروایا اور ایک چٹان سے اسے باندھ کر ایک خوفناک گدھ کو اس پر مسلط کر دیا۔ یہ گدھ پرومیتھیوز کے جگر کو نوچ نوچ کر کھاتا رہا۔ جب گدھ پورے جگر کو کھا چکتا تو نیا جگر پرومیتھیوز کے جسم میں پیدا ہو جاتا۔ گدھ اسے بھی کھاتا رہتا گویا انسانوں کی مدد کر کے پرومیتھیوز ایک مسلسل عذاب میں پھنس گیا۔ یہ گدھ قیامت تک اس کے جگر کو کھاتا رہے گا۔

اضافی معلومات

مائڈس
سونے کا دیوانہ بادشاہ

یونان میں مائڈس نامی ایک بادشاہ تھا جسے سونا جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ وہ اپنا سارا سونا محل کے تہ خانے میں رکھتا اور وہاں جا کر روز سونے کی اشرفیاں اور اینٹیں گنا کرتا۔ اس کو سونے سے اتنی محبت تھی کہ اس نے اپنی بیٹی کا نام 'میری گولڈ' رکھ دیا۔ یہ لڑکی چھوٹی سی چھوٹی چیز میں خوب صورتی دیکھ لیتی تھی۔ وہ کہتی، ''ابا جان! دیکھیے پھول کتنے خوب صورت ہیں۔'' تو بادشاہ کہتا، ''ہاں، لیکن یہ سونے جیسے چمک دار نہیں۔''

ایک دن کیا ہوا کہ صبح ہوتے ہی جوں ہی مائڈس نے اپنے بستر کو ہاتھ لگایا وہ سونے کا بن گیا۔ پھر وہ جس چیز کو چھوتا، وہ سونے کی بن جاتی۔ بادشاہ سارا محل گھومتا رہا اور ہر چیز کو چھو کر سونے کا بناتا رہا۔ جب اسے بھوک لگی اور اس نے جوں ہی لقمہ اُٹھایا، وہ بھی سونے کا بن گیا۔ اب تو بادشاہ نہایت غمگین ہوا۔ ساری غذا سونے کی بن چکی تھی۔ اتنے میں میری گولڈ کھیلتے کھیلتے بادشاہ کے پاس آئی اور پیار سے اس کے گلے لگ گئی۔ بادشاہ نے دور کرنے کے لیے جیسے ہی اسے چھوا، میری گولڈ بھی سونے کی بن گئی... بے جان اور ساکت۔ یہ دیکھ کر بادشاہ رونے لگا۔

پھر وہ سیدھا اپنے محل کی طرف چیختا ہوا بھاگا، ''نہیں چاہیے مجھے سونا... ایسی دولت کس کام کی جو میری ساری خوشیاں چھین لے۔ اے خدا مجھے پھر ایک عام سا انسان بنا دے۔ میری خوشی تو میری بیٹی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ سونا خوشیاں نہیں خرید سکتا۔ میری بیٹی مجھے لوٹا دے۔ میری بیٹی مجھے لوٹا دے۔''

یہ کہتے کہتے بادشاہ کی آنکھ کھل گئی۔ ''ارے!'' اس نے تعجب سے کہا۔ ''یہ تو میں خواب دیکھ رہا تھا۔ اس خواب نے میری آنکھیں کھول دی۔ اب میں سونے کا لالچ کبھی نہ کروں گا۔''

۵ لفٹینی کی مشکلیں

کرنل محمد خان

پیش درس

طنز و مزاح کو تخلیقی ادب میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اُردو نظم و نثر کی مختلف اصناف میں طنز و مزاح کے عمدہ نمونے پائے جاتے ہیں۔ طنز نگار معاشرے کی اصلاح کی غرض سے زندگی کی بوالعجبی، تضادات اور سماجی برائیوں کو طنز کا نشانہ بناتا ہے۔ طنز اور مزاح میں بڑا لطیف فرق پایا جاتا ہے۔ مزاح میں عام طور پر تنقید یا دل آزاری کا کوئی پہلو نہیں ہوتا لیکن ہنسی سماج کو نامناسب حرکات سے روکنے کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ اکثر مزاح نگار کا اپنی ذات پر ہنسنا ان لوگوں کے لیے طنز ثابت ہوتا ہے جو انھی حالات کا شکار ہیں۔ ادب میں طنز و مزاح دلچسپی اور تفریحِ طبع تک محدود نہیں ہے۔ زبان کا تخلیقی استعمال ظریفانہ ادب کی ایک اہم خوبی ہے۔ مسرت و بصیرت، ناہمواریوں کا احساس اور نامطابقت کا شعور فکاہیہ ادب کے مطالعے کا حاصل ہے۔ رتن ناتھ سرشار، ملا رموزی، رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری، مرزا فرحت اللہ بیگ، کنہیا لال کپور، فکر تونسوی، عظیم بیگ چغتائی، شوکت تھانوی، مشتاق احمد یوسفی، ابنِ انشا، کرنل محمد خان اور مجتبیٰ حسین اُردو کے چند مشہور طنز و مزاح نگار ہیں۔

سرکاری ملازمت کے ہر شعبے میں تربیت و تنظیم کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ فوج میں ملازمت کی تربیت و تنظیم تو دیگر تمام شعبوں کی تربیت سے مشکل مگر ناگزیر سمجھی جاتی ہے۔ انگریزوں کے زمانے میں یہ تربیت خاص انگریز حکومت کے فوجی اُصولوں کی پابند تھی۔ واضح رہنا چاہیے کہ مزاح کو سننے یا پڑھنے میں اس کا فوری ردِّ عمل ہنسی قہقہے کی صورت میں ظاہر ہوجاتا ہے لیکن ظرافت فکاہیات کا ایسا تصور ہے جو کسی متن کا حصہ ہو تو پڑھنے والے کو پہلے اس پر کسی قدر غور کرنا پڑتا ہے پھر اس کے معنی کھلتے ہیں تو ہنسی قہقہہ اس کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔ ظرافت بھرے جملوں کا اثر دیرپا ہوتا ہے یعنی اس سے وہی لطف و سرور حاصل ہوتا ہے جو انشائیے کے مطالعے سے مخصوص ہے۔ اسی لیے طنز و مزاح سے ادب میں ظرافت کی مثالیں کمیاب ہیں۔ البتہ کرنل محمد خان کی تحریروں میں اس کا رنگ جگہ جگہ موجود ہے مثلاً ذیل کے سبق میں ایسے متعدد جملے، خیالات اور اقوال ملیں گے جن سے مصنف ظرافت نگار کا مقام حاصل کرلیتا ہے۔ مصنف کرنل محمد خان نے جہاں تربیت حاصل کی، اس سبق کے متن میں اسے ہلکے پھلکے مزاح لیکن گہری فکری ظرافت کے اسلوب میں بیان کیا ہے۔ یہ خیال کہ ملک میں ہر طرف امن و امان تھا مگر ایک طالب علم جنگ میں کودنے پر تل گیا۔ اس جملے میں اپنی تردید آپ ہی نظر آتی ہے یعنی امن و امان اور جنگ میں کودنے کا تضاد یہاں محض تضاد نہیں، ایسی صورت حال ہے کہ دوسری بات تو ناقابلِ قبول ہے مگر اسے قبول کرنا مجبوری ہے۔ یہ خیال امن و امان پر طنز ہی ہے۔

جان پہچان

کرنل محمد خان ۵/ اگست ۱۹۱۰ء کو ضلع چکوال کے قصبہ بلکسر (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز چکوال سے کیا۔ انھوں نے ۱۹۳۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے اقتصادیات میں ایم.اے.کی ڈگری حاصل کی۔ کرنل محمد خان فوج کے شعبۂ تعلیم کے ڈائرکٹر رہے۔ نیز انھوں نے برطانوی راج میں ہندوستانی فوج میں بھی کام کیا اور دوسری جنگ عظیم میں مشرق وسطیٰ اور برما کے محاذ پر بھی خدمات انجام دیں۔ کرنل محمد خان کو طالب علمی کے زمانے ہی سے تحریر و تصنیف کا شوق تھا۔ اُن کی پہلی تصنیف 'بہ جنگ آمد' ان کے زمانۂ جنگ میں گزاری ہوئی داستانِ حیات ہے۔ زیرِ نظر مضمون 'لفٹینی کی مشکلیں' اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔ ان کی دیگر تصانیف 'بہ سلامت روی' اور 'بزم آرائیاں' شائع ہوچکی ہیں۔ ۲۳/ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو کرنل محمد خان کا انتقال ہوا۔

جنوری ۱۹۴۰ء میں ہر چند کہ پولینڈ اور ہٹلر کے دوسرے ہمسایے جرمن بمباروں اور ٹینکوں کے درمیان ایسی پُرسکون زندگی بسر نہیں کر رہے تھے؛ تاہم باقی دنیا بہ فضلِ خدا خیریت سے تھی اور ہمارے اپنے ملک ہندوستان میں تو انگریز کی برکت سے اس شدت سے امن برپا تھا کہ شیر بکری مع جملہ ہندوستانیوں کے، ایک گھاٹ پانی پی رہے تھے۔ چنانچہ صلح و آشتی کے اس خوشگوار ماحول میں کسی کو گمان تک نہ تھا کہ عین اس وقت ملک کے ایک گوشے میں ایک اہم جنگی واقعے کی ابتدا ہو رہی ہے یعنی لاہور میں ایک نوجوان کالج چھوڑ کر جنگ میں کود پڑنے پر تُل گیا ہے...... یہ نوجوان میں ہی تھا۔

ہمیں فقط لفٹین بننے کا شوق تھا۔ چنانچہ ہم نے فوج میں کمیشن کے لیے درخواست دے دی۔

اُن دنوں ابھی وہ مصیبت نازل نہیں ہوئی تھی جسے آج کل سلیکشن بورڈ کہتے ہیں۔ انٹرویو تو خیر اُن دنوں بھی ہوتے تھے، بلکہ ایک چھوڑ تین تین لیکن نہایت شریفانہ قسم کے۔ ایک بزرگ سا جرنیل، کچھ نیم بزرگ سے بریگیڈ یئر اور کرنل بیٹھے ہوتے تھے۔ سامنے کرسی پر امیدوار کو بٹھا دیا جاتا تھا اور پھر اُس سے نہایت بے ضرر سے سوال پوچھے جاتے تھے:

آپ کا نام کیا ہے؟

تعلیم کہاں تک ہے؟

فوج میں کوئی رشتے دار ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ ہمارے دو انٹرویو جہلم اور پنڈی میں ہوئے اور ہم کامیاب رہے۔ آخری انٹرویو کے لیے حکم ملا کہ فلاں تاریخ کو شملہ حاضر ہو جاؤ۔ یہ سن کر ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی۔

چنانچہ ہم ایک نیم لفٹینی کے عالم میں شملہ روانہ ہوئے اور جب انٹرویو ہو چکا تو شملے سے گھر پہنچے اور لفٹینی کے حکم کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔ اِدھر چند عجلت پسند بزرگوں نے ہماری لفٹینی کے اعزاز میں پیشگی دعوتیں دینا شروع کر دیں جنھیں ہم واجبی برخورداری مگر افسرانہ وقار کے ساتھ قبول کرتے رہے۔ آخر ایک دن ڈاکیا کُھلا تار لے کر آیا اور دور ہی سے بولا، ''لفٹین صاحب، لفٹینی مبارک ہو۔''

لیکن تار پڑھا تو فقط اتنا لکھا تھا: ''تمھیں او.ٹی.ایس.مہو میں ٹریننگ کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ ۸/اگست ۱۹۴۰ء کو حاضر ہو جاؤ۔''

ریل کے سفر کے لیے درجۂ اوّل کا ٹکٹ ملا۔ یہ بھی ہماری عالی جاہی کی علامت تھی۔ ٹکٹ دیکھنے والے ڈبے میں داخل ہوتے تو سَر کہہ کر خطاب کرتے۔ خدا جانے اُنھیں کیسے محسوس ہو جاتا کہ یہ عام آدمی نہیں، لفٹین ہے۔ بہرحال ہم ان سے وہی سلوک کرتے جو ایک افسر کو درمیانہ درجے کے سرکاری ملازم سے کرنا چاہیے اور اتفاق رائے اس بات پر ہوا کہ معمولی فرق ہے؛ چنانچہ رتلام اور مہو کے درمیان ہمارا مزاج عرشِ معلّٰی سے کچھ ہی اِدھر تھا۔

آخر مہو کا اسٹیشن آ گیا۔ توقع تھی کہ ہمارے استقبال کے لیے فوج کا دستہ آئے گا، بینڈ ہوگا، موٹریں ہوں گی جن کے ڈرائیور ہمارے لیے دروازہ کھولیں گے اور باادب باملاحظہ ہمیں اپنے بنگلوں تک پہنچا دیں گے لیکن دیکھا تو یہاں کا بندوبست کسی قدر مختلف نظر آیا۔ استقبال کے لیے آدمی تو تھے لیکن ان میں ایسی وافر آدمیت نہ تھی۔ گاڑی رُکی تو ہمارے ڈبے میں ایک گورا داخل ہوا جس کے

بازو پر تین سفید دھجیاں لگی تھیں۔ آتے ہی بولا، ''اگر اس ڈبے میں کوئی کیڈٹ ہے، تو ابھی مت باہر نکلے۔''

ہم بیٹھ تو گئے لیکن اس گورے کی زبان بے حد کھُردری لگی۔ علاوہ ازیں کیڈٹ کا لفظ سن کر کچھ تشویش سی ہوئی کہ ہم سے کوئی دھوکا تو نہیں ہو رہا۔ لفٹین تو لفٹین ہوا، یہ کیڈٹ کیا جنس ہے؟ چنانچہ ہمیں ذرا پختہ سا شبہ ہونے لگا کہ اِن انگریزوں نے لفٹینی سے وصل کی کچھ خفیہ شرطیں بھی ٹھہرا رکھی ہیں جن سے ہمیں پہلے آگاہ نہیں کیا گیا۔

جب اسٹیشن دوسرے مسافروں سے خالی ہو گیا، تو گورا پھر آیا اور اچانک چلّایا، ''سب کیڈٹ میرے سامنے قطار میں کھڑے ہو جائیں۔''

ہم نے کسی قدر حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور کچھ بے دلی سے قطار بھی بنا لی۔ گورا پھر چیخا، ''دائیں سے ایک دو تین بولو۔''

ہم نے حکم کی تعمیل تو کی لیکن محسوس ہوا کہ یہ سلوک ہماری شان کے شایاں نہیں۔ آخر ہم رنگروٹ تو تھے نہیں جو قطاریں بناتے پھرتے یا گنتی شروع کر دیتے۔ بہرحال ہمیں تین ٹولیوں میں تقسیم کیا گیا اور پھر وہی گورا بولا، ''باہر تین ٹرک کھڑے ہیں، ہر ٹولی ایک ایک ٹرک میں سوار ہو جائے۔''

ہمیں یقین ہو گیا کہ ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ کچھ بھی ہو، ہمیں ٹرکوں میں لے جانا شدید غلطی بلکہ بے ادبی ہے۔ موٹر کاریں ہونا چاہیے تھیں مگر سوچا کہ اِن سے اُلجھنا ہمیں زیب نہیں دیتا، چنانچہ ہم نے قلیوں کو آواز دی کہ ہمارا سامان ٹرکوں میں ہی رکھ دیں۔ ہمارا یہ کہنا تھا کہ گورا گرج کر بولا، ''کیا کہا، قُلی؟ تم فوجی اسکول میں آئے ہو۔ ہسپتال میں نہیں۔ اپنا سامان خود اٹھاؤ، ٹرکوں میں لادو اور اوپر بیٹھ جاؤ یا کھڑے رہو۔ سمجھے؟''

سمجھ تو گئے اور ہماری خوش فہمیوں پر کچھ اوس بھی پڑی لیکن ہم سب نے حتی المقدور جلال میں آ کر اس بے ادب کو گھرے اور متفقہ غضب سے دیکھا اور کھڑے کھڑے فوجی زندگی کا پہلا فیصلہ کر ڈالا کہ جوں ہی لفٹین ہو گئے، اِس گستاخ گورے کا کورٹ مارشل کر دیں گے۔ اِس دلیرانہ فیصلے پر ہر طرف سے مرحبا کی صدا اُٹھی ... اِس وقت ہم کورٹ مارشل کو مارشل لا کا قریبی رشتے دار سمجھتے تھے۔

منزلِ مقصود کی جھلک توقعات سے بہت غیر مشابہ تھی۔ ہماری جائے قیام کے خدوخال بنگلے کی نسبت جیل سے زیادہ ملتے جلتے تھے۔ ایک سنگین بلکہ سنگ دل سی بیرک تھی؛ تنگ و تاریک اور طویل جس کے اندر دیواروں کے ساتھ آہنی چارپائیاں پڑی تھیں اور چارپائیوں پر ہمارے ناموں کی تختیاں آویزاں تھیں۔ انھیں دیکھ کر ہمیں جھٹکا سا لگا۔ گورا جیسے ہمارے خوف کو بھانپ گیا اور کڑک کر بولا، ''یہ تختیاں گلے میں لٹکانے کے لیے نہیں، محض تمھاری نشستوں کے تعین کے لیے ہیں۔ اب اپنی اپنی چارپائیاں ڈھونڈ لو اور اپنا سامان وہاں اُٹھا کر لے جاؤ۔''

ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ سامان اُٹھانے اور چلنے پھرنے میں چستی دکھاؤ اور شور مت کرو۔

شام ہوئی تو کھانے کے لیے Mess میں گئے۔ یہ پہلی جگہ تھی جہاں لفٹینی کے آثار نمایاں تھے۔ ہم سب ایک افسرانہ ٹھاٹ سے ڈرائنگ روم میں صوفوں پر بیٹھ گئے۔ مؤدّب اور باوردی بیروں نے ہماری خواہش کے مطابق مشروبات پیش کیے۔ اس خوشگوار ماحول میں ہم نے اسٹیشن اور بیرک کے ناخوشگوار واقعات کو بھلا دیا اور ایک سرور کے عالم میں باہم گِٹ پِٹ گِٹ پِٹ کرنے لگے۔

اِتنے میں دو خوش لباس انگریز اندر داخل ہوئے۔ یہ بھی فوجی وردیاں پہنے ہوئے تھے لیکن اِن کے بازوؤں پر تین دھجّیاں نہ تھیں بلکہ کندھوں پر پیتل کے تین تین چمکتے ستارے تھے۔ یہ افسر تھے۔ اِن کی وضع قطع، بات چیت اور طور طریقوں میں شائستگی اور وقار تھا۔ اُنھیں دیکھا تو فخر سا محسوس ہوا کہ اُصولاً ہم اور یہ افسر ایک ہی لڑی کے موتی ہیں۔ آج نہیں تو کل ہمارے کندھوں پر بھی وہی جگ مگ کرتے ستارے اُبھرنے والے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد ساتھ کے کمرے میں کھانے کے لیے گئے۔ انگریزی کھانے اور دیسی کھانے کے انداز میں تقریباً وہی فرق ہے جو انگریزی اور اُردو بولنے میں ہے۔ جس طرح ایک نوآموز کی زبان سے انگریزی الفاظ یا محاورے پھسل پھسل جاتے ہیں، اُسی طرح ہمارا انگریزی 'مٹر گوشت' بھی ہمارے اناڑی چھری کانٹوں کی زد میں نہ آتا تھا۔ ادھر ہاتھوں سے کھانا خلافِ شان تھا لیکن برضا و رغبت فاقہ کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ لہٰذا جس طرح بولتے بولتے انگریزی جواب دے جائے تو اُردو پر ہاتھ یا زبان صاف کر لی جاتی ہے، اسی طرح جہاں انگریزی چھری کانٹے سے کام نہ چلتا، ہم آنکھ بچا کر اُنگلیوں ہی سے بوٹی اُچک لیتے۔ گویا انگریزی کھانا اُردو میں کھا لیتے۔ بعض حضرات البتہ ایسے بھی تھے جو لفٹینی کے احترام میں اوزاروں کی وساطت کے بغیر کوئی چیز حلق سے اُتارتے ہی نہ تھے۔ ان میں سے کئی ایک کو دیکھا کہ چھری کانٹا لیے پلیٹ میں مٹروں کا تعاقب کر رہے ہیں اور مٹر ہیں کہ اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے، اِدھر نکلے! قصہ مختصر اس کے کہ ان مٹروں کو کوئی گزند پہنچتا، بیرے پلیٹیں اُٹھا کر چل دیے اور لفٹین صاحبان اپنا سا منہ اور چھری کانٹا لے کر رہ گئے۔ بعض اوقات یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ بیرا جو کچھ سامنے رکھ گیا ہے، اس کے ساتھ سلوک کیا کرنا ہے۔ چنانچہ کانی آنکھ سے اُن انگریزوں کو دیکھتے اور پیچھے اُن اماموں کے چمچے اور کانٹے اُٹھا کر رکوع وسجود میں جاتے۔

کھانا ختم ہوا تو اینٹری میں آئے اور کافی کا دَور چلا لیکن تھوڑی دیر بعد دونوں انگریز کپتان اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ خوشگوار مجلس برخاست ہوگئی۔ وہاں سے اُٹھ کر بیرک میں واپس آئے تو وہی گورا سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا، ''کل صبح سات سو بجے پی.ٹی. کے میدان میں حاضر ہونا ہے۔ لباس، بنیان، نیکر اور ربر کے جوتے۔''

اور اتنا کہہ کر اکڑتا ہوا چل دیا۔ گویا یہ گورا باز نہیں آ رہا تھا۔ وہی حرکتیں کرتا تھا جو لفٹینی کے منافی تھیں۔

کسی نے پوچھا، ''ارے یار، یہ سات سو بجے کس بلا کا نام ہے؟''

ایک صاحب بولے، ''بے معنی بات ہے۔ گورا انگریزی غلط بولتا ہے۔''

ایک فوجی کیڈٹ نے آہستہ سے کہہ دیا، ''اس کے معنی ہیں صبح سات بجے۔''

دن بھر کے تھکے تھے۔ صبح تیار ہوتے ہوتے ہم میں سے کئی ایک پی.ٹی. کے لیے سات بجے سے ایک دو منٹ بعد پہنچے۔ کالج میں ہم گھنٹوں دیر سے پہنچا کرتے تھے اور اگر پروفیسر صاحب کے ماتھے پر ایک آدھ ہلکی سی شکن آ جاتی تو لمحے بھر میں بغیر استری کے ہموار بھی ہو جاتی تھی لیکن اس گورے نے جو ہمیں ذرا دیر سے آتے دیکھا تو کچھ اس انداز سے چلّایا، گویا بھونچال آ گیا۔ رہیں اس کی پیشانی کی شکنیں تو ان کی اصلاح کے لیے استری کی بجائے روڈ رولر درکار تھا۔

ہم خاموشی سے قطاروں میں کھڑے ہو گئے اور پی.ٹی. شروع ہوئی۔ پہلے تو ہمیں میدان کے اردگرد دوڑایا گیا یعنی ڈبل کرایا گیا۔ (ڈبل کے یہ معنی ہمیں پہلی دفعہ معلوم ہوئے) بعد ازاں چند ایسے زاویوں پر جھکنے کا حکم ملا جو فطرت کی منشا کے سراسر خلاف تھے۔

کوئی آدھ پون گھنٹے کی پی.ٹی. کے بعد ہم تسخیرِ فطرت میں تو کسی قدر کامیاب ہوگئے لیکن ہماری اپنی ترکیبِ عناصر میں خاصا خلل آ گیا۔

آخر پی.ٹی. ختم ہوئی اور حکم ہوا کہ ناشتے کے بعد پھر یہیں حاضر ہونا ہے اور وقت نو سو تیس بجے کا ملا۔ فوجی کیڈٹ سے معنی پوچھے تو معلوم ہوا کہ صبح کے ساڑھے نو بجے مراد ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کھلا کہ یہ گورا، کمپنی سارجنٹ میجر ہے جس کی نافرمانی ایک کیڈٹ کی عاقبت کے لیے سخت مضر ثابت ہوسکتی ہے۔

ناشتے کے بعد جب میدان میں پہنچے تو سارجنٹ میجر کو غیر حاضر پایا۔ گھڑی دیکھی تو معلوم ہوا کہ وہ غیر حاضر نہیں، ہم ہی وقت سے پہلے پہنچ گئے ہیں۔ گویا فوجی ضبط کی پہلی خوراک ہی اس قدر زود اثر نکلی۔ صحیح وقت پر سارجنٹ میجر نمودار ہوا تو اپنی فتح پر ذرا مسکرایا، لیکن فوراً منجمد ہوگیا اور ہمیں حکم دیا کہ کوارٹر ماسٹر اسٹور میں جاکر اپنے اپنے سائز کے بُوٹ لے آؤ۔

بوٹ دیکھے تو محسوس ہوا کہ پہننے کو وہ چیز دی جارہی ہے جو گینڈوں کے پاؤں کے لیے زیادہ موزوں ہے اور جب پہن کر دو چار قدم چلنے کی کوشش کی تو یوں لگا جیسے ٹانگا پربت گھسیٹ رہے ہیں۔ فوجی کیڈٹ نے آہستہ سے کہہ دیا کہ ان بوٹوں کے ساتھ تو ڈبل بھی کرنا پڑے گا۔ یہ سنا تو تمام سلسلۂ قراقرم سَر پر آ پڑا۔

ڈرِل کے آغاز سے پہلے کپتان صاحب نے Turn Out یعنی یونیفارم وغیرہ کا معائنہ کیا اور معائنہ کیا کیا، گویا ہمیں خردبین کے نیچے رکھ دیا۔ ہم نے ڈرِل میں شرکت سے پہلے فوجی کیڈٹ کو بوٹ، پٹی، نمبر، بٹن، پیٹی، فلیش وغیرہ دکھالی تھی لیکن کمپنی کمانڈر صاحب نے ہمیں دیکھتے ہی جیسے پہچان لیا اور فرمایا، ''کیڈٹ نمبر ۱۵، کالر پر ایک سفید ذرّہ Incorrectly Dressed ۔ سزا: تین ایکسٹرا ڈرل۔''

اِس کے بعد ڈرل شروع ہوئی اور خوب تیزی اور تُندی سے حکم ملنے لگے، ''سیدھے دیکھو۔ چھاتی باہر۔ تھوڑی اوپر بازو ہلاؤ۔ ہالٹ۔ ہلومت، مکھی مت اُڑاؤ۔ ہنسومت'' وغیرہ وغیرہ۔

ان سب میں 'ہلومت' کے حکم پر عمل کرنا عذابِ عظیم تھا۔ سیدھے بُت بنے کھڑے ہیں کہ کان پر کھجلی محسوس ہوتی ہے۔ اب ہاتھ کو جنبش دینا جرم ہے۔ کندھا کان تک نہیں پہنچ سکتا۔ کان کا خود ہلنا منشائے فطرت نہیں اور وہاں تک ہاتھ لے جانا منشائے سارجنٹ نہیں۔ عین اُس وقت ایک مکھی ناک پر نازل ہوتی ہے۔ مکھی کو فنا کرنے کی بے پناہ خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے لیکن سارجنٹ سے آنکھ بچانا کراماً کاتبین سے آنکھ بچانا ہے۔ مکھی پر دست درازی کا خیال آتا ہے تو سارجنٹ گویا ہاتھ ہلانے کے خیال ہی کو دیکھ لیتا ہے اور اپنی غیر تعلیم یافتہ طبقے کی انگریزی میں چلاّ اُٹھتا ہے، "Don't Kill No Fly" یعنی مکھی مت مارو۔ ہاتھ وہیں کا وہیں سوکھ جاتا ہے اور مکھی نہایت اطمینان سے ناک کے نشیب وفراز کا معائنہ کرتی ہے...... ایسے اشتعال انگیز حالات میں بے حرکت کھڑے رہنا صحیح معنوں میں نفس کُشی تھی۔ اس وقت زندگی کی واحد خواہش صرف اتنی ہوتی کہ کب ڈرِل ختم ہو اور جی بھر کر ناک اور کان کھُجائیں اور بالآخر جب ڈرِل ختم ہوتی اور ہم بلاخوفِ تعزیر کانوں کو چھو سکتے اور مکھیوں کو اُڑا سکتے تو ہمیں محسوس ہوتا کہ کان کھُجانا اور مکھی اُڑانا بھی کس قدر عظیم عیاشی ہے بلکہ اِسی خوشی میں وہ آبلے بھی بھول جاتے جو اِن آہنی بوٹوں کے اندر ہی بنتے اور پھوٹتے تھے۔

ڈرل کے بعد تمام پیریڈ پڑھائی یا پستول اور مشین گن وغیرہ کی سکھلائی کے تھے۔ اگرچہ لیکچروں کے کمروں تک جانا بھی چَپ راست یا ڈبل کے تابع تھا؛ تاہم کمروں کے اندر دست وپا کی حرکات پر پابندی نہ تھی مثلاً مکھی یا مچھر سے تحفظ ہمارے بس کی بات

تھی۔ اِن کی ناجائز پرواز پر ہم حسبِ ضرورت ہاتھ پاؤں ہلا سکتے تھے اور فقط اِتنی سی آزادی سے زندگی میں کیف باقی تھا۔

الغرض لفٹینی کا وہ حسین وجمیل قصر جسے ہم نے تصورات کے مؤقلم سے بنایا اور سجایا تھا، پہلے ہی روز منہدم ہو گیا اور یہ ابھی ابتدا تھی۔ جو کچھ آگے ہوا، اس کی رُوداد طویل بھی ہے اور جاں گُسل بھی۔ آخر ایک روز معلوم ہوا کہ ہم لفٹین ہو گئے ہیں!

چنانچہ ہم ذاتی تجربے کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ ؎

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

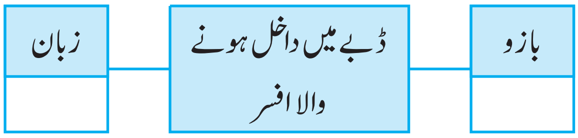
معانی واشارات

لیفٹن	– لیفٹیننٹ۔ کرنل، کمانڈر یا جنرل سے فوراً بعد کا افسر (Lieutenant)	مؤقلم	– مصوّر کا برش
		ایٹری	– ریستوراں، Eatery
کیڈٹ	– زیرِ تربیت فوج یا پولس کا نوجوان (Cadet)	جاں گُسل	– جان کو جلانے والا
رنگروٹ	– فوج کا نوآموز سپاہی (recruit)	چپ راست	– اُلٹا سیدھا، بائیں دائیں، لیفٹ رائٹ

مشقی سرگرمیاں

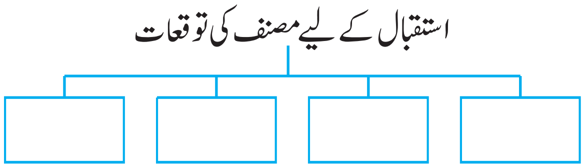
* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

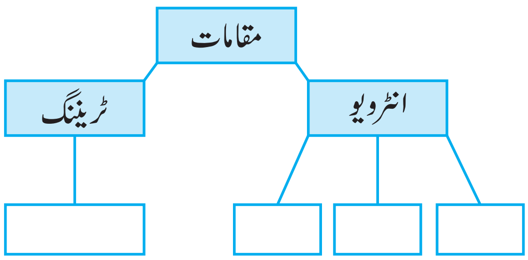




۲۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کر کے رواں خاکہ مکمل کیجیے۔



۳۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔



* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ لفٹین بننے کے شوق میں مصنف کو جن مراحل سے گزرنا پڑا، ان کے بارے میں مفصل لکھیے۔

۲۔ مہو اسٹیشن پہنچنے پر خلافِ توقع پیش آنے والے واقعے کے بارے میں تفصیل سے لکھیے۔

۳۔ مصنف کے منزلِ مقصود پر پہنچنے کا منظر تحریر کیجیے۔

۴۔ Mess میں مصنف کو جو تجربہ حاصل ہوا اُسے لکھیے۔

۵۔ انگریزی کھانا کھانے کے لیے مصنف اور دیگر نوواردوں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اُسے تحریر کیجیے۔

۶۔ پی.ٹی. میدان اور کالج میں تاخیر سے پہنچنے کے فرق کو تحریر کیجیے۔

۷۔ پی.ٹی. کی مشقوں کے بارے میں مصنف کے خیالات قلم بند کیجیے۔

۸۔ ناشتے کے بعد کا احوال لکھیے۔

۹۔ ڈرل سے قبل کپتان صاحب اور مصنف کا عمل تحریر کیجیے۔

۱۰۔ بوٹ دیکھنے اور پہننے کے بعد مصنف کے محسوسات بیان کیجیے۔

۱۱۔ ڈرِل کے دوران ملنے والے احکامات تحریر کیجیے۔

۱۲۔ 'ہلومت' حکم کے بعد کیڈٹ کی حالت بیان کیجیے۔

* اسباب بیان کیجیے۔

۱۔ مصنف کا انٹرویو کو شریفانہ کہنا۔

۲۔ کیڈٹ کی زندگی میں کیف کا باقی نہ رہنا۔

۳۔ خوش فہمیوں پر اوس پڑنا۔

* درج ذیل جملوں کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ تاہم باقی دنیا بہ فضلِ خدا خیریت سے تھی۔

۲۔ استقبال کے لیے آدمی تو تھے لیکن ان میں ایسی وافر آدمیت نہ تھی۔

۳۔ اس وقت ہم کورٹ مارشل کو مارشل لا کا قریبی رشتے دار سمجھتے تھے۔

۴۔ پی.ٹی. کے بعد ہم تسخیر فطرت میں تو کسی قدر کامیاب ہوگئے لیکن ہماری اپنی ترکیب عناصر میں خاصہ خلل آگیا۔

۵۔ ایسے اشتعال انگیز حالات میں بے حرکت کھڑے رہنا صحیح معنوں میں نفس کشی تھی۔

۶۔ چنانچہ کانی آنکھ سے اُن انگریزوں کو دیکھتے اور پیچھے اُن اماموں کے چمچے اور کانٹے اٹھا کر رکوع وسجود میں جاتے۔

* ذیل میں دیے ہوئے موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

۱۔ سبق کی روشنی میں فوجی نظم وضبط۔

۲۔ سلسلۂ قراقرم کا سر پر آپڑنا۔

۳۔ مصنف کا لفٹیننٹ بننے کا شوق۔

* ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ محاوروں کو تلاش کر کے اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

۲۔ سبق میں استعمال کیے گئے انگریزی الفاظ تلاش کر کے معنی کے ساتھ لکھیے۔

۳۔ سبق میں درج فوجی اصطلاحیں جمع کر کے لکھیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ بری، بحری اور ہوائی فوجوں کے عہدوں کے تعلق سے معلومات حاصل کر کے اپنی بیاض میں لکھیے۔

۲۔ اپنے استاد کی مدد سے این.سی.سی، این.ایس.ایس اور ہوم گارڈ کے تعلق سے معلومات جمع کیجیے۔



٦ رستم وسہراب

آغا حشؔر کاشمیری

پیش درس

یہ ڈراما، فارسی کے مشہور شاعر فردوسؔی کے رزمیے 'شاہنامہ' سے اخذ کیا گیا ہے۔ 'شاہنامہ'، اسلام سے قبل کی ایرانی تہذیب اور ایران کے سیاسی عروج وزوال کی منظوم داستان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فردوسؔی نے اسے محمود غزنوی کی فرمائش پر لکھا تھا۔ اس رزمیے میں شاعر نے ایران کی تاریخ اور اساطیر کو خلط ملط کر دیا۔ رستم وسہراب اس رزمیے کے دو اہم کردار ہیں۔ رستم ایران کا مشہور پہلوان کیانی بادشاہ کیکاؤس (کیخسرو) کی فوج کا جرنیل تھا۔ کیکاؤس جب دیو سپید کے ہاتھوں مازندران میں گرفتار ہوا اور قید میں ڈال دیا گیا تو رستم ہفت خواں طے کر کے اپنے بادشاہ کو چھڑا لایا۔ رستم کے شجاعانہ کارناموں کی وجہ سے کیانی سلطنت کی توسیع ہوئی تھی۔ رستم کا بیٹا سہراب باپ کی طرح طاقتور اور فنِ حرب کا ماہر تھا۔ اس نے افراسیاب کی طرف سے ایران پر فوج کشی کی تو اس وقت رستم کیانی فوج کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھا۔ اتفاق سے دونوں باپ بیٹے مقابل آگئے اور بے خبری میں سہراب رستم کے ہاتھوں مارا گیا۔ باپ کے ہاتھوں بیٹے کے قتل کا واقعہ دنیا کا بہت بڑا المیہ ہے۔ دنیا کی کئی زبانوں میں اس منظوم داستان کے تراجم ہوئے ہیں۔ آغا حشؔر کاشمیری نے اس رزمیے کو اُردو میں ڈھالا۔

اُردو میں لکھے گئے آغا حشؔر کاشمیری کے اس ڈرامے کو برسوں اسٹیج پر کھیلا جاتا رہا ہے۔ آغا حشؔر نے نثری متن کے ساتھ جگہ جگہ اشعار بھی استعمال کیے ہیں جن کی وجہ سے ڈرامے کی اثر آفرینی میں اضافہ ہوا ہے۔ زیرِ نظر اقتباس میں مکالموں اور خود کلامی کے ذریعے رستم وسہراب کے جذبات واحساسات کو خوب صورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

جان پہچان

آغا حشؔر کاشمیری کا نام آغا محمد شاہ تھا۔ وہ ۳/اپریل ۱۸۷۹ء کو بنارس میں پیدا ہوئے۔ نوجوانی میں وہ ممبئی چلے گئے۔ وہاں کاؤس جی کی ڈراما کمپنی میں انھوں نے ڈراما نویس کی حیثیت سے نوکری کرلی۔ اس سے قبل وہ اپنا پہلا ڈراما 'آفتابِ محبت' لکھ چکے تھے جو ۱۸۹۷ء میں بنارس سے شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد حشؔر نے بنارس میں 'دی گریٹ شیکسپیرین تھیٹر کمپنی' کے نام سے اپنی کمپنی شروع کی اور اس کے لیے 'سیتا بن باس، رستم وسہراب، دھرمی بالک، بھارتیہ بالک' اور 'دل کی پیاس' جیسے ڈرامے لکھے۔ ان میں 'رستم و سہراب' نے خوب شہرت حاصل کی۔

کاؤس جی کی کمپنی میں آغا حشؔر نے 'مارِ آستیں، مریدِ شک، اسیرِ حرص' اور 'شہیدِ ناز' جیسے ڈرامے لکھے۔ پھر ان کا تعلق اُردشیر بھائی کی کمپنی سے ہو گیا جس کے لیے 'سفید خون' اور 'صیدِ ہوس' لکھے گئے۔ کئی تھیٹر کمپنیوں سے منسلک رہنے کے علاوہ انھوں نے اپنی کمپنیاں بھی بنائیں۔ ان کے لیے آغا حشؔر نے بہت سے ڈرامے لکھے۔ یہ تمام ڈرامے بڑے اہتمام سے اسٹیج کیے گئے۔ ان کی وجہ سے آغا حشؔر کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ عوام میں وہ انڈین شیکسپیئر کے نام سے مشہور ہو گئے۔ آغا حشؔر نے انگریزی کے بعض ڈراموں کے تراجم بھی کیے تھے۔ یہ ترجمے اتنے آزاد تھے کہ ان میں اصل انگریزی ڈراموں کا خیال ہی بدل گیا تھا۔

آغا حشؔر کے عہد کی یہ خصوصیت بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس زمانے کے ڈراموں نے تفریح مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ عوام کو بیدار کرنے میں بھی زبردست رول ادا کیا۔ اس معاملے میں آغا حشؔر سب سے آگے رہے۔ ان کا ڈراما 'یہودی کی لڑکی' حکومت کے جبر کے خلاف احتجاج کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ آغا حشؔر کا انتقال ۱۹۳۵ء میں ہوا۔

کردار

رستم : ایران کے بادشاہ کیکاؤس کی فوج کا ایک بڑا طاقتور بہادر سپہ سالار
سہراب : توران کی فوج کا بہادر سپاہی، رستم کا بیٹا
ہجیر : سہراب کا قیدی
ہومان اور بارمان : سہراب کے ساتھی سپاہی
طوس اور گودَرز : رستم کے ساتھی سپاہی

(پردہ اٹھتا ہے)

(چھاؤنی کا منظر : رات کا وقت۔ دور ایرانی اور تورانی لشکروں کے خیمے دکھائی دے رہے ہیں۔
ہومان، بارمان اور ہجیر کے ساتھ سہراب کا داخلہ)

سہراب : کیا واقعی رستم اس لشکر میں نہیں ہے؟

ہجیر : میں نے ایرانی لشکر کا ایک ایک کونا، ایک ایک خیمہ، ایک ایک سردار کا چہرہ آپ کو دکھا دیا اور ان سرداروں کے نام، رتبے اور عہدے سے بھی واقف کرادیا۔ تعجب ہے کہ پھر بھی آپ میری سچائی پر شک کر رہے ہیں۔

سہراب : بے شک میں نے بھیس بدل کر رات کی تاریکی میں تمھارے ساتھ ایرانی فوج کا پوری طرح جائزہ لیا لیکن میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ وہ ضرور یہیں کہیں موجود ہے۔ ہجیر! کیا یہ ممکن نہیں کہ رستم کو پہچاننے میں تمھاری آنکھوں نے غلطی کی ہو؟

ہجیر : میں رستم کو ایک بار نہیں، سینکڑوں بار دیکھ چکا ہوں۔ - - میری نظر ابھی اتنی کمزور نہیں ہے کہ دیکھی ہوئی صورت کو بھی نہ پہچان سکوں۔

سہراب : تو پھر تسلیم کرلوں کہ وہ زابل سے ایران کی مدد کے لیے نہیں آیا؟

ہومان : مجھے جاسوس سے اطلاع ملی ہے کہ رستم اس جنگ میں کیکاؤس کی مدد کے لیے آیا تھا لیکن کیکاؤس نے سرِ دربار اس کی بے عزّتی کی اور وہ بے انتہا ناراضی اور غصے کے ساتھ اپنے ملک واپس چلا گیا۔

سہراب : (اپنے آپ سے) ایک طرف اِن کی آواز اور ایک طرف دل کی آواز۔ کس آواز کو سچائی کی آواز سمجھوں؟

ہجیر : (اپنے آپ سے) اگر سہراب نے رستم کی جان کو نقصان پہنچایا تو میرے ایران کی حفاظت کون کرے گا؟ - - - نہیں۔ سچائی کو اندھیرے سے روشنی میں نہ آنے دوں گا۔

سہراب : دیکھ ہجیر! جس طرح رات کے وقت شکار کی تاک میں بیٹھے ہوئے بھیڑیے کی آنکھیں اندھیرے میں چمکتی ہیں، اسی طرح مجھے تیری نگاہوں میں بھی ایک عجیب خوفناک چمک دکھائی دیتی ہے۔ ''رستم نہیں ہے'' یہ کہتے وقت ہوا سے ہلتے ہوئے تنکے کی طرح تیرے ہونٹ کانپ اٹھتے ہیں اور پیلے پتے کی طرح تیرا چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔ (گریبان پکڑکر) خبردار! مجھے دھوکا نہ دینا۔ ورنہ قسم ہے تلوار کی کہ تیرے خون کو موری میں بہتے ہوئے پانی سے بھی زیادہ حقیر سمجھوں گا۔

آگے بڑھ - - - اب دنیا میں تیرے لیے دو ہی چیزیں رہ گئی ہیں؛ سچا ثابت ہوگیا تو رہائی- - - اور جھوٹا ثابت ہوا تو موت۔

(ہجیر کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لے جاتا ہے)

بارمان : شاباش ہے ہجیر کو۔ اُس کے ایک جھوٹ نے باپ بیٹے کے بیچ میں سینکڑوں پردے حائل کر دیے۔

ہومان : لیکن مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کیکاؤس کے دربار سے خفا ہوکر چلے جانے کے بعد رستم دوبارہ کیکاؤس کی اعانت کے لیے کس طرح رضامند ہوگیا؟

بارمان : کیکاؤس نہایت غصہ ور اور جلد باز ہے۔ جوش کم ہونے کے بعد اسے اپنی غلطی معلوم ہوئی۔ آخر اس کے اظہارِ ندامت اور طوس و گودرز کے سمجھانے سے رستم اپنا ارادہ بدل دینے کے لیے مجبور ہوگیا۔

ہومان : اپنے بادشاہ افراسیاب کی آرزو پوری کرنے کے لیے کوشش کرو کہ اس جنگ کے آخر تک باپ بیٹے ایک دوسرے کو نہ پہچان سکیں۔ توران کی سلامتی کے لیے رستم اور سہراب دونوں کو- - - اور دونوں نہیں تو ایک کو مرنا ہی چاہیے۔ ورنہ یہ مل کر ساری دنیا کو ایران اور کیکاؤس کا غلام بنا دیں گے۔

(دونوں چلے جاتے ہیں)

(پردہ گرتا ہے)

(پردہ اُٹھتا ہے)

(میدانِ جنگ کا منظر: لڑائی کے باجوں اور ''مارو مارو'' کا شور سنائی دیتا ہے۔ ایران کے کچھ سپاہی ''پناہ پناہ'' کہتے ہوئے بھاگتے نظر آتے ہیں۔ گودرز اور طوس کے ساتھ رستم داخل ہوتا ہے)

رستم : شاباش سہراب، شاباش! آفریں ہے تیری بہادری کو۔ (طوس اور گودرز سے) میدانِ جنگ میرا وطن اور تلواروں کی چھاؤں میری آرام گاہ ہے۔ میری ساری زندگی خنجروں کی چمک اور خون کی بارش میں بسر ہوئی ہے لیکن میں نے آج تک معرکۂ کارزار میں اتنی بے جگری اور اتنی بے پروائی کے ساتھ کسی انسان کو موت سے کھیلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس کی حیرت ناک دلیری اور طریق جنگ کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ایک دوسرا رستم پیدا ہوگیا ہے۔

گودرز : لیکن جس طرح آگ پر پارہ اڑ جاتا ہے، اسی طرح مقابلے کے وقت آپ کا نام سنتے ہی اس کی طاقت بھی اس کے بازوؤں سے علیٰحدہ ہو جائے گی۔

رستم : میں نے صرف ایران کی محبت وفرض سے مجبور ہوکر انصاف، دیانت اور اپنے اصول وشان کے خلاف ایک سولہ برس کے ناتجربہ کار لڑکے کے مقابلے میں میان سے تلوار کھینچی ہے لیکن میں اس کے سامنے اپنا رتبہ اور نام ظاہر نہیں کروں گا کیونکہ ایک کم سن بچے سے لڑنا رستم کی آبرو نہیں، رستم کے نام کی بے عزتی ہے۔

(اندر پھر شور ہوتا ہے)

طوس : وہ دیکھیے، وہ دیکھیے! پھر ہمارا لشکر سیلاب کی طرح آگے بڑھنے کے بدلے کنارے سے ٹکرا کر واپس لوٹتی ہوئی لہر کی

طرح سمٹ کر پیچھے ہٹ رہا ہے۔

رستم : زندگی سے اتنی محبت! موت کا اتنا خوف! کیا یہ میدانِ جنگ میں تلوار وشجاعت کو ذلیل کرنے آئے تھے! - - - جاؤ--- ان سے کہو کہ مایوس نہ ہوں۔ رستم زندہ ہے اور ایران کا اقبال بھی زندہ رہے گا۔ (گودرز اور طوس جاتے ہیں۔ اندر دوبارہ شور ہوتا ہے) اِن بزدلوں کی روح میں غیرت کی روشنی بجھ گئی ہے اس لیے انھیں فرض کا راستہ دکھائی نہیں دیتا--- یہ کون ہے؟ سہراب؟ ہاں وہی ہے۔ کتنا بہادر! کتنا خوبصورت! دیکھنے سے آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ میرا فرزند ہوتا تو آسمان کی طرح آج زمین پر بھی دو آفتاب و ماہتاب دکھائی دیتے - - - آہ! وہ موت کی تلاش میں اسی طرف آ رہا ہے۔ واپس جا سہراب۔ اگر تیرے ماں باپ زندہ ہیں تو ان کے بڑھاپے اور ارمانوں پر رحم کر اور واپس جا۔ نادان! تو ایران میں رستم سے نہیں، اپنی قسمت سے جنگ کرنے آیا ہے۔

(سہراب کا داخلہ)

سہراب : (دشمن کے سپاہیوں کو بھاگتے دیکھ کر) چہرہ آگ اور دل برف - - - خوف کی آندھی میں ریت کے ذرّوں کی طرح اُڑتے پھر رہے ہیں۔ شاید اِن بزدلوں کے عقیدے میں بھاگنے ہی کا نام بہادری ہے۔ کیکاؤس! تیری قسمت کے روشن دن کی شام آ گئی۔ کل میرے قدم تیرے تخت پر اور تیرا تاج میرے قدموں میں ہوگا۔

(آگے بڑھتا ہے۔ رستم روکتا ہے)

رستم : ٹھہر!...اس جنگ میں خود فتح تیرے خنجر کی دھار اور نصیب تیرے بازوؤں کا زور بن جائے تو بھی تو کیکاؤس تک زندہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اس کا تاج، تیری اُمید سے اور اُس کا تخت تیری ہمت سے بہت زیادہ بلند ہے۔

سہراب : یہ چہرہ، یہ جلال! اے ایرانی بزرگ، تو کون ہے؟

رستم : ایران کا نمک خوار۔ شہنشاہ کیکاؤس کا جاں نثار۔

سہراب : (اپنے آپ سے) میری ماں نے اپنے لفظوں سے میرے دل پر جو رستم کی تصویر کھینچ دی ہے، اس ذہنی تصویر سے یہ پُرعظمت چہرہ کس قدر مشابہ ہے!

رستم : میں دنیا کی کوئی عجیب چیز نہیں ہوں۔ تو میرے چہرے کی طرف غور سے کیا دیکھ رہا ہے؟

سہراب : (اپنے آپ سے)

وہی شوکت عیاں ہے، اس کے تیور اور قرینے سے
اُڑے جاتے ہیں نقشِ دشمنی دل کے نگینے سے
نہ جانے کون کہتا ہے کہ بڑھ، قدموں پہ سر رکھ دے
یہی ہے باپ تیرا، جا، لپٹ جا اس کے سینے سے

رستم : وہی خاموشی - - - وہی حیرت - - - کیا تو کوئی خواب دیکھ رہا ہے؟

آنکھیں کیوں پتھرا گئیں، بڑھتے قدم کیوں جم گئے
کیا ہوا جو یک بہ یک آندھی کے جھونکے تھم گئے
ناز مت کر ، ہاتھ بے قیمت لہو میں رنگ کر
عورتوں سے لڑ چکا ، آ ، مرد سے اب جنگ کر

سہراب : جنگ دشمن سے ہوتی ہے۔عزیزوں اور بزرگوں کے ساتھ نہیں ہوتی۔ یہ جنگ خوں ریزی سے شروع ہوکر اشک باری پر ختم نہ ہواس لیے حملے سے پیشتر، اے محترم انسان! میں تیرے نام اور رتبے سے واقف ہونا چاہتا ہوں۔

جس کو دیکھا تھا کبھی آئینۂ تقدیر میں
دیکھتا ہوں میں وہی جلوہ تری تصویر میں

رستم : تو عجب طرح کی گفتگو کر رہا ہے۔کیا موت کے خوف سے دیوانہ ہو گیا ہے؟

پوچھنا نام و نشاں ، اس جنگ کے انجام سے
لڑنے آیا ہے یہاں مجھ سے کہ میرے نام سے

سہراب : میں نام اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ یہ چہرہ دیکھ کر میرے دل میں دشمنی کی جگہ تیری عزّت پیدا ہو گئی ہے۔

جس کی تلوار سے توران کے لب پر دَم ہے
کیوں چھپاتا ہے ، یقیناً تو وہی رستم ہے

رستم : رستم شیروں سے، اژدہوں سے، بہادری کے طوفان سے لڑتا ہے۔ اپنی عمر، رتبے اور شہرت کی توہین کرنے کے لیے جنگ کے میدان کو ماں کی گود سمجھنے والے ناسمجھ لڑکوں کا مقابلہ نہیں کرتا۔

کانپ اٹھتا دیکھتے ہی موت کی تصویر کو
جنگ میں رستم نہ آیا ، دے دعا تقدیر کو

سہراب : بہادر بوڑھے! میرا دل نہیں چاہتا کہ تجھ پر حملہ کروں۔ - - میں منت کرتا ہوں کہ مجھے غفلت کے اندھیرے میں نہ رکھ --- اگر واقعی تو رستم ہے تو میں تلوار پھینک کر، ہاتھ جوڑ کر، دو زانو بیٹھ کر تیرے قدموں کو بوسہ دوں گا اور عزّت وادب کے ساتھ سر جھکا کر تیری بزرگی کو سلام کروں گا۔

رستم : دنیا پر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ سہراب نے رستم جیسے یکتائے زمانہ دلیر سے جنگ کی تھی، تو' دھوکا دے کر مجھ سے رستم ہونے کا اقرار کرانا چاہتا ہے۔

کیوں نہیں کہتا کہ مجھ میں جنگ کا اب دم نہیں
ہوش میں آ، کان کھول اور سن کہ میں رستم نہیں

سہراب : اگر تو رستم نہیں ہے تو آنکھیں بند ہونے سے پہلے، دنیا کو آخری مرتبہ حسرت کی نظروں سے دیکھ لے۔

(دونوں پہلے گرز سے، پھر تلواروں سے اور تلواریں ٹوٹ جانے کے بعد ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈال کر آپس میں جنگ کرتے

ہیں۔ آخر میں سہراب رستم کو زمین پر گرا دیتا ہے اور چھاتی پر چڑھ کر قتل کے ارادے سے خنجر نکالتا ہے۔ رستم سہراب کی کلائی پکڑ لیتا ہے)

رستم : ٹھہر! - - - ایران کے بہادروں کا دستور ہے کہ دشمن کو دو مرتبہ شکست دینے کے بعد قتل کرتے ہیں۔ اگر تجھے اپنے بازوؤں کی طاقت پر بھروسا اور تیرے دل میں بہادروں کے دستور کی عزت ہے تو مجھے کل نصیب آزمائی کا ایک اور موقع دے۔ کل کا فیصلہ قسمت کا آخری فیصلہ ہوگا۔

سہراب : کیا اتنی مختصر مدت میں فتح وشکست کا اصول، ہرن اور شیر کی فطرت کا قانون بدل جائے گا؟ اگر تجھے یقین ہے کہ رات بھر کی خوشامد سے صبح کو قسمت تیری مدد کے لیے آمادہ ہو جائے گی تو اچھا۔ حفاظتِ زندگی کی اس آخری کوشش کے لیے تجھے کل تک کی مہلت دیتا ہوں۔ (سینے سے اٹھ کر) مرد کا زیور بہادری اور بہادری کا زیور رحم ہے۔

(خنجر پھینک دیتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

(پردہ اُٹھتا ہے)

(میدانِ جنگ کا منظر : رستم اداس چہرے اور غمگین دل کے ساتھ مایوس نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے)

رستم : پروردگار! میں نے کبھی تیرے قہر وغضب کو حقیر نہیں سمجھا۔ کبھی تیری طاقت کے سامنے اپنی فانی طاقت کا غرور نہیں کیا۔ پھر اس ذلت کی شکل میں تو نے مجھے میرے کس گناہ کی سزا دی؟ - - - اے دردمندوں کی دوا، اے کمزوروں کی قوت، اے ناامیدوں کی امید۔ میں نے کل ساری رات تیرے حضور میں سجدہ ہائے نیاز کے ساتھ آنسو بہا کر مدد کے لیے التجا کی ہے۔ اپنے عاجز بندے کی التجا قبول کر۔ اس بڑھاپے میں دنیا کے سامنے میری شرم رکھ اور ایک بار میری جوانی کا زور وجوش مجھے دوبارہ واپس دے دے۔

عطا کردے وہی طاقت جو اک دن تھی مرے بس میں
جوانی کا لہو پھر جوش مارے میری نس نس میں
تری قدرت پلٹ سکتی ہے سارے کارخانے کو
پھر اک دن کے لیے تو بھیج دے پچھلے زمانے کو

(سہراب کا داخلہ)

سہراب : صبح ہوگئی۔ ممکن ہے کہ آج کی صبح اس کی زندگی کی شام ثابت ہو - - -
نہ جانے کیا سبب ہے کہ اس کی موت کا خیال آتے ہی میری روح کانپ اُٹھتی ہے۔ (رستم کو دیکھ کر) تو آ گیا، کیا جنگ کے نقارے کی پہلی ہی چوٹ سے تیری نیند ٹوٹ گئی؟

رستم : بہادر اپنا وعدہ نہیں بھولتا۔ میں آدھی رات سے صبح ہونے کا انتظار کر رہا ہوں۔

سہراب : آج لڑائی کا دوسرا دن ہے۔ جانتا ہے، اس جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا؟

رستم : ہم دونوں میں سے ایک کی موت۔

سہراب : شیر دل بوڑھے! میرا دل تیری موت دیکھنے کے لیے راضی نہیں ہوتا۔ ایک غیبی آواز بار بار مجھے اس جنگ سے روک رہی ہے۔ اگر ایران کی گود بہادر فرزندوں سے خالی نہیں ہے تو جا، واپس جا اور اپنے عوض میں کسی اور ایرانی دلیر کو بھیج۔ میں تجھے زندگی اور سلامتی کے ساتھ لوٹ جانے کی اجازت دیتا ہوں۔

رستم : کل کی اتفاقی فتح پر غرور نہ کر، ہر نیا دن انسان کے لیے نیا انقلاب لے کر آتا ہے۔ تقدیر کا پہیا ہمیشہ ایک ہی سمت میں نہیں گھومتا۔

گھڑی بھر میں بدلنا ہوگا تجھ کو پیرہن اپنا
منگا کر پاس رکھ لے جنگ سے پہلے کفن اپنا

(جنگ شروع ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سہراب ہاتھ روک لیتا ہے)

سہراب : ٹھہر! آج میں تجھ میں نیا جوش اور نئی قوت دیکھ رہا ہوں۔ جواں ہمت بوڑھے! مجھے پھر شک ہوتا ہے کہ تو رستم ہے۔ میں تیری عزت کا واسطہ اور تیری بہادری کی دہائی دے کر ایک بار پھر تیرا نام پوچھتا ہوں، زور سے نہیں، منّت سے۔ غرور سے نہیں، عاجزی سے۔

رستم : تو میرا نام ہی جاننا چاہتا ہے۔ تو سن۔ میرا نام ہے ---

سہراب : (خوشی کی گھبراہٹ سے) رستم!

رستم : نہیں، سہراب کی موت۔

سہراب : افسوس! تو نے میرے رحم کی قدر نہ کی۔

(دونوں لڑنے لگتے ہیں۔ رستم سہراب کو گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھتا ہے)

رستم : کیا ہوا زورِ جوانی ، اُٹھ ، اجل ہے گھات میں
دیکھ لے اب کس قدر قوت ہے بوڑھے ہات میں

(سہراب کے سینے میں خنجر بھونک دیتا ہے)

سہراب : آہ! اے آنکھو، تمھارے نصیب میں باپ کا دیدار نہ تھا --- کہاں ہو، پیارے باپ کہاں ہو؟ آؤ، آؤ کہ مرنے سے پہلے تمھارا سہراب تمھیں ایک بار دیکھ لے۔

رستم : کیا اپنی جوانی کی موت پر ماتم کرنے کے لیے اپنے باپ کو یاد کر رہا ہے؟ اب تیرے باپ کی محبت، اس کی دعا، اس کے آنسو، اس کی فریاد، کوئی تجھے دنیا میں زندہ نہیں رکھ سکتی۔

مرہم کہاں جو رکھ دے دلِ پاش پاش پر
آیا بھی وہ تو روئے گا بیٹے کی لاش پر

سہراب : بھاگ جا، بھاگ جا! اس دنیا سے کسی دوسری دنیا میں بھاگ جا۔ تو نے سام ونریمان کے خاندان کا چراغ بجھا دیا ہے...... تاریک جنگلوں میں، پہاڑوں کے غاروں میں، سمندر کی تہ میں، تو کہیں بھی جا کر چھپے لیکن میرے باپ رستم

کے انتقام سے نہ بچ سکے گا۔

رستم : (چونک کر کھڑا ہو جاتا ہے) کیا کہا؟ تو رستم کا بیٹا ہے؟

سہراب : ہاں۔

رستم : تیری ماں کا نام؟

سہراب : تہمینہ۔

رستم : تیرے اس دعوے کا ثبوت؟

سہراب : اس بازو پر بندھی ہوئی میرے باپ رستم کی نشانی۔

رستم : جھوٹ، غلط، تو دھوکا دے رہا ہے۔ مجھے پاگل بنا کر اپنے قتل کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ (گھبراہٹ کے ساتھ سہراب کے بازو کا کپڑا اپھاڑ کر اپنا دیا ہوا مہرہ دیکھتا ہے) وہی مہرہ، وہی نشانی (سر پیٹ کر) کیا کِیا! کیا کِیا! اندھے، پاگل، جلاد، یہ کیا کیا!...... شیر جیسا خوں خوار، بھیڑیے جیسا ظالم، ریچھ جیسا موذی حیوان بھی اپنی اولاد کی جان نہیں لیتا لیکن تو انسان ہو کر حیوان سے زیادہ خونی اور جہنم سے زیادہ بے رحم بن گیا۔

توڑ ڈالا اپنے ہی ہاتھوں سے ، او ظالم اُسے
تیرا نقشہ ، تیرا ہی چہرہ جس آئینے میں تھا

سہراب : فتح مند بوڑھے، تو رستم نہیں ہے۔ پھر میری موت پر خوش ہونے کے بدلے اس طرح کیوں رنج کر رہا ہے؟

رستم : (روکر) اس دنیا میں رنج اور آنسو، رونے اور چھاتی پیٹنے کے سوا اب اور کیا باقی رہ گیا؟ میں نے تیری زندگی تباہ کر کے اپنی زندگی کا ہر عیش اور اپنی دنیا کی ہر خوشی تباہ کر دی۔ مجھ سے نفرت کر، مجھ پر ہزاروں زبانوں سے لعنت بھیج۔

فغاں ہوں، حسرت و ماتم ہوں، سر سے پاؤں تک غم ہوں
میں ہی بیٹے کا قاتل ہوں، میں ہی بدبخت رستم ہوں

(سہراب کے پاس ہی زمین پر گرتا ہے۔ سہراب اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر چھاتی سے لپٹ جاتا ہے)

سہراب : پدر! پیارے پدر!

رستم : ہائے میرے لعل! تو نے الفت سے، نرمی سے، منت سے، کتنی مرتبہ میرا نام پوچھا...... اس محبت و عاجزی کے ساتھ پوچھنے پر لوہے کے ٹکڑے میں بھی زبان پیدا ہو جاتی، پتھر بھی جواب دینے کے لیے مجبور ہو جاتا لیکن اس دو روزہ دنیا کی جھوٹی شہرت اور اس فانی زندگی کے آنی غرور نے میرے ہونٹوں کو ہلنے کی اجازت نہ دی۔ میرے بچے! میری تہمینہ کی نشانی!

کس جگہ بے رحم اجل سے، میں نہاں رکھوں تجھے
آنکھ میں، دل میں، کلیجے میں، کہاں رکھوں تجھے

بس نہیں انسان کا چلتا ، فنا و فوت سے
کیا کروں، کس طرح تجھ کو چھین لوں میں موت سے

سہراب : ہومان، بارمان، ہجیر سب نے مجھے دھوکا دیا۔اے پدر! اب نہ روؤ۔میری موت کو خدا کی مرضی سمجھ کر صبر کرو۔

مل گئی مجھ کو جو قسمت میں سزا لکھی تھی
باپ کے ہاتھ سے بیٹے کی قضا لکھی تھی

رستم : جب تیری ناشاد ماں، بال نوچتی، آنسو بہاتی، چھاتی پیٹتی، ماتم اور فریاد کی تصویر بنی ہوئی سامنے آ کر کھڑی ہوگی اور پوچھے گی کہ میرا لاڈلا سہراب، میرا بہادر بچہ، میرا شیر کہاں ہے؟ تو اپنا ذلیل منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لینے کے سوا اسے کیا جواب دوں گا؟ کن لفظوں سے اس کے ٹوٹے ہوئے دل اور زخمی کلیجے کو تسلی دوں گا؟

نگاہیں کس طرح اٹھیں گی مجھ قسمت کے ہیٹے کی
دکھاؤں گا میں کن ہاتھوں سے ماں کو لاش بیٹے کی

سہراب : پیارے پدر! میری بدنصیب ماں سے کہنا کہ انسان سب سے لڑ سکتا ہے، قسمت سے نہیں لڑ سکتا۔۔۔ آہ!

(رستم کی گود سے زمین پر گر کر آنکھیں بند کر لیتا ہے)

رستم : یہ کیا! ۔۔۔ یہ کیا! ۔۔۔ میرے بچے، آنکھیں کیوں بند کرلیں؟ کیا خفا ہوگئے؟ کیا ظالم باپ کی صورت دیکھنا نہیں چاہتے ۔۔۔ یہ موت کا گہوارہ، یہ خون میں ڈوبی ہوئی زمین، پھولوں کا بستر، ماں کی گود، باپ کی چھاتی نہیں ہے۔ پھر تمھیں کس طرح نیند آ گئی؟

میرے بچے یوں نہ جا، مجھ کو تڑپتا چھوڑ کر
میرے دل، میرے جگر، میری کمر کو توڑ کر
ہائے کیا کیا آرزو تھی، زندگانی میں تجھے
موت آئی پھولتی پھلتی جوانی میں تجھے

سہراب : ماں ۔۔۔ خدا ۔۔۔ تمھیں ۔۔۔ تسلی دے۔

رستم : اور ۔۔۔ اور ۔۔۔ بیٹا بولو، بولو ۔۔۔ چپ کیوں ہوگئے؟ آہ، آہ! اس کا خون سرد ہو رہا ہے۔ اس کی سانسیں ختم ہو رہی ہیں ۔۔۔ اے خدا! اے کریم و رحیم خدا! اولاد باپ کی زندگی کا سرمایہ اور ماں کی دولت ہے۔ یہ دولت محتاجوں سے نہ چھین۔ اپنی دنیا کا قانون بدل ڈال۔ اس کی موت مجھے اور میری باقی زندگی اسے بخش دے۔ موت! موت! تو زال و رودابہ کے گھر کا اُجالا، میرے بڑھاپے کی امید، میری تہمینہ کا بولتا کھیلتا ہوا کھلونا کہاں لیے جا رہی ہے؟ ۔۔۔ دیکھ، میری طرف دیکھ۔ میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کو تاج و تخت کی بھیک دی ہے، آج ایک فقیر کی طرح تجھ سے اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگتا ہوں۔

پھینک دے جھولی میں تو میرے گلِ شاداب کو
ہاتھ پھیلائے ہوں مَیں، دے دے مرے سہراب کو

سہراب : (آنکھیں بند کیے ہوئے) دنیا --- رخصت --- خدا ---!

(مر جاتا ہے)

رستم : آہ! جوانی کا چراغ آخری ہچکی لے کر بجھ گیا --- بے رحم موت نے میری امید کی روشنی لوٹ لی --- اب لاکھوں چاند، ہزاروں سورج مل کر بھی میرے غم کا اندھیرا دور نہیں کر سکتے۔ آسمان ماتم کر، زمین چھاتی پیٹ۔ درختو! پہاڑو! ستارو! ٹکرا کر چور چور ہو جاؤ --- آج ہی زندگی کی قیامت ہے۔ آج ہی دنیا کا آخری دن ہے۔ زندگی! دنیا! کہاں ہے زندگی؟ --- کہاں ہے دنیا؟ --- زندگی سہراب کے خون میں اور دنیا رستم کے آنسوؤں میں ڈوب گئی۔
(دیوانوں کی طرح پکارتا ہے) سہراب! سہراب! سہراب!

(غش کھا کر گر پڑتا ہے۔ فرشتے آسمان سے سہراب کی لاش پر پھول برساتے ہیں)

(پردہ گرتا ہے)

معانی و اشارات

پردے حائل ہونا – کسی چیز کا آڑ میں چھپ جانا
معرکۂ کارزار – جنگ کا میدان
پارہ اُڑنا – پارے کا آگ میں جل کر ختم ہو جانا مراد کسی کے مقابلے میں بے حیثیت ہونا
نقش اُڑنا – نشان/اثر/نقش کی ہوئی چیزوں کا ہلکا ہونا، معدوم ہونا
یکتائے زمانہ – بے مثل، لاجواب

سجدہ ہائے نیاز – عجز و انکسار کا اظہار
روح کانپنا – بہت ڈر جانا
قسمت کا ہیٹا – بدقسمت
خون سرد ہونا – مراد موت واقع ہونا
سام و نریمان – رستم کے اجداد
جوانی کا چراغ بجھنا – مراد زندگی ختم ہونا
زال و روداب – رستم کے باپ اور ماں

مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

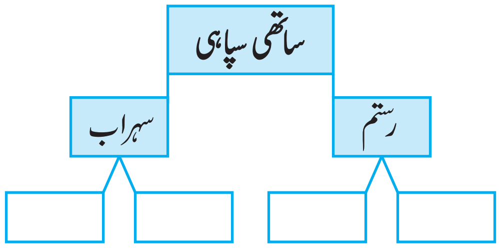
۱۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

خدا کو پکارنے کے الفاظ

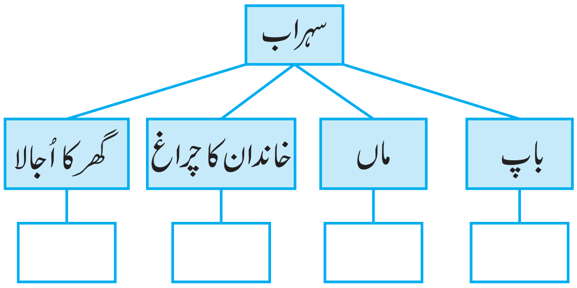
۲۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کر کے رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

رستم کے لیے سہراب کا تخاطب

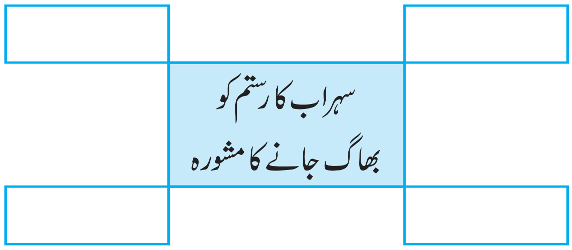
۳۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کرکے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔



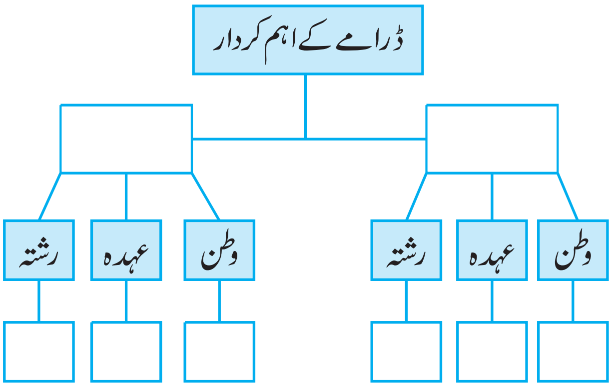
۴۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کرکے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔



۵۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کرکے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔



۶۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کرکے شجری خاکہ مکمل کیجیے۔



٭ ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ رستم کے لشکر میں نہ ہونے کی خبر سن کر سہراب کا ردِ عمل تحریر کیجیے۔

۲۔ سہراب کو دیکھ کر رستم کے اولین تاثرات قلم بند کیجیے۔

۳۔ کیکاؤس کی عادت بیان کیجیے۔

۴۔ افراسیاب کی آرزو پوری کرنے کے لیے ہومان کا مشورہ لکھیے۔

۵۔ توران کی سلامتی کے لیے لازمی امر تحریر کیجیے۔

۶۔ رستم نے اپنے ساتھیوں سے گفتگو کے دوران جس طرح سہراب کی پذیرائی کی، اُسے لکھیے۔

۷۔ سپاہیوں کو بھاگتے دیکھ کر سہراب نے کیکاؤس کا نام لے کر جن الفاظ میں للکارا، انھیں لکھیے۔

۸۔ ایران کے بہادروں کا دستور تحریر کیجیے۔

۹۔ سہراب کی آخری خواہش بیان کیجیے۔

۱۰۔ رستم کی خدا سے کی گئی فریاد لکھیے۔

۱۱۔ سہراب کی موت کا منظر تحریر کیجیے۔

۱۲۔ رستم کے اظہارِ تاسف کو بیان کیجیے۔

٭ اسباب بیان کیجیے۔

۱۔ کیکاؤس کی مدد کے لیے رستم کا رضامند ہونا۔

۲۔ رستم کے متعلق سہراب سے ہجیر کی غلط بیانی۔

۳۔ لڑنے سے قبل رستم کے بارے میں جاننے کی سہراب کی خواہش۔

۴۔ رستم کا اپنی پہچان چھپانا۔

۵۔ رستم کا اپنی جوانی کا زور دوبارہ واپس مانگنا۔

٭ درج ذیل جملوں کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ متن کی روشنی میں درج ذیل شعر کی تشریح کیجیے۔

وہی شوکت عیاں ہے، اس کے تیور اور قرینے سے
اُڑے جاتے ہیں نقشِ دشمنی دل کے نگینے سے

۲۔ مرد کا زیور بہادری اور بہادری کا زیور رحم ہے۔

۳۔ کل کی اتفاقی فتح پر غرور نہ کر۔ ہر نیا دن انسان کے لیے نیا انقلاب لے کر آتا ہے۔

٭ ذیل میں دیے ہوئے موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

۱۔ ڈرامے کا عروج۔

۲۔ سہراب کا رستم کو نصیب آزمائی کا موقع دینا۔

۳۔ بہادری کا زیور رحم ہے۔

۴۔ سہراب کی موت پر رستم کے نوحے کا بیان۔

✻ ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ ڈرامے سے استعارات وتشبیہات تلاش کرکے لکھیے۔

۲۔ ڈرامے سے محاورات تلاش کرکے لکھیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ انٹرنیٹ یا اپنے اسکول لائبریری سے کتاب حاصل کرکے آغا حشؔر کاشمیری کی ڈراما کمپنی 'دی گریٹ شیکسپیرین تھیٹر کمپنی' کے تعلق سے معلومات حاصل کیجیے۔

۲۔ اپنے استاد کی مدد سے مختلف ڈراما کمپنیوں کے بارے میں معلومات جمع کرکے اپنی بیاض میں لکھیے۔

اضافی معلومات

توران : ایران کی طرح توران وسط ایشیا کی ایک بڑی مملکت تھی۔ تورانی لوگ ایرانی النسل تھے اور اس قبیلے کا تعلق اوستائی عہد سے تھا۔ فردوسؔی کے مشہور شاہنامے میں توران کا ذکر آیا ہے۔ علامہ اقبالؔ کے اِس شعر میں بھی توران کا ذکر ملتا ہے ۔

بتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

غرض یہ کہ توران اور ایران دونوں ہمیشہ ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے۔ توران موجودہ دور کے ازبکستان، قزاقستان اور افغانستان و پاکستان کے شمالی حصوں پر مشتمل تھا۔ یہ پورا خطہ آج کل وسطی ایشیا میں شامل ہے۔ توران ذیل کے علاقوں پر مشتمل ہے : خوارزم، بخارا، بلخ، شہرسبز، حصار، دُرواز، کوہ کند، قراتغن، قندوز، کافرستان، چترال، گلگت، اسکاردو، قزاقستان۔

اضافی معلومات

شہنشاہ کیکاؤس : شاہ نامۂ فردوسؔی میں ایران کی جو قدیم تاریخ بیان کی گئی ہے، اسے تاریخ سے زیادہ افسانے کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے مطابق کیقباد کیانی خاندان کا پہلا بادشاہ تھا۔ سیستانی پہلوان رستم بن زال کی مدد سے وہ تخت نشیں ہوا اور پندرہ سال حکمرانی کے بعد فوت ہوگیا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ ان میں سے کیکاؤس کو تخت پر بٹھایا گیا۔ اس کا دور بھی دراصل رستم ہی کی کامرانیوں اور فتح مندیوں کا دور تھا۔ کیکاؤس مازندران میں سفید دیو سے لڑنے نکلا اور وہاں گرفتار ہوا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سفید دیو سے مراد برف ہے۔ وہ کسی مہم پر اُدھر گیا ہو جہاں شدید برف پڑی اور وہ جہاں تھا، وہیں رُک جانے پر مجبور ہوگیا۔ بہرحال رستم کیکاؤس کو بچانے کے لیے نکلا۔ اس نے سات مہموں میں کامیابی حاصل کی اور بادشاہ کو بچالایا۔



۷ دیوارِ چین کے سایے میں

محمد تقی عثمانی

پیش درس

ادب میں سفرنامہ ایسا بیان ہے جس کے مطالعے سے ذہن کے دریچے کھلتے ہیں یعنی سفرنامے کے مطالعے سے دنیا کے تاریخی، تہذیبی، جغرافیائی وغیرہ حالات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ مصنف جس جگہ کا مسافر ہے، وہاں کے عام اور خاص لوگوں کی زندگی کے بارے میں معلومات ملتی ہے جو طالب علم یا پڑھنے والے کے شعور و بصیرت میں وسعت اور گہرائی پیدا کرتی ہے۔ سفرنامہ ادب کی ایک مقبول صنف ہے۔ اس میں مصنف اپنے سفر کے احوال اور تجربات تخلیقی انداز میں بیان کرتا ہے۔ اگلے وقتوں میں سفر سے لوٹنے کے بعد مسافر اپنے مشاہدات اور تجربات لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔ اب سفرنامے نے ادب میں ایک باضابطہ صنف کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔

سفر نئے ملکوں اور شہروں کی تہذیب و تمدن اور جغرافیائی حالات سے واقفیت کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ سفر کے ذریعے مسافر مختلف لوگوں، علاقوں اور تہذیبوں سے واقف ہوتے ہیں۔ معاشرت کا فرق مسافر کو جہاں تقابل اور تجزیے پر آمادہ کرتا ہے، وہیں اس کی فکر کے نتائج نئے خیالات کو جنم دیتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں سفر کی آسانی اور ادب میں اظہار کی سہولتوں سے اس صنف کو مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

لفظ 'دیوار' ہمارے ادب میں رکاوٹ، پوشیدگی، اسرار وغیرہ کی علامت کا کام کرتا ہے۔ دنیا کے بہت سے مقامات پر ایسی دیواریں موجود ہیں جن کا قصے، کہانی، سفرنامے، رپورتاژ وغیرہ میں کئی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے جیسے 'دیوارِ آہن / آہنی پردہ' کو کمیونسٹ روس کے زمانے میں اس ملک کے متعلق کسی بھی علم و آگہی کو چھپائے رکھنے کی علامت سمجھا جاتا رہا ہے۔ دیوارِ چین دراصل چین کے بادشاہوں نے اپنے ملک کو دشمنوں سے بچانے کے لیے تعمیر کی تھی مگر آگے چل کر یہ دیوار بھی دنیا کے اور لوگوں کے لیے ایک پُراسرار دیوار بن گئی۔ محمد تقی عثمانی کا دیوارِ چین کے سایے میں سفر کرنا چین کے حالات، مقامات، عوام و خواص اور ان کے افکار کی تصویریں سامنے لاتا ہے۔

جان پہچان

مولانا محمد تقی عثمانی کی پیدائش ۲۷؍اکتوبر ۱۹۴۳ء کو اُتر پردیش کے ضلع سہارنپور کے مشہور قصبے دیوبند میں ہوئی۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم مرکزی جامع مسجد کے مدرسۂ اشرفیہ سے حاصل کی اور اپنے والد کی نگرانی میں درسِ نظامی کی تعلیم مکمل کی۔ ۱۹۶۱ء میں اسی ادارے سے تخصّص کیا۔ بعدازاں عربی میں ایم.اے. اور وکالت کا امتحان نمایاں نمبروں سے پاس کیا۔

محمد تقی عثمانی کو 'شیخ الاسلام' کا خطاب دیا گیا ہے۔ انھوں نے دو درجن سے زائد کتابیں لکھیں۔ رسالہ 'البلاغ' جو اُردو، عربی اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے، اس میں انھوں نے علمی مضامین لکھے۔ ان کے اداریوں کے کئی مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ مولانا شاعری کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے والد کا مرثیہ لکھا ہے جو بہت مشہور ہوا۔ 'آسان ترجمۂ قرآن'، 'اندلس میں چند روز'، 'دنیا میرے آگے' اور 'ہمارا معاشی نظام' ان کی اہم تصانیف ہیں۔ اسلامی معاشیات پر ان کی گہری نظر ہے۔

اپریل ۲۰۱۹ء میں روس نے انھیں ایک اعلیٰ علمی اعزاز سے نوازا۔ محمد تقی عثمانی کو ان کی علمی خدمات کے لیے دنیا کے مختلف اعزازات اور انعامات سے نوازا گیا ہے۔

چین رقبے کے لحاظ سے سوویت یونین اور کینیڈا کے بعد دنیا کا تیسرا بڑا ملک ہے جس کا مجموعی رقبہ چھیانوے لاکھ مربع کلومیٹر ہے اور آبادی کے لحاظ سے تو دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس کی آبادی ایک ارب سے زائد ہے۔ یہ پورا علاقہ بڑی متنوّع اور رنگارنگ جغرافیائی خصوصیات کا حامل ہے۔ اس میں سر بہ فلک پہاڑوں کے طویل سلسلے بھی ہیں، لق و دق صحرا بھی، اور نظر افروز سبزہ زار بھی، چنانچہ بیجنگ تک سفر میں تھوڑے تھوڑے وقفوں سے یہ علاقے نظر آتے رہے۔ قراقرم کا سلسلۂ کوہ ختم ہوتے ہی ایسا بے آب وگیاہ ریگستان شروع ہو گیا جس میں حدِ نظر تک زندگی کے آثار دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اس کے بعد پھر برف پوش پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ آ گیا اور نشیب و فراز کا یہ سلسلہ بیجنگ پہنچنے تک جاری رہا۔ غالبًا اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ چین کو اگر مغرب سے اس طرح دیکھا جا سکے کہ مشرق کے ساحلی علاقوں تک پورا خطہ سامنے ہو تو ایک زینہ سا اُترتا نظر آئے گا۔

تقریباً چھ گھنٹے کی پرواز کے بعد جہاز بیجنگ کے ہوائی اڈّے پر اُترا تو یہاں شام کے چار بجے تھے۔ لاؤنج عبور کرنے کے بعد چائنا اسلامک ایسوسی ایشن کے عہدے داران اور چین کے محکمۂ مذاہب کے نائب صدر استقبال کے لیے موجود تھے۔ چین میں ہماری میزبانی چونکہ چائنا اسلامک ایسوسی ایشن کر رہی تھی اس لیے وی آئی پی لاؤنج میں ان حضرات کے ساتھ کچھ دیر رسمی گفتگو رہی اور نمازِ عصر وہیں ادا کرنے کے بعد ہم ہوائی اڈے سے روانہ ہوئے۔ ہمارے قیام کا انتظام ایک ہوٹل میں کیا گیا تھا جو یہاں 'اقلّیتی قومیتوں کے محل' کے نام سے مشہور ہے اور اس کی دس منزلہ شاندار عمارت بیجنگ کے مین روڈ 'چانگ این اسٹریٹ' پر واقع ہے۔

یہاں ہر طرف اونچی اونچی عمارتیں نظر آتی تھیں لیکن ان پر روشنیوں کی وہ چمک دمک جس سے آج کل ہر ترقی یافتہ بلکہ ترقی پذیر شہر بھی جگمگاتا نظر آتا ہے، یہاں اس کا دور دور تک پتا نہ تھا۔ سارے شہر میں کہیں ایک نیون سائن بورڈ بھی موجود نہیں تھا۔ آرائشی روشنیاں ڈھونڈنے سے بھی نظر نہیں آئیں۔ سڑکوں اور عمارتوں پر صرف بہ قدرِ ضرورت بلب روشن تھے جو اپنے ملک کی جگمگ کرتی ہوئی روشنیوں کے مقابلے میں کالعدم سے محسوس ہوئے اور اس چکاچوند کی عادی نگاہوں کو بڑے اجنبی نظر آئے لیکن عقل کا فیصلہ یہی تھا کہ جو ملک برقی طاقت کی کمی کا شکار ہو، اُسے اپنی تھوڑی بہت بھی برقی طاقت کو نمائش و آرائش میں صرف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ چین نے اگر عقل کے اس فیصلے کو جذبات پر مقدم رکھا ہے تو یہ بات قابلِ ستائش ہے اور نظرِ ثانی کا محتاج ہے تو ہمارا طرزِ عمل کہ ہم سال بھر لوڈ شیڈنگ اور وقتاً فوقتاً بجلی کی خرابی کو گوارا کر لیتے ہیں لیکن نمائشی و آرائشی روشنیوں میں روزانہ اضافہ کرتے چلے جا رہے ہیں۔

صبح ناشتے کے بعد ہمارے دورے کا آغاز ہماری میزبان تنظیم کے مرکزی دفتر کے معائنے سے ہوا۔ یہ تنظیم ملک گیر سطح پر چینی مسلمانوں کی ایک کثیر المقاصد تنظیم ہے جو سرکاری سرپرستی میں کام کرتی ہے۔ یہ ۱۹۵۳ء میں قائم کی گئی تھی اور اس کے اخراجات چینی حکومت کی مالی امداد کے علاوہ مسلمانوں کے باہمی چندے اور دنیائے اسلام کے مختلف اداروں کے عطیات سے پورے ہوتے ہیں۔

اجتماعی سطح پر چینی مسلمانوں کی یہ واحد ملک گیر تنظیم ہے جو مسلمانوں کی دینی رہنمائی کرتی ہے۔ چین میں مسلمانوں کی بڑی تعداد آباد ہے۔ ۱۹۴۲ء میں چیانگ کائی شیک کے زمانے میں جو مردم شماری ہوئی تھی، اُس کی رُو سے یہاں کے مسلمانوں کی تعداد پانچ کروڑ بتائی جاتی ہے۔ لیکن اشتراکی انقلاب کے بعد کی مردم شماریوں میں چونکہ مذہب کا کوئی الگ خانہ نہیں تھا اس لیے مسلمانوں کی تعداد الگ شمار کرنے کا کوئی قابل اعتماد راستہ نہیں ہے، لہٰذا اشتراکی انقلاب کے بعد مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ ایک کروڑ چھیالیس

لاکھ ہے۔ چین میں اسلام کی کرنیں پہلی صدی ہجری ہی میں طلوع ہوگئی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بعض مبلغین چین کے مشرقی ساحل تک پہنچ چکے تھے۔

ایسوسی ایشن کے صدر دفتر کے بعد ہم نیوجے مسجد پہنچے جو بیجنگ کی سب سے قدیم اور سب سے بڑی مسجد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد ایک ہزار سال پہلے تعمیر کی گئی تھی۔ بعد میں چین کے مِنگ خاندان کے زمانے میں اس کی توسیع اور از سر نو تعمیر ہوئی۔ مسجد کا موجودہ ڈھانچا اُسی وقت سے چلا آتا ہے اور یہ اُس دور کے مخصوص طرزِ تعمیر کا شاہکار ہے۔ مسجد کا اندرونی ہال تمام تر لکڑی کا بنا ہوا ہے۔ لکڑی پر نہایت شاندار اور دیرپا روغن ہے اور اس پر سونے کے پانی کا کام ہے۔ یہ چوبی عمارت اس قدر پائیدار ہے کہ تقریباً پانچ سو سال گزرنے کے بعد بھی اس کی آب وتاب میں فرق نہیں آیا بلکہ اس دوران پتھر کی بنی ہوئی بہت سی عمارتیں شدید زلزلوں میں تباہ ہوگئیں لیکن اس عمارت کو زلزلوں سے بھی نقصان نہیں پہنچا۔ چین کے ثقافتی انقلاب کے بعد اس مسجد کو بند کر دیا گیا تھا لیکن ۱۹۷۹ء میں اس کی مرمّت کی گئی اور اسے نمازیوں کے لیے کھول دیا گیا۔

اگلی صبح ہم پہلے بیجنگ کے مشہور اور دنیا کے سب سے بڑے چوک گئے جو پیپلز اسکوائر کے نام سے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ یہ بیجنگ کی مرکزی سڑک پر واقع بہ ذاتِ خود نہایت وسیع سڑک ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے، میں نے کسی شہر کے اندرونی حصے میں اتنی چوڑی سڑک نہیں دیکھی۔ مغرب کی جانب ایک اس سے بھی کئی گنا زائد پکا میدان ہے جس کے مغربی سرے پر وہ عمارت ہے جس میں ماؤزے تُنگ کا جسم رکھا گیا ہے۔ شمالی جانب گریٹ ہال ہے اور جنوب میں ایک میوزیم کی شاندار عمارت ہے۔ ان عمارتوں کے درمیان جو پکی جگہ خالی پڑی ہے، اس میں تین مصروف سڑکیں بھی ہیں۔ پیپلز اسکوائر میں بہ یک وقت دس لاکھ آدمیوں کی گنجائش ہے۔ چنانچہ اہم قومی اجتماعات اسی چوک میں ہوتے ہیں۔ یہاں ہر وقت سیکڑوں سیاحوں کا ہجوم رہتا ہے لیکن بدنظمی پیدا نہیں ہوتی۔ اس چوک کو پیدل عبور کرنے کے لیے تو بڑا وقت درکار ہے۔ ہم نے اسے کار ہی سے عبور کیا اور اس کے جنوبی سرے پر ماؤزے تنگ کی عمارت کے قریب اُترے۔ یہاں اندر جانے والوں کی ایک طویل قطار حدِ نظر تک بل کھاتی نظر آئی۔ ہم عمارت کے اندر داخل ہوئے۔ اس کے ایک ہال میں ماؤزے تنگ کی لاش کو مسالوں کے ذریعے محفوظ کر کے ایک شفّاف شوکیس میں رکھا گیا ہے۔ اس کے جسم کا بیشتر حصہ چادر سے ڈھکا ہوا ہے، البتہ سینہ، گلا اور چہرہ کھلا ہے اور شوکیس سے صاف نظر آتا ہے۔ لوگ اس عجوبے کو دیکھنے کے لیے یہاں آتے ہیں کہ ایک شخص کی لاش ۱۹۷۶ء سے اب تک ممی کی شکل میں صحیح سالم نظر آتی ہے۔ یہ ہے بھی ایک عجوبہ لیکن اس عجوبے کے لیے لاکھوں روپے کی رقم خرچ کرنے والوں کو یہ کون بتائے کہ ماؤزے تُنگ اِس گوشت پوست کا نام نہیں تھا بلکہ جس شخص کا نام ماؤزے تنگ تھا، قیمتی مسالے اس کے گوشت پوست کو تو محفوظ رکھ سکتے ہیں لیکن اس کی روح کی حفاظت کے لیے آج تک کوئی سائنس ایسا مسالا دریافت نہیں کرسکی جس کے پرواز کرنے کے بعد چلتا پھرتا انسان بے جان پتھر بن کر رہ جاتا ہے۔

شام تین بجے میزبانوں نے 'شہرِ ممنوعہ' کی سیر کا پروگرام رکھا تھا جو بیجنگ شہر کے تاریخی عجائب میں سے ہے۔ یہ دراصل عظیم الشان شاہی محلات پر مشتمل چین کے مِنگ خاندان کے بادشاہوں کا بنایا ہوا ایک وسیع وعریض قلعہ ہے۔ اس کے تمام چھوٹے بڑے کمروں کی مجموعی تعداد نو ہزار نو سو ننانوے ہے۔ اسے شہرِ ممنوعہ اس لیے کہتے ہیں کہ بادشاہوں کے زمانے میں یہاں عام آدمی کا داخلہ ممنوع تھا۔ قلعے کے گرد ایک زبردست فصیل ہے اور اس کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہونے کے بعد یکے بعد دیگرے

سولہ عالیشان محلات ہیں۔ ہر محل کے مرکزی حصے میں زمین سے تقریباً دو منزل کے برابر کرسی دے کر ایک پُر شکوہ اور خوبصورت ہال صنوبر کی لکڑی سے بنا ہوا ہے۔ اس کے سامنے سیڑھیوں اور فواروں کے بعد وسیع وعریض صحن ہے اور دائیں بائیں جانب کمروں کی ایک طویل قطار۔

۶ر نومبر کی صبح میزبانوں نے شہرہ آفاق دیوارِ چین کی سیر کا پروگرام رکھا تھا۔ اس تاریخی عجوبے کو دیکھنے کا اشتیاق ہمیں بھی تھا۔ چنانچہ صبح آٹھ بجے ہم اپنی رہائش گاہ سے تین کاروں میں روانہ ہوئے۔ ارکانِ وفد کے علاوہ چائنا اسلامک ایسوسی ایشن کے نائب سکریٹری جنرل شیخ سلیمان اور انجمن کے بعض دوسرے حضرات بھی ہم سفر تھے۔ بیجنگ یونیورسٹی میں اُردو کے استاد مسٹر خوبن جو ایک چینی ہیں لیکن اُردو بڑی روانی سے بولتے ہیں اور اُردو کے ٹھیٹ محاوروں اور ادبی اسالیب سے بھی حیرتناک حد تک آگاہ ہیں، اس پورے سفر میں ہماری ترجمانی اور رہنمائی کے لیے ہر وقت ساتھ رہے۔ انھوں نے سفر کے ہر مرحلے میں ہمیں آرام پہنچانے اور ہماری ضروریات پوری کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔

دیوارِ چین کا جو حصہ عموماً سیاحت کے لیے استعمال ہوتا ہے، وہ 'درّہ نانکو' کہلاتا ہے اور بیجنگ سے پچاس ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ بیجنگ کے مضافات سے باہر نکلنے کے بعد یہ راستہ زیادہ تر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے گزرتا ہے۔ دیوارِ چین کو چینی زبان میں 'چینگ چینا' کہا جاتا ہے۔ یہ دنیا کی قدیم ترین اور طویل ترین فصیل ہے۔ اس کی تعمیر کا آغاز عہدِ قبلِ مسیح میں ہوا تھا۔ اُس وقت چین میں مختلف بادشاہوں نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر رکھی تھیں۔ اُن کے درمیان جنگ و پیکار کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ چنانچہ ریاست کے سربراہوں نے اپنے اپنے علاقے کو دشمن کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے فصیلیں بنانی شروع کیں۔ یہ فصیل کسی ایک شہر کے گرد نہیں بلکہ پوری ریاست کے گرد یا اُس حصے میں ہوتی تھی جس طرف سے دشمن کے حملے کا زیادہ خطرہ ہوتا تھا۔ اس طرح چین کے مختلف حصوں میں کئی فصیلیں قائم ہو گئیں۔

۲۴۶ قبلِ مسیح میں چن شِہ ہوانگ تی نے ان تمام ریاستوں کا ایک اتحاد قائم کیا۔ اُس وقت چونکہ پورا ملک ایک ہو گیا تھا اس لیے ۲۲۸ قبلِ مسیح میں اُس نے اِن متفرق فصیلوں کو باہم ملا کر ایک طویل فصیل تعمیر کی جس کی تکمیل میں سالہا سال لگے۔ مکمل ہونے کے بعد یہ چھے ہزار دو سو اُنسٹھ کلومیٹر لمبی فصیل بن گئی۔

دیوارِ چین سے واپسی پر میزبان ہمیں بیجنگ کی ایک اور تاریخی جگہ لے گئے۔ یہ علاقہ 'مِنگ مقبرے' کہلاتا ہے جہاں مِنگ خاندان کے بارہ بادشاہوں کے وہ مقبرے ہیں جو بادشاہوں نے اپنے لیے اپنی زندگی ہی میں تعمیر کروا لیے تھے۔ اُس دور کے بادشاہوں کو یہ خبط تھا کہ مرنے کے بعد بھی وہ بادشاہ ہی رہیں اور ان کی مال و دولت اور حشم و خدم بھی ان کے ساتھ ہی مقبرے میں جائیں۔ اس خبط کے نتیجے میں بعض شاہی خاندانوں میں یہاں تک رواج رہا کہ ان کے ساتھ ان کے محبوب غلام اور کنیزیں بھی مقبرے میں دفن کر دی جاتی تھیں۔ بعد میں یہ انسانیت سوز طریقہ تو ختم ہوا لیکن بادشاہ کے ساتھ ڈھیروں سونا چاندی، جواہر، کپڑے، کھانے پینے کی اشیا اور بہت سی دوسری چیزیں مقبرے میں رکھ دی جاتی تھیں۔ ایک تابوت بادشاہ کا ہوتا تو دسیوں تابوت اِن اشیا کے ہوتے۔ اس کے علاوہ مقبرے میں اعلیٰ درجے کا فرنیچر اور برتن بھی رکھے جاتے تھے۔ گویا بادشاہ کی حکومت اب زیرِ زمین چلی گئی۔

ہم ۷ر نومبر کو نکلے تو آسمان پر اَبر تھا اور ہلکی ہلکی بارش اور تیز ہواؤں کے سبب درجۂ حرارت نقطۂ انجماد کے قریب پہنچا ہوا تھا۔

ایئر پورٹ پہنچے تو موسم کی خرابی کی بنا پر تمام پروازیں معطل تھیں اس لیے تقریباً دو گھنٹے ہمیں لاؤنج میں انتظار کرنا پڑا۔ پھر ساڑھے چار بجے ہم چائنا ایئر لائنز کے ٹرائڈنٹ طیارے میں سوار ہوئے اور تقریباً پونے دو گھنٹے کی پرواز کے بعد کانسو کے دارالحکومت لانچو پہنچے جو ایک مشہور صنعتی شہر ہے اور شہرہ آفاق دریائے زرد کے دونوں طرف آباد ہے۔ دریائے زرد چین کا ایک طویل ترین دریا ہے۔ اس دریا کی وادی چین کی تہذیب وثقافت کا گہوارہ رہی ہے اس لیے اسے 'گہوارۂ چین' بھی کہتے ہیں۔ اسے دریائے زرد اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں دنیا کے تمام دریاؤں کی نسبت زیادہ گادھوتی ہے۔ اس کی وجہ سے دریا اتنا اُتھلا ہوگیا ہے کہ کناروں پر اونچے اونچے پُشتے تعمیر کیے گئے ہیں اور یہ سطح زمین سے بلند دریا بن گیا ہے۔

دریائے زرد میں اکثر وبیشتر سیلاب آجاتا ہے جس کی بنا پر بڑی تباہی مچتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس دریا نے تاریخ میں چھبیس مرتبہ اپنا رُخ تبدیل کیا جس کے نتیجے میں چینی عوام کو بڑے مصائب اُٹھانے پڑے۔ بالآخر حکومت نے اس کی بالائی اور وسطی وادیوں میں ذخیرۂ آب کے بڑے بڑے منصوبے تعمیر کیے اور زیریں وادیوں میں پشتوں کو مستحکم کیا۔ نتیجے میں اس دریا سے ہونے والی تباہ کاریاں بہت کم ہوگئی ہیں۔

صوبۂ کانسو میں بارہ لاکھ سے زائد مسلمان آباد ہیں اور پورے صوبے میں تقریباً بارہ سو مسجدیں ہیں۔ یہاں کی مرکزی مسجد میں جو دریائے زرد کے کنارے واقع ہے، دینی تعلیم اور ائمہ کی تربیت کا ایک مدرسہ بھی ہے۔ اس مسجد کے امام اور مدرسے کے سربراہ شیخ یونس یان سِن ایک نورانی صورت بزرگ ہیں، تکلف کے ساتھ عربی بولتے ہیں اور وضع قطع سے لے کر انداز واداتک میں سلفِ صالحین کا نمونہ ہیں۔ صوبہ کانسو کے پورے سفر میں وہ ہمارے ساتھ رہے۔ اثنائے سفر اُن سے بہت سی معلومات حاصل ہوئی۔

صبح سویرے ہم کانسو کے ایک اور شہر لِن شا کے لیے روانہ ہوئے جس میں آبادی کی اکثریت مسلمان ہے اس لیے اسے 'چین کا مکۂ' کہا جاتا ہے۔ یہاں مساجد کی تعداد ایک ہزار سات سو پندرہ ہے اور مسلمانوں کی آبادی باون فیصد بتائی جاتی ہے لیکن احقر کا اندازہ یہ ہے کہ مذہب کی بنیاد پر مردم شماری نہ ہونے کی وجہ سے یہ اعداد وشمار پوری طرح صحیح نہیں ہوں گے اور غالبًا یہاں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب باون فیصد سے کافی زیادہ ہوگا اس لیے کہ راستے میں جتنے دیہات ہمارے سامنے آئے، ہر جگہ مسلمانوں کی تعداد بہت نمایاں محسوس ہوئی۔

اگلا دن چین میں ہمارے قیام کا آخری دن تھا۔ صبح کے وقت کوئی باقاعدہ مصروفیت نہیں تھی اس لیے ہم بازار چلے گئے۔ یہ بیجنگ ہوٹل کے قریب بڑا خوبصورت اور بارونق بازار تھا۔ کئی کئی منزلہ ڈپارٹمنٹل اسٹور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ہر اسٹور میں خریداروں کا اتنا ہجوم تھا کہ کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ ہر جگہ اشیا کی قیمتیں متعین تھیں اور مول بھاؤ کا کوئی سوال نہ تھا۔ زیادہ تر چینی مصنوعات تھیں لیکن کچھ اشیا جاپان، ہانگ کانگ وغیرہ کی بنی ہوئی بھی بِک رہی تھیں۔

دوپہر کو چائنا مسلم ایسوسی ایشن نے سنکیانگ کے ایک مسلم ریسٹورنٹ میں الوداعی ظہرانہ دیا تھا۔ میزبانوں کا کہنا تھا کہ آپ سنکیانگ نہ جا سکے تو کم از کم اہل سنکیانگ کے ریسٹورنٹ میں ان سے ملاقات کرلیں۔ ریسٹورنٹ کے لوگوں نے بڑی محبت سے کھانا کھلایا۔ ان کے کھانے ہمارے ملک کے کھانوں سے کافی مشابہ تھے۔ ایک ہفتے بعد کھانوں میں ملکی خوٗ بوٗ نظر آئی۔ یہاں سے قیام گاہ پہنچ کر فوراً ہی ہم واپسی کے لیے ایئر پورٹ روانہ ہوگئے۔

معانی و اشارات

متنوّع	- قسم قسم کا، طرح طرح کا	کرسی دینا	- عمارت کو چبوترے پر تعمیر کرنا
لق و دق	- ویرانہ، چٹیل میدان	کالعدم	- ناپید، جو موجود نہ ہو

مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کر کے شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔

دیوارِ چین کی خصوصیات

۲۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کر کے شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔

چین کے مقامات جہاں کی مصنف نے سیر کی

۳۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کر کے چوکون میں لکھیے۔

- چین کا سابق صدر جس کی لاش ممی کی شکل میں محفوظ ہے
- چین کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا اتحاد قائم کرنے والا
- چائنا اسلامک ایسوسی ایشن کے نائب سکریٹری
- بیجنگ یونیورسٹی میں اُردو کے استاد
- مرکزی مسجد کے امام و سربراہ

۴۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کر کے دائروں میں لکھیے۔

۱۔ پیپلز اسکوائر -

۲۔ کانسو کا دارالحکومت -

۳۔ چین کا مکہ -

* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ چین کی طبعی ساخت بیان کیجیے۔

۲۔ آرائشی روشنیوں سے متعلق ہمارے ملک اور چین کا طرزِ عمل تحریر کیجیے۔

۳۔ چین کے آرائشی روشنیوں کے استعمال نہ کرنے کے متعلق مصنف کا خیال قلم بند کیجیے۔

۴۔ سبق کی روشنی میں مسجد نیوجے کی معلومات لکھیے۔

۵۔ ماؤزے تنگ سے متعلق مصنف کے خیالات تحریر کیجیے۔

۶۔ مسٹر خوبن کی اُردو دانی کے بارے میں لکھیے۔

* اسباب بیان کیجیے۔

۱۔ فی الحال چین میں مسلمانوں کی تعداد کا صرف اندازہ ہی لگایا جا سکتا ہے۔

۲۔ دیوارِ چین کی تعمیر۔

۳۔ منگ مقبروں کی تعمیر۔

۴۔ شہرلن شا کو چین کا مکہ کہا جاتا۔

* درج ذیل جملوں کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ ماؤزے تنگ اس گوشت پوشت کا نام نہیں تھا بلکہ جس

شخص کا نام ماؤزے تنگ تھا، قیمتی مسالے اُس کے گوشت پوست کو تو محفوظ رکھ سکتے ہیں لیکن اُس کی روح کی حفاظت کے لیے آج تک کوئی سائنس ایسا مسالا دریافت نہیں کرسکی جس کے پرواز کرنے کے بعد چلتا پھرتا انسان بے جان پتھر بن کر رہ جاتا ہے۔

٭ ذیل میں دیے ہوئے موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

۱۔ منگ بادشاہوں کا خط۔

۲۔ ماؤزے تنگ کی لاش کا محفوظ کیا جانا۔

٭ ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ ذیل کے مثبت جملوں کو منفی اور منفی جملوں کو مثبت جملوں میں اس طرح تبدیل کیجیے کہ مفہوم نہ بدلنے پائے۔

- یہاں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۵۲ فیصد سے کافی زیادہ ہے۔
- یہاں عام آدمی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔
- اِس علاقے میں ہر طرف اونچی اونچی عمارتیں نظر آتی ہیں۔
- ہمیں آرام پہنچانے اور ہماری ضروریات پوری کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ اپنی پسند کے کسی مصنف کے ذریعے لکھے گئے سفر نامے کو حاصل کر کے پڑھیے اور اپنے پسندیدہ کسی ملک کی تہذیب وثقافت کے بارے میں معلومات لکھیے۔

۲۔ اپنے استاد کی مدد سے دس سفرناموں اور ان کے مصنّفین کے نام لکھیے۔





۸ بِگُل بردار

رشید امجد

پیش درس

ہر افسانے میں افسانے کے کرداروں پر حالات اور واقعات کے اثر سے ان کی حرکات وسکنات میں تبدیلیوں کا ذکر ملتا ہے۔ یہ تبدیلیاں دراصل کرداروں کی نفسی کیفیات کی تبدیلیاں ہوتی ہیں یعنی ہر افسانہ کسی نہ کسی سطح پر نفسیاتی افسانہ ہوتا ہے۔ کردار کے ذہنی وفکری، جذباتی وطبعی حالات پر اثر انداز ہو کر واقعات افسانے کے کردار کو ایک خاص مزاج پر لے جاتے ہیں۔ 'بگل' کے حوالے سے ذیل کا افسانہ ایک خاص ماحول کی عکاسی کرتا ہے۔ فوجیوں کا معاشرہ بھی معاشرے کے مختلف طبقات یعنی فوجی درجات میں منقسم ہے۔ ان میں معمولی سپاہی سے لے کر اعلیٰ افسران تک شامل ہوتے ہیں۔ بگل بردار ایک معمولی فوجی ملازم ہے جو اپنے کام یعنی بگل بجا کر فوجی معاشرے کے تمام افراد کو ایک خاص نظم میں جمع کر دیتا ہے۔ اس سے وہ خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ میرے بگل کے حکم پر فوجی سارے کام کاج چھوڑ کر یکجا ہو جاتے ہیں گویا میری ایک خاص اہمیت ہے۔ افسانے کا قصہ اسی خوش فہمی کے مختلف مدارج کی تصویر کشی کرتا ہے۔ اختتام پر بہر حال بگل بردار اپنی خوش فہمی (جو دراصل غلط فہمی ہے) کی شکست کے بعد بھی بگل بجا کر عہدیداروں کو حکم برداری پر مجبور کر دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس افسانے میں اعلیٰ افسران کی بیویوں کے لیے بگل بردار کی بیوی کے ساتھ ذمہ داروں کے ذِلت آمیز رویے پر بھی کڑی چوٹ کی گئی ہے۔ افسانے کا اختتام انسانی جذبات کے لیے اعلیٰ طبقے کی بے حسی اور عام انسان کے کرب کو نشان زد کرتا ہے۔

جان پہچان

رشید امجد اُردو کے مشہور افسانہ نگار اور ادیب ہیں۔ ان کا اصل نام اختر رشید ہے۔ وہ ۵/ مارچ ۱۹۴۰ء کو سری نگر میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے 'میرا جی: فن اور شخصیت' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ. ڈی. کی سند حاصل کی۔ وہ ایک طویل عرصے تک تدریس کے پیشے سے وابستہ رہے۔ ان کے افسانوں میں تشبیہات اور علامتوں کا کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ ان کے ہاں شعوری طور پر معنوی سطح کو تہ دار بنانے کی کوشش ملتی ہے۔ ان کے افسانوں میں فرد کے داخلی احساسات کو فنکارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ 'بیزار آدم کے بیٹے، ریت پر گرفت، سہ پہر کی خزاں، عکسِ بے خیال، پت جھڑ میں خود کلامی، بھاگ ہے بیاباں مجھ سے' وغیرہ ان کے افسانوی مجموعے ہیں۔ انھوں نے 'تمنا بے تاب' کے نام سے سوانح عمری بھی لکھی ہے۔ ان کی دیگر کتابوں میں 'رویے اور شناختیں' اور 'نیا ادب' مشہور ہیں۔

ایک چھوٹی سی چھاؤنی میں ایک بِگُل بردار رہتا تھا۔ اس کے بگل پر چھاؤنی جاگتی تھی۔ صبح سویرے گہری نیند سوتے فوجی بگل کی آواز پر چونک کر اٹھتے، جلدی جلدی کپڑے پہنتے اور نیم غنودتے، قطاروں میں آ کر کھڑے ہو جاتے۔ بگل کی لے اور اس کے اتار چڑھاؤ پر ڈرل شروع ہوتی۔ سپاہی سے افسر تک، سب اس کے بگل کی آواز پر دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں ہوتے اور جب تک بگل بجتا رہتا، اُن کی بھاگ دوڑ جاری رہتی۔ بگل بجاتے ہوئے بگل بردار کی آنکھوں میں تفاخر کی ایک شان ہوتی۔ اُسے اس بات کا احساس تھا کہ اس کے بگل کی آواز پر پوری پلاٹون اِدھر سے اُدھر ہو جاتی ہے اور وہ اکثر اپنی بیوی سے بھی اس کا ذکر کرتا۔

''بھلی مانس، میرا بگل نہ بجے تو پوری پلٹن سوئی رہ جائے۔''

بیوی بے نیازی سے شانے ہلاتی تو وہ کہتا، ''جھوٹ نہیں بولتا۔ سپاہی کی تو کیا حیثیت ہے، بڑا افسر تک میرے بگل کے تابع

ہے۔'' پھر خود ہی اس کا سر بلند ہو جاتا ...''میں کوئی معمولی چیز نہیں۔''

وہ اپنے بگل کو تھپتھپاتا،''پوری پلٹن کیا، ساری چھاؤنی اِس کی ماتحت ہے۔''

بیوی کی آنکھوں میں خاوند کے لیے ایک سرشاری کی سی کیفیت آ جاتی۔ واقعی وہ سچ ہی کہتا ہوگا۔ اور اسے بگل والے کی بیوی ہونے پر فخر کا احساس ہوتا۔

بگل والا کبھی کبھی اپنے دوستوں سے بھی کہتا......''یہ بگل نہیں، اس کی آواز میں ایک جادو ہے اور اس جادو کا جادوگر میں ہوں۔''

اُس کا سینہ پھول جاتا......''اِس کی آواز پر تو کمانڈنٹ بھی اپنے سارے کام کاج چھوڑ کر گراؤنڈ پر آ جاتا ہے۔''

چھاؤنی میں چھوٹی موٹی پارٹیاں ہوتی ہی رہتی تھیں جن میں میاں بیوی دونوں کو دعوت دی جاتی۔ افسروں کی پارٹیوں میں تو عام سپاہیوں کو شرکت کی اجازت نہ تھی لیکن سال میں دو ایک بار بڑے دربار منعقد ہوتے جن میں سب کو دعوت دی جاتی۔ بگل والے کی بیوی کبھی کسی پارٹی میں نہ گئی تھی۔ اسے احساس تھا کہ وہ ایک عام سپاہی کی بیوی ہے لیکن اب ایک عرصے سے بگل والے نے اپنی اہمیت کے ایسے ایسے قصے سنائے تھے کہ وہ اس بار بڑے دربار میں شریک ہونے پر تیار ہوگئی۔ بگل والے نے کہا،''بھلی مانس، کوئی اچھا جوڑا پہننا، تم کوئی معمولی عورت نہیں، بگل والے کی بیوی ہو جس کے بگل کی آواز پر کمانڈنٹ بھی اٹینشن ہو جاتا ہے۔''

اُن کی شادی کے ابتدائی دنوں کا ایک جوڑا ایسا تھا جسے دو ایک بار ہی پہنا گیا تھا۔ کہیں جانے کا موقع ہی کب ملتا تھا۔ بیوی نے جوڑا نکالا، اسے کئی رُخوں سے دیکھا، خوب جی لگا کر استری کیا، پہنا تو اس کی چھب ڈھب ہی بدل گئی۔ بگل والا خود دم بخود رہ گیا۔ اسے پہلی بار احساس ہوا کہ اس کی بیوی بہت خوب صورت اور بڑی پُر وقار ہے۔

'ایک افسر کی بیوی بھی ایسی نہیں۔' اس نے سوچا۔

''اس کے تو پاؤں کی خاک بھی نہیں۔'' اور اُسے ایک دم فخر کا احساس ہوا۔ 'مَیں بھی تو بگل والا ہوں۔ جس کی آواز پر پوری پلٹن اٹینشن ہو جاتی ہے۔'

بیوی غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی۔

''اچھا نہیں لگ رہا؟''

''اچھا......! بھلی مانس، اتنا اچھا کہ بڑے سے بڑے افسر کی بیگم بھی تمھارے سامنے ٹھہر نہیں سکتی۔''

بیوی کے چہرے پر شفق کے کئی رنگ اُبھرے۔

اسے ایک لمحے کے لیے خیال آیا کہ اگر یہ کسی افسر کی بیوی ہوتی اور اس طرح لش پش پارٹی میں آتی تو سارے لوگ اس کے اردگرد جمع ہو جاتے اور طرح طرح سے اس کی تعریفیں کرتے لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے سر جھٹک کر اس خیال کو پرے پھینک دیا......'ٹھیک ہے، میں سپاہی سہی لیکن معمولی سپاہی نہیں، بگل بردار ہوں، میرے بگل پر تو کمانڈنٹ بھی سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے۔'

اُسے طمانیت کا احساس ہوا۔ اس نے بیوی پر ایک تنقیدی نظر ڈالی... 'ٹھیک، بالکل ٹھیک، فٹ!'

پنڈال میں عورتوں اور مردوں کے راستے الگ الگ تھے۔ وہ پہلی بار اس طرح کی کسی محفل میں آئی تھی اس لیے گھبرائی سی تھی۔

الگ الگ راستے دیکھ کر بولی، ''تو، تم اور میں الگ الگ ہوں گے؟''

''تو اس میں کیا ہے؟ تمھارے ساتھ اور عورتیں بھی تو ہوں گی۔'' پھر اس نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا، ''اور تم کوئی معمولی عورت نہیں، بگل بردار کی بیوی ہو، جس کے بگل پر...''

اس نے باقی بات نہیں سنی اور جلدی سے اندر چلی گئی۔ ابھی بہت کم لوگ آئے تھے، کرسیاں تقریباً سبھی خالی تھیں۔ وہ سب سے اگلی قطار میں جا بیٹھی جہاں صوفے لگائے گئے تھے۔ تین چار لوگ جو انتظام پر مقرر تھے، اسے اگلے صوفے پر بیٹھتے دیکھ کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک نے اشارے سے دوسرے سے پوچھا، ''یہ کون ہے؟'' دوسرے نے نفی میں سر ہلایا۔ کچھ دیر وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، پھر ایک نے آگے بڑھ کر بڑے مؤدّب انداز میں پوچھا، ''آپ کہاں سے تشریف لائی ہیں؟''

''یہیں سے۔'' اس نے اپنے انداز میں جواب دیا۔

اُس کے لہجے سے پوچھنے والے کا مؤدّب انداز ایک دم بدل گیا۔ اب کے اس نے قدرے روکھے انداز میں پوچھا، ''آپ کی تعریف؟''

''تعریف؟'' اسے سمجھ میں نہ آیا کہ 'تعریف' کے کیا معنی ہیں۔

پوچھنے والے کا رہا سہا مؤدّب انداز بھی ختم ہو گیا۔ اب کے اُس نے سرد لہجے میں پوچھا، ''آپ کس کی مسز ہیں؟''

مسز کے معنی اسے معلوم تھے۔ اُس نے کہا، ''بگل بردار!''

اس نے اپنی طرف سے 'بگل بردار' پر بہت زور دیا تھا لیکن سننے والا ذرا متاثر نہ ہوا بلکہ اُس کے چہرے پر مزید کرختگی آ گئی۔

''آپ پیچھے آ جائیں... یہ کمانڈنٹ صاحب کی بیگم اور ان کے مہمانوں کی نشستیں ہیں۔''

ایک لمحے کے لیے وہ سمجھ نہ سکی کہ کیا کہے یا کیا کرے۔ پھر جیسے کوئی مشین حرکت کرتی ہے، وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور پچھلی قطار میں جا بیٹھی۔

تھوڑی دیر میں بیگمات کی آمد شروع ہو گئی۔ ایک دوسرے سے سلام دعا کرتی وہ کرسیوں پر بیٹھنے لگیں۔ آدھی سے زیادہ کرسیاں بھر گئیں۔ اتنے میں ڈپٹی کمانڈنٹ کی بیگم اندر آئی۔ انتظام کرنے والے ان کی طرف دوڑے گئے۔ جھک جھک کر آداب بجا لائے اور ان کے لیے نشست تلاش کرنے لگے۔ ان کی گھومتی نظریں اس پر آن ٹکیں۔ وہی جس نے اسے صوفے سے اُٹھایا تھا، پاس آیا اور بولا، ''یہاں ڈپٹی صاحب کی بیگم بیٹھیں گی۔ آپ پیچھے چلی جائیں۔''

اُسے لگا جیسے کسی نے اسے تالاب میں غوطہ دے کر باہر نکال لیا ہے۔ کچھ کہے بغیر پسینہ پونچھتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اُٹھی۔ آدھی سے زیادہ قطاریں بھر گئی تھیں۔ وہ ایک خالی قطار کے کونے میں جا بیٹھی۔

فنکشن شروع ہونے میں ابھی دیر تھی اور مہمان آ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ قطار بھی بھر گئی۔ اس سے پچھلی دو قطاروں میں بھی خواتین بیٹھ گئیں۔ اتنے میں کوارٹر ماسٹر کی بیوی اندر آئی۔ عہدے کے اعتبار سے تو اس کا خاوند نائب صوبیدار تھا لیکن راشن اور دوسری چیزوں کے لیے سب کو کوارٹر ماسٹر کی خوشامد کرنا پڑتی تھی۔ اسے دیکھ کر انتظامیہ کے سارے لوگ اس کی طرف بڑھے اور ساتھ ہی اس کے لیے نشست کی تلاش شروع ہو گئی۔

ایک بار پھر اسے اپنی جگہ سے اُٹھا دیا گیا۔

اب صرف آخری قطار تھی۔ وہ پسینوں پسینے، شرم سے گردن گردن زمین میں ڈوبی ہوئی، جگہ سے اُٹھی اور آخری قطار کی آخری کرسی پر بیٹھ گئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے ساری خواتین گھور گھور کر اسے دیکھ رہی ہیں اور ایک دوسرے سے چہ میگوئیاں کر رہی ہیں۔

بگل بردار ... بگل بردار ... بگل بردار ...، جیسے آواز سیٹیاں بجاتی اس کے کانوں میں بگل بجا رہی تھی۔ اسے بالکل معلوم نہ ہوا کہ کب فنکشن شروع ہوا، کب ختم ہوا۔ چائے کب پی گئی اور کب لوگ ایک ایک کر کے جانے لگے۔ وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے اُس کی آنکھوں کو پتھرا دیا ہے اور ٹانگیں پتھر کی سِلیں بن گئی ہیں۔

جب بہت دیر ہوگئی اور وہ باہر نہ نکلی تو بگل بردار اُسے تلاش کرتا ہوا اندر آ گیا۔ وہ اس طرح چپ چاپ کرسی پر بیٹھی تھی جیسے کسی نے اسے اور کرسی کو ایک ہی پتھر سے تراشا ہو۔

''بھاگوان، سب چلے گئے اور تم ابھی تک یہیں بیٹھی ہو۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ دو موٹے موٹے آنسو اس کے گالوں پر ڈھلک گئے۔

''خیر تو ہے نا... تم ٹھیک تو ہو نا؟'' بگل بردار گھبرا گیا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ تیزی سے اٹھی اور تقریباً دوڑتی ہوئی باہر نکل گئی۔ وہ آگے آگے اور بگل بردار پیچھے پیچھے۔

راستے بھر اس نے کوئی بات نہ کی لیکن گھر کی دہلیز پار کرتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''اتنی ذِلّت ... اتنی ذِلّت !''

بگل بردار کے بار بار پوچھنے پر وہ ہچکیوں کے درمیان بس اتنا ہی کہہ پاتی...... ''اتنی ذِلّت !''

''آخر ہوا کیا؟'' اب بگل بردار کو غصہ آنے لگا، ''کچھ کہو بھی تو۔''

معلوم نہیں کیسے توڑ توڑ کر، وقفوں وقفوں سے اُس نے ساری بات سنائی۔ بگل بردار چپ ہو گیا۔ کچھ کہے بغیر وہ چھت پر چلا گیا اور منڈیر پر کہنیاں ٹیک کر کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

بس ایک چپ تھی جو اس کے ارد گرد سرسرا رہی تھی۔ منڈیر پر کہنیاں ٹکائے وہ چھاؤنی کی طرف دیکھتا رہا، دیکھتا رہا، پھر اچانک اس کے جی میں نہ جانے کیا خیال آیا کہ وہ تیزی سے مڑا، نیچے آیا۔ بیوی کپڑے بدلے بغیر چارپائی پر لیٹ گئی تھی۔ سوتے میں لگ رہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ رہے ہیں۔ وہ چند لمحے چپ چاپ کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے دیوار سے بگل اُٹھایا اور تقریباً دوڑتا ہوا باہر آ گیا۔

چھاؤنی کا سارا علاقہ سنسان تھا۔ وہ دوڑتا ہوا اس چبوترے پر چڑھ گیا جہاں کھڑے ہوکر روز صبح بگل بجایا کرتا تھا۔

ایک لمحے کے لیے اس نے سوئی ہوئی بیرکوں اور بنگلوں کو دیکھا اور پوری توانائی سے بگل بجانے لگا۔

کچھ دیر میں ساری چھاؤنی میں ہلچل مچ گئی۔ بیرکوں میں سوئے ہوئے سپاہی ہڑبڑا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ کچھ نے گھڑیوں پر نظر ڈالی۔ ایک دوسرے کو دیکھا۔ بگل کی آواز مسلسل گونج رہی تھی۔ جوان، افسر سب پتلونیں چڑھاتے، تسمے کستے پریڈ میدان کی طرف بھاگے چلے آرہے تھے۔ کمانڈنٹ، ڈپٹی کمانڈنٹ سب آگے پیچھے، ایک دوسرے سے پوچھتے...... ''کیا ہوا...اس وقت کیوں؟''

قطاریں بن گئیں۔ بگل مسلسل بج رہا تھا۔ چھوٹے افسر نے بڑے سے، بڑے نے اپنے بڑے سے، ڈپٹی نے کمانڈنٹ سے پوچھا، ''سر، یہ ایمرجنسی کیسی؟'' کمانڈنٹ نے لاعلمی میں سر ہلایا۔

بگل تھا کہ مسلسل بج رہا تھا۔ بجانے والا ...اُس کا سانس پھول گیا تھا۔ سینہ دھونکنی بن گیا تھا لیکن بگل ... جب کمانڈنٹ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں سے بگل چھینا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، بہے جا رہے تھے۔

کچھ کہے بغیر وہ چبوترے سے اُترا اور روتے روتے دوڑتا ہوا گیٹ سے باہر نکل گیا۔

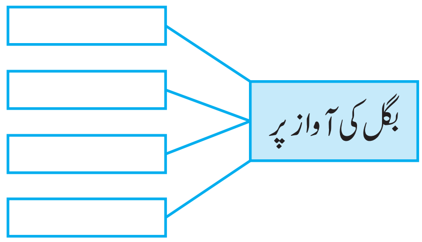
معانی و اشارات

تفاخر	-	فخر
پلاٹون	-	پلٹن، فوج کی ٹکڑی
لش پش	-	بن سنور کر
چھب ڈھب	-	حلیہ
طمانیت	-	اطمینان
کرختگی	-	سختی
بھاگوان	-	نیک بخت

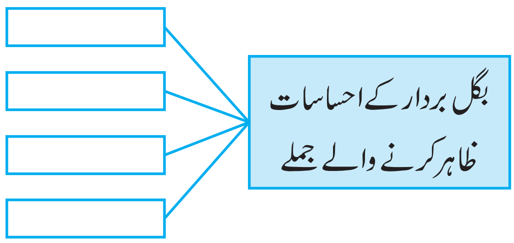
مشقی سرگرمیاں

٭ خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کرکے خاکہ مکمل کیجیے۔



۲۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کرکے خاکہ مکمل کیجیے۔



٭ ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ صبح سویرے گہری نیند سوتے فوجی بگل کی آواز پر چونک کر اٹھنے کے بعد جو عمل کرتے اُسے تحریر کیجیے۔

۲۔ بگل بردار کے اُن تعریفی جملوں کو لکھیے جن کی وجہ سے اس کی بیوی بڑے دربار میں جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

۳۔ بگل بردار کی بیوی کے فنکشن میں جانے کی تیاری کے بارے میں لکھیے۔

۴۔ بڑے دربار کی پارٹی کے منظر کو تفصیل سے لکھیے۔

۵۔ بگل بردار کی بیوی کے ساتھ منتظمین کے رویے پر روشنی ڈالیے۔

٭ ذیل سے صحیح متبادل چن کر جملے مکمل کیجیے۔

۱۔ انتظام پر مقرر آدمی کے سلوک کی وجہ ....

(الف) وہ بگل بردار کی بیوی تھی۔

(ب) بگل بردار کی بیوی کا لباس تھا۔

(ج) بگل بردار کی بیوی کی زبان تھی۔

(د) بگل بردار کی بیوی کی بے وقوفی تھی۔

۲۔ بگل بردار کی بیوی کو کرسی سے ....

(الف) ایک مرتبہ اُٹھایا گیا۔

(ب) دو مرتبہ اُٹھایا گیا۔

(ج) تین مرتبہ اُٹھایا گیا۔

(د) ہر مرتبہ وہ خود اُٹھ گئی۔

۳۔ آخر میں بگل بردار کی بیوی کو اُٹھا کر وہ جگہ .... دی گئی۔

(الف) آفیسر اور مہمانوں کو

(ب) کمانڈنٹ کی بیگم کو

(ج) ڈپٹی کمانڈنٹ کی بیگم کو

(د) کوارٹر ماسٹر کی بیوی کو

* اسباب بیان کیجیے۔

۱۔ بگل بردار کی بیوی کا نشستوں سے بار بار اٹھایا جانا۔

۲۔ بگل بردار کی بیوی کا پھوٹ پھوٹ کر رونا۔

۳۔ نائب صوبیدار کی بیوی کے لیے نشست کا انتظام۔

۴۔ چھاؤنی میں سناٹا چھا جانے کے بعد بگل بردار کا بگل بجانا۔

* درج ذیل جملوں کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ بھلی مانس، میرا بگل نہ بجے تو پوری پلٹن سوئی رہ جائے۔

۲۔ اسے لگا جیسے کسی نے اسے تالاب میں غوطہ دے کر باہر نکال لیا ہے۔

۳۔ بگل بجاتے ہوئے بگل بردار کی آنکھوں میں تفاخر کی ایک شان ہوتی۔

۴۔ یہ بگل نہیں، اس کے آواز میں ایک جادو ہے اور اس جادو کا جادوگر میں ہوں۔



* ذیل میں دیے ہوئے موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

۱۔ انتظام پر مقرر لوگوں کے بگل بردار کی بیوی سے سلوک کا صحیح یا غلط ہونا۔

۲۔ بگل بردار کا آخری عمل۔

۳۔ بیگمات کی آمد پر انتظام کرنے والے افراد کی بھاگ دوڑ۔

* ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ ذیل کے محاوروں کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کا صحیح مفہوم واضح ہو جائے۔

سینہ پھول جانا	چہ میگوئیاں کرنا
آنکھیں پتھرا جانا	پھوٹ پھوٹ کر رونا

۲۔ ذیل کے جملوں سے مفرد، مرکب اور مخلوط جملے الگ کر کے تحریر کیجیے۔

- کرسیاں تقریباً سبھی خالی تھیں۔
- اسے بالکل معلوم نہ ہوا کہ کب فنکشن شروع ہوا، کب ختم ہوا۔
- وہ اس طرح چپ چاپ کرسی پر بیٹھی تھی جیسے کسی نے اسے اور کرسی کو ایک ہی پتھر سے تراشا ہو۔
- سننے والا ذرا متاثر نہ ہوا بلکہ اُس کے چہرے پر مزید کرختگی آ گئی۔
- وہی جس نے اسے صوفے سے اٹھایا تھا، پاس آیا اور بولا۔

۳۔ دی ہوئی مثال کے طرز پر چار نئے الفاظ بنائیے۔

مثال : بگل - بگل بردار

سرگرمی/منصوبہ :

اپنے استاد کی مدد سے انسانی رشتوں کے تقدس پر لکھے گئے کسی افسانے کو حاصل کر کے پڑھیے۔



۹ خطوط

رشید حسن خاں

پیش درس

مکتوب نگاری ادب کی ایک اہم صنف ہے۔ ادیبوں، شاعروں اور اہم شخصیات کے خطوط اپنی ادبی خوبیوں اور تاریخی حیثیت کے لیے مشہور ہیں۔ ترسیل وابلاغ کے جدید ذرائع کی مقبولیت کے سبب ان دنوں خطوط نگاری کا رواج ختم ہوتا جارہا ہے تاہم اب تک یہ سماجی روابط کا ایک اہم ذریعہ تھا اور کسی حد تک آج بھی ہے۔

اُردو ادب میں مرزا غالبؔ، مولانا ابوالکلام آزادؔ، علامہ اقبالؔ، مہدی افادی، پطرس بخاری، فیض احمد فیضؔ وغیرہ کے خطوط اپنی ادبی خوبیوں کے سبب مشہور ہیں۔ ان خطوط میں بے تکلف انداز اور اظہارِ خیال کے منفرد پیرایے موجود ہیں۔ ہمیں ان خطوط سے ان فنکاروں کے متعلق اہم معلومات اور ان کے خیالات سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ ادبی تاریخ کے مرتب کرنے میں بھی یہ خطوط معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ان خطوط سے ہم لطفِ زبان اور اظہار و بیان کے نئے پیرایوں سے بھی روشناس ہوتے ہیں۔

جان پہچان

رشید حسن خاں کی پیدائش ۲۵/دسمبر ۱۹۲۵ء کو شاہ جہاں پور (یوپی) میں ہوئی۔ انھوں نے تحقیق کے مروّجہ اصولوں کی توضیح کی اور اس میں قابل قدر اضافے کیے۔ علمی تحقیق کے ضمن میں حوالوں اور استناد کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے انھوں نے حوالوں سے متعلق اصول وضوابط پیش کیے اور ان کے معیاری ہونے کی شرائط بیان کیں۔ انھوں نے قدیم کتابوں کے متن میں غلطیوں کی نشاندہی کی اور تدوین کے آداب کی پابندی پر زور دیا۔

رشید حسن خاں نے صحتِ متن پر خصوصی توجہ دی اور کئی قدیم کتابوں جیسے 'گلزارِنسیم'، باغ و بہار، فسانۂ عجائب، مثنویاتِ شوق' وغیرہ کو نئے اصولوں کے تحت ترتیب دے کر شائع کروایا۔ انھوں نے قواعد، تلفظ، املا اور لغات پر بھی خصوصی توجہ کی اور ان موضوعات پر تحقیقی کتابیں لکھیں۔ ان کی زبان سادہ اور دلکش ہے۔ 'اُردو املا' اور 'زبان وقواعد' ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ ۲۶/فروری ۲۰۰۶ کو شاہ جہاں پور میں ان کا انتقال ہوا۔

(۱) بہ نام صدر اسلامیہ ہائر سیکنڈری اسکول، شاہ جہاں پور

۲۹/اکتوبر ۱۹۶۴ء

جنابِ مکرم!

مینیجنگ کمیٹی نے میری رخصتِ بلاتنخواہ، ۳۱/اکتوبر ۶۴ء تک کی منظور کی تھی۔ ساتھ ہی اس سے بھی مطلع کیا تھا کہ اب اس میں توسیع ممکن نہیں۔ یہ مدت قریب الختم ہے، میں نے آپ سے زبانی عرض کیا تھا کہ جس وقت بھی میرے گریڈ کے متعلق فیصلہ ہوا؛ میں اسکول کی ملازمت سے استعفا پیش کردوں گا۔ یونیورسٹی نے اب سے چند ماہ پہلے میرے لیے ایک مناسب گریڈ منظور کرلیا تھا جس کی باضابطہ اطلاع مجھے اب ملی ہے اس لیے اصولاً اب مجھے مستعفی ہوجانا چاہیے۔

براہِ کرم یکم نومبر ۶۴ء سے میرا استعفا منظور فرمایا جائے۔ اِس کے ساتھ ساتھ اِس کی بھی اجازت دی جائے کہ میں اپنے پراویڈنٹ فنڈ کی رقم بھی حاصل کرسکوں۔

جنابِ صدر! میں نے اسلامیہ اسکول سے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا بلکہ صحیح معنی میں اسی ماحول میں میرے شعور کی آنکھیں کھلیں۔ اچھے ماحول کے اثر سے، اچھے ساتھیوں کی ہمت افزائی سے اور اسکول کی چھوٹی سی لائبریری کے فیض سے، مطالعے کا شوق اور بڑھا۔ لائبریری کی اچھی کتابوں نے مجھے تنقید و تحقیق کی طرف متوجہ کیا اور آٹھ برس کی نسبتاً طویل مدت اس کی نشوونما کے لیے بے حد سازگار ثابت ہوئی۔ لائبریری کی کتابوں نے، میرے بیشتر رفیقانِ کار کی ہمت افزائی نے اور اربابِ اختیار کی خاموش سرپرستی نے مجھے اِس قابل بنایا کہ میں اعلیٰ تحقیقی کاموں میں حصہ لینے کا اہل سمجھا جاؤں۔

میں نے جس وقت اسلامیہ اسکول میں ملازمت کے لیے درخواست دی تھی، اُس وقت میرے پاس کسی یونیورسٹی، کسی کالج یا کسی اسکول کی کوئی ڈگری نہیں تھی؛ اس کے باوجود آپ نے از راہِ التفاتِ خاص مجھے منتخب فرمایا تھا۔ آج جب کہ میں ہندوستان کی ایک اعلیٰ ترین یونیورسٹی میں کام کر رہا ہوں، آج بھی کسی ایسی سند سے تہی دست ہوں۔ یہ اہمیت اسی اسکول کی بخشی ہوئی ہے اور اس روایت کے مؤسّس آپ ہیں۔

جس وقت دہلی یونیورسٹی کی موجودہ ملازمت کے سلسلے میں مَیں نے آپ سے رجوع کیا، آپ نے نہایت توجہ سے میری بات سنی، خلوص ہمدردی کے ساتھ مشورے دیے اور میرے مستقبل کی فلاح کے لیے وہ ساری آسانیاں فراہم کیں جن کے بغیر، میں نہ موجودہ ملازمت کو قبول کرنے کی جرأت کر سکتا تھا، نہ اتنے طویل عرصے تک اس سے متعلق رہ سکتا تھا۔ ان کرم ہائے بے پایاں کا شکریہ ادا کرنا زبان و قلم کے بس کی بات نہیں۔

میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مینیجنگ کمیٹی کے معزّز ممبروں کا بہ طورِ خاص شکریہ ادا کروں جنھوں نے بے مثال وسیع القلبی کے ساتھ اس قدر طویل مدت کی رخصت کو منظور فرمایا۔ اس مرحلۂ دشوار کا طے ہونا بہ ظاہر آسان نہ تھا۔

میں اپنے پرنسپل صاحب کا بھی شکر گزار ہوں۔ موصوف سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ غالبؔ کی نظم کی طرح اُن کی تہ دار گفتگو، حالؔی کی نثر کی طرح سادہ تحریر اور ان سب سے زیادہ اُن کے طرزِ زندگی نے مجھے متاثر کیا جو آرائش و زیبائش سے اُسی قدر معرّا ہے، جس قدر ہمارا اسکول پیڑ پودوں سے، پھولوں سے اور سبزے سے تہی داماں ہے۔ شروع میں مجھ سے بر بِنائے ناتجربہ کاری اور کبھی بر بِنائے شوریدہ سری (جو نوجوانی کا لازمہ ہے) بارہا غلطیاں ہوئیں اور موصوف نے ہر بار خوئے درگزر سے کام لیا۔ میں نے اسکول کے بعض معاملات و مسائل میں موصوف سے اختلاف بھی کیا اور عملی طور پر، لیکن انھوں نے کبھی تو اُسے قابلِ اعتنا نہیں سمجھا اور کبھی اپنے اختیاراتِ خصوصی کو اس طرح بروئے کار لائے کہ میں خود اپنے مسلّمات کو، مفروضات بلکہ موہومات سمجھنے پر مجبور ہو گیا۔ اس طرح عملی زندگی کے راستے کے نشیب و فراز نے مجھے آگاہی بخشی۔ میں اِن امور کا ہمیشہ معترف رہوں گا اور اُن کا منّت پذیر۔

جنابِ صدر! میں اسکول سے محض ضابطے کے لحاظ سے ترکِ تعلق کر رہا ہوں، ذہنی و جذباتی تعلق ہمیشہ قائم رہے گا۔ اوّلین درس گاہ کو بھولتا بھی کون ہے؟ اُس کی نیم شکستہ دیواریں، اُس کے کھپریل پوش درجے (جو دھوپ اور پانی کو نیچے منتقل کرنے میں کبھی بخل نہیں کرتے) اُس کا پیڑ پودوں سے معرّا احاطہ، اُس کا پُرشکوہ ہال، اُس کی لائبریری کا گرد آلود کمرہ (جہاں میں نے بہت کچھ سیکھا سمجھا ہے) اُس کے غریب طلبہ اور محنتی اساتذہ، یہ سارے نقوش ذہن کی کتاب میں ہمیشہ مرتسم اور تابناک رہیں گے۔ میں ہمیشہ تہ دل سے اسکول کا بہی خواہ رہوں گا، ہمہ وقت میری خدمات اُس کے لیے حاضر رہیں گی اور کوشش کرتا رہوں گا کہ اپنی نارسائی کے

باوجود اسکول کے فیوض کا حق ادا کرتا رہوں۔ دست بہ دعا ہوں کہ خدائے قدوس مجھے اِس کی توفیق بخشے اور آپ کے پُرخلوص مشوروں سے مستفیض ہونے کی سعادت حاصل رہے۔

نیازمند

رشید حسن خاں

پرشین ٹیچر اسلامیہ ہائر سکنڈری اسکول، شاہ جہاں پور

معانی واشارات

ازراہِ التفات – برائے مہربانی

تہی دست – خالی ہاتھ، محروم

مؤسّس – بانی، بنیاد ڈالنے والا

معرّا – خالی، سادہ

شوریدہ سری – دیوانگی، جنون، پاگل پن

خوئے درگزر – معاف کرنے کی عادت

اعتنا – پروا، توجہ

مسلّمات – مسلّمہ کی جمع، تسلیم شدہ، مانا ہوا

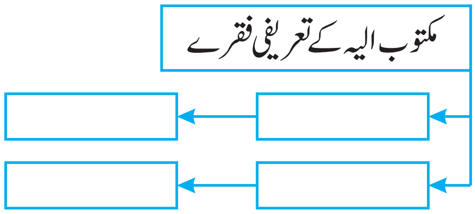
موہومات – موہومہ کی جمع، شبہات، واہمے

منّت پذیر – احسان ماننے والا

مشقی سرگرمیاں

✻ خاکے پر مبنی سرگرمیاں

★ رواں خاکہ مکمل کیجیے۔



✻ ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ رشید حسن خاں نے اسکول سے جو استفادہ کیا ہے، اسے تحریر کیجیے۔

۲۔ رشید حسن خاں کے ساتھ پرنسپل صاحب کا حسن سلوک بیان کیجیے۔

۳۔ رشید حسن خاں نے اسکول کا جو نقشہ کھینچا ہے، اسے لکھیے۔

۴۔ اس خط کے حوالے سے رشید حسن خاں کی شخصیت پر روشنی ڈالیے۔

✻ اسباب بیان کیجیے۔

رشید حسن خاں کا مستعفی ہونا۔

✻ درج ذیل جملے کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

انھوں نے کبھی تو اُسے قابلِ اعتنا نہیں سمجھا اور کبھی اپنے اختیاراتِ خصوصی اس طرح بروئے کار لائے کہ میں خود اپنے مسلّمات کو مفروضات بلکہ موہومات سمجھنے پر مجبور ہوگیا۔

✻ ذیل میں دیے ہوئے موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

۱۔ رشید حسن خاں صاحب کا صدر اسلامیہ اسکول کو خط لکھنا۔

۲۔ رشید حسن خاں صاحب کا اوّلین درس گاہ کو نہ بھولنا۔

سرگرمی/منصوبہ :

مختلف ادبا وشعرا نے اپنے دوست واحباب اور عزیز واقارب کو غیر رسمی خطوط لکھے ہیں انھیں تلاش کر کے پڑھیے۔

(۲) بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

جان پہچان

ڈاکٹر خلیق انجم ۱۹۳۵ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام خلیق احمد خان تھا۔ انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے گریجویشن کیا اور ایم.اے. (اُردو) کا امتحان دہلی یونیورسٹی سے پاس کیا۔ خلیق انجم نے مرزا مظہر جانِ جاناں کی شخصیت اور فن پر پی ایچ. ڈی. کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے انجمن ترقیِ اُردو (ہند) کی اَڑتیس سال تک خدمت کی۔ ایک طویل عرصے تک وہ انجمن کے معتمد کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کی تقریباً اسّی تصانیف ہیں جن میں 'غالبؔ کے خطوط'، متنی تنقید، غالبؔ کا سفرِ کلکتہ اور ادبی معرکہ' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۸/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔

ٹی سی.۹، گائر ہال

دہلی یونیورسٹی، دہلی ۱۱۰۰۰۷

۲۳/دسمبر ۱۹۸۹ء

خلیق صاحب مکرم!

کتابیں مل گئیں۔ گرد پوش دیکھ کر آنکھیں روشن ہوگئیں۔ اس کا خاص کر شکریہ۔ ویسے بھی اس کتاب کی طباعت میں جس قدر دلچسپی آپ نے لی ہے، اُس کا شکریہ کیا ادا کروں، وہ دل پر نقش ہے۔ مگر میرے بھائی! کاغذ دیکھ کر دل بُجھ گیا۔ آپ نے کئی بار کہا تھا کہ یہ کتاب عمدہ تر کاغذ پر چھپے گی مگر چھپی کمتر پر۔ آپ اس سے اتفاق کریں گے کہ بالفرض اگر یہ کتاب آپ کی ہوتی تو اس کاغذ پر تو ہرگز نہیں چھپ سکتی تھی۔ اور اگر چھپتی تو اسے دیکھ کر آپ کا ردِعمل کیا ہوتا؟ بس وہی میرا ہے۔ اِدھر انجمن نے دو کتابیں چھاپی ہیں، اتفاق سے وہ اس وقت میرے سامنے ہیں مثلاً 'دیوانِ شاکر ناجیؔ'، اس میں زمین آسمان کا نہیں، اندھیرے اُجالے کا فرق ہے۔ بہت جی دُکھا اور آدھی مسرّت چھپنے کی ختم ہوگئی۔ پھر یہ کہہ کے دل کو سمجھا لیا کہ کوئی دوسرا شخص تو شاید اس طرح بھی اس کتاب کو نہ چھاپتا۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد حرفِ شکایت کا محل ہی نہیں رہتا۔

مزید ستم ظریفی یہ ہوئی کہ کتاب پر سنۂ اشاعت ۱۹۹۰ء ہے۔ اب اگلے سال اس کا نمبر آسکے گا مگر یہ ضمنی اور غیر اہم بات ہے۔ اصل بات کاغذ کی ہے اور خلیق صاحب! مجھے اس کا دُکھ ہے۔ آپ کی محبت کا اور آپ کے مخلصانہ طرزِ عمل کا معترف ہوں اور قدر شناس اسی لیے یہ شکایت بھی پیدا ہوئی ہے، ورنہ ایک لفظ نہ کہا جاتا۔ بہرحال، کتاب چھپ گئی، اس کے لیے بہ دل ممنون ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

پس نوشت: اور میرے بھائی! جِلد تو اس قدر گھٹیا بندھی ہے کہ دو بار کتاب اُٹھانے میں نکل جائے گی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ توجہ قطعی طور پر نہیں ہو پائی اور آخر میں تصویر جو آپ نے بنوائی تھی، وہ بھی موجود نہیں۔

صاحب! آپ اس سے تو اتفاق کریں گے کہ یہ کتاب اس قدر بے نیازی کا ہدف بننے کے تو لائق تھی نہیں۔ اب سوائے اظہار تاسّف کے یہ آپ کا نیاز مند کر بھی کیا سکتا ہے، لہٰذا صبر کرتا ہوں لیکن بہت دُکھ کے ساتھ۔

معانی واشارات

گرد پوش - کپڑے یا کاغذ کا غلاف جو کتاب کو میلا ہونے سے بچاتا ہے، کتاب کی جلد

دل بجھ جانا - غمگین ہونا، افسردہ ہونا

ستم ظریفی - مذاق مذاق میں ظلم کرنا

قدر شناس - عزت کرنے والا

اظہارِ تاسف - افسوس کا اظہار

پس نوشت - وہ عبارت جو خط لکھنے والا اپنے دستخط کے بعد لکھتا ہے۔

مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

★ کتاب کی اشاعت سے متعلق الفاظ سے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

	کتاب کی اشاعت	

* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ رشید حسن خاں نے کتاب کی جو خستہ حالی بیان کی ہے، اُسے لکھیے۔

۲۔ مکتوب نگار نے مکتوب الیہ پر جو طنز کیا ہے، اُسے بیان کیجیے۔

۳۔ مکتوب نگار نے مکتوب الیہ کی جن باتوں کا اعتراف کیا ہے، انھیں تفصیل سے لکھیے۔

۴۔ مکتوب نگار نے مکتوب الیہ اور اپنے درمیان جس یکسانیت کا ذکر کیا ہے، اُسے تحریر کیجیے۔

* اسباب بیان کیجیے۔

★ کاغذ دیکھ کر دل بجھ گیا۔

* درج ذیل جملوں کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ اِس میں زمین آسمان کا نہیں، اندھیرے اُجالے کا فرق ہے۔

۲۔ صبر کرتا ہوں لیکن دکھ کے ساتھ۔

* ذیل میں دیے ہوئے موضوع پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

رشید حسن خاں صاحب کا خلیق انجم سے شکایت کرنا۔

سرگرمی/منصوبہ :

مختلف ادبا وشعرا نے اپنے دوست واحباب اورعزیز واقارب کو توصیفی خطوط لکھے ہیں، انھیں تلاش کر کے پڑھیے۔



نثری قواعد

جملوی تحویل/تقلیب

ذیل کے جملوں کو پڑھ کر ان کے معنی پر غور کیجیے:

- شام کے گلابی سنہرے رنگ افق پر پھیل گئے تھے۔
- شام ہوگئی تھی۔
- وہ شام کتنی خوب صورت تھی!

ان تین جملوں میں دراصل ایک ہی بات کہی گئی ہے۔ پہلے جملے میں شام ہونے کے واقعے کو اس کے رنگوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جس جملے میں ایسا پر تکلف اظہار کیا جائے، اسے انشائیہ جملہ کہتے ہیں۔

دوسرا جملہ شام ہونے کی خبر دے رہا ہے، اسے خبریہ جملہ کہتے ہیں اور تیسرے جملے میں شام کی خوب صورتی پر اپنے تاثر کا اظہار کیا گیا ہے۔ ایسے جملے کو فجائیہ جملہ کہتے ہیں۔ یہاں بات یا واقعہ ایک ہے (شام ہونا) مگر اسے تین طرح سے کہا گیا ہے اور تینوں جملوں کے معنی 'ایک جیسے' سمجھ میں آ رہے ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ ہم ایک ہی خیال کو معنی بدلے بغیر مختلف طرح سے ادا کر سکتے ہیں۔

اب ان جملوں کو پڑھ کر ان کے معنی پر غور کیجیے:

- ابھی کچھ رات باقی تھی۔
- ابھی دن نہیں نکلا تھا۔
- میں آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔
- مجھے آپ کی کسی بات سے انکار نہیں ہے۔

پہلے اور تیسرے جملے سے مثبت خیال ظاہر ہو رہا ہے۔ ایسے جملوں کو مثبت جملے کہتے ہیں۔ دوسرے اور چوتھے جملے میں لفظ 'نہیں' آیا ہے جس کی وجہ سے یہ جملے منفی جملے کہلاتے ہیں۔ لیکن انھیں پڑھنے سے معلوم ہو رہا ہے کہ پہلے اور دوسرے دونوں جملوں میں بات ایک ہی کہی گئی ہے۔ مختلف لفظوں میں ادا کیے گئے دو یا زیادہ جملے جب معنی اور مفہوم میں ایک ہوں تو ان کی تبدیلی کو 'تحویل' یا 'تقلیب' کہتے ہیں۔ اس اُصول کے تحت کسی بھی جملے کو معنی بدلے بغیر دوسرے جملے میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ یہ عمل 'جملے کی تحویل' یا 'جملے کی تقلیب' کہلاتا ہے۔

مشقی سرگرمیاں

٭ ہدایات کے مطابق ذیل کے جملوں کی قسمیں بتا کر ان کی تحویل/تقلیب اس طرح کیجیے کہ مفہوم میں فرق نہ آئے۔

۱۔ بادشاہ نے وہاں کے، اعانت کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ (جملہ اس طرح تبدیل کیجیے کہ اس میں 'بادشاہ کا وعدہ' شامل ہو جائے)

۲۔ بعد لمحے کے شاہزادے پر بے ہوشی طاری ہوئی۔ (منفی جملے میں تحویل کیجیے)

۳۔ روتے پیٹتے، خاک اُڑاتے خدمتِ امیر میں آئے۔ (بیانیہ جملے میں تبدیل کیجیے)

۴۔ شہزادے کو کسی انسان نے نہیں شہید کیا ہے۔ (مثبت جملے میں تقلیب کیجیے)

۵۔ واللہ! وہ بھی کیا زمانے تھے۔ (خبریہ جملے میں تبدیل کیجیے)
۶۔ وہ ایسی شال پاکر بہت خوش ہوگئی۔ (فجائیہ جملے میں تبدیل کیجیے)
۷۔ وہ کیوں ان میں شمار کیا جائے؟ (منفی جملے میں تبدیل کیجیے)

استفہامیہ اقراری اور استفہامیہ انکاری جملے

ذیل کے سوالیہ جملوں کو پڑھ کر ان کے معنی پر غور کیجیے:

- کیا ہمیں بزرگوں کی خدمت نہیں کرنی چاہیے؟
- کیا برا وقت گزر نہیں جاتا؟
- 'جیسی کرنی ویسی بھرنی' کیا یہ بات تم نہیں جانتے؟

اوپر کے تینوں سوالیہ جملے منفی سوالیہ جملے ہیں لیکن آپ جانتے ہیں کہ ان کے جواب ہمیشہ مثبت ہوتے ہیں۔ ایسے سوالیہ جملوں کو 'استفہامیہ اقراری' کہا جاتا ہے یعنی وہ سوال جس کا جواب اقرار/ اثبات میں ہو۔ پہلے سوال کا جواب ہوگا: خدمت کرنی چاہیے، دوسرے کا جواب ہوگا: گزر جاتا ہے۔ تیسرے کا جواب ہوگا: جانتا ہوں۔

اب اِن سوالیہ جملوں کو پڑھ کر ان کے معنی پر غور کیجیے:

- کیا محتاجوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا چاہیے؟
- کیا دن رات ہمیشہ برابر ہوتے ہیں؟
- تم سمجھتے ہو کہ میں مجبور ہوں؟

تینوں سوال مثبت ہیں مگر ان کے جواب ہمیشہ منفی ہوتے ہیں۔ ایسے سوالیہ جملوں کو 'استفہامیہ انکاری' کہا جاتا ہے یعنی وہ سوال جس کا جواب منفی/ انکاری ہو۔ پہلے سوال کا جواب: ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔ دوسرے سوال کا جواب: برابر نہیں ہوتے اور تیسرے سوال کا جواب: میں مجبور نہیں ہوں۔

مشقی سرگرمیاں

٭ ذیل کے جملوں کے استفہام کو اقرار یا انکار میں تبدیل کیجیے۔

۱۔ کیا حمیدہ اسے اپنی توہین نہ سمجھے گی؟
۲۔ اس اندھیرے میں پتھر کہاں ملتا؟
۳۔ برا نہیں لگتا تمھیں ایسی بدشگونی کی بات زبان سے نکالتے؟
۴۔ وہ کیوں ان میں شمار کیا جائے؟

جملوں کا صرفی تجزیہ

ابتدائی جماعتوں سے آپ پڑھتے آرہے ہیں کہ کلام کے اجزا کیا ہیں۔ ان کے ناموں اور مثالوں سے بھی آپ بخوبی واقف ہیں: اسم، ضمیر، صفت، فعل، متعلق فعل، حروفِ جار، حروفِ عطف اور حروفِ فجائیہ۔ ان میں آپ اسم کے مزید لوازم سے بھی واقفیت رکھتے ہیں جیسے تعداد (واحد، جمع) اور جنس (مذکر، مؤنث) وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک کو کلام کا جز کہتے ہیں اور ہر جملے میں ان میں سے دو چار یا کم و بیش اجزا ضرور استعمال کیے جاتے ہیں۔ جملوں میں آنے والے ان اجزا کو ان کے ناموں سے شناخت کرنا ہی 'صرفی تجزیہ' کہلاتا ہے کیونکہ کلام کے سارے اجزا معنوی یا بے معنی صورتوں میں 'صرفیے' بھی کہلاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اِس جملے: ''میری شال کیا ہوئی؟'' کا صرفی تجزیہ پیش ہے:

میری : ضمیرِ تملیکی (ضمیر کی مختلف قسمیں آپ پڑھ چکے ہیں)
شال : اسمِ عام، مؤنث، واحد
کیا : ضمیرِ استفہام (سوالیہ)
ہوئی : فعل، ماضی مطلق، ہونا سے ہوئی، مؤنث، واحد

اِس مثال کا تجزیہ ذرا تفصیل کا حامل ہے جو یوں مختصر بھی ہوسکتا ہے۔

میری : ضمیرِ تملیکی
شال : اسمِ عام
کیا : ضمیرِ استفہام
ہوئی : فعل (ماضی مطلق)

بہتر یہ ہے کہ ہر صرفی تجزیہ تفصیل وار ہو۔

مشقی سرگرمیاں

* ذیل کے جملوں کا صرفی تجزیہ کیجیے۔

۱۔ نم ہوا کے دوش پر ایک دل دوز کراہ سنائی دی۔
۲۔ ''ارے، یہ کیسے؟''
۳۔ فرد سماج کی بنیادی اور مرکزی اکائی ہوتا ہے۔
۴۔ ہم لوگ ایک دوسرے کی تخلیقات سے محبت کرتے ہیں۔

جملوں کا نحوی تجزیہ

۱۔ مفرد جملہ :

یہ سن کر	ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی
مبتدا	خبر

۲۔ مرکب جملہ :

ہمیں یقین ہوگیا	کہ	ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے
مفرد جملہ (۱)	حرفِ عطف	مفرد جملہ (۲)
ہمیں (مبتدا) یقین ہوگیا (خبر)		ضرور کوئی (مبتدا) غلط فہمی ہوئی ہے (خبر)

۳۔ مخلوط جملہ:

گورا مبتدا	وہی حرکتیں کرتا تھا اصل فقرہ	جو ضمیرِ موصولہ	لفٹینی کے منافی تھیں تابع فقرہ
	خبر (۱)		خبر (۲)

ابتدائی جماعتوں میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ عام طور پر جملے کے دو حصے ہوتے ہیں (۱) مبتدا (۲) خبر۔ دو مفرد جملوں کو اگر حروفِ عطف سے جوڑا گیا ہے تو ایسے جملے مرکب جملے کہلاتے ہیں۔ اسی طرح اگر جملے میں ضمیر موصولہ (جو/ جس/ جن) ہو اور اس سے پہلے یا بعد جملے کا حصہ معنی میں ادھورا ہو تو ایسے جملے مخلوط جملے کہلاتے ہیں۔

اوپر کی مثالوں کو غور سے دیکھیں اور پڑھیں تو مفرد، مرکب اور مخلوط جملوں کی ساخت (بناوٹ) سمجھ میں آ سکتی ہے۔ ہر قسم کے جملے کی ساخت کو نحوی ساخت کہتے ہیں۔ نحوی ساخت کے اجزا کو الگ کرنے کا عمل 'نحوی تجزیہ' کہلاتا ہے۔ (جیسا کہ اوپر کی مثالوں میں جملوں کا تجزیہ کیا گیا ہے)

مشقی سرگرمیاں

* قسمیں بتا کر ذیل کے جملوں کا نحوی تجزیہ کیجیے۔

۱۔ اس کے بعد ڈرل شروع ہوئی اور خوب تیزی اور تندی سے حکم ملنے لگے۔
۲۔ پہننے کو وہ چیز دی جا رہی ہے جو گینڈوں کے پاؤں کے لیے زیادہ موزوں ہے۔
۳۔ کان پر کھجلی محسوس ہوتی ہے۔

طور

ذیل کے جملے پڑھیے:

- مَیں یہ کتاب پڑھ چکا ہوں۔
- اس نے میری بات کاٹ دی۔
- ہمارے فوجیوں نے دشمنوں کے چھکے چھڑا دیے۔

ان جملوں سے ظاہر ہے کہ ان کے فعل کا اثر کسی نہ کسی مفعول پر ضرور پڑ رہا ہے۔ پہلے جملے میں 'مَیں' فاعل ہے، 'کتاب' مفعول ہے اور 'پڑھ چکا ہوں' فعل ہے یعنی مَیں (فاعل) کے پڑھنے (فعل) کا اثر کتاب (مفعول) پر پڑتا ہے۔ دوسرے جملے میں اس نے (دراصل وہ) فاعل ہے، 'میری بات' مفعول اور 'کاٹ دی' فعل ہے۔ اس (فاعل) کے کاٹنے (فعل) کا اثر میری بات (مفعول) پر پڑتا ہے۔ اسی طرح تیسرے جملے میں 'ہمارے فوجی' (فاعل)، 'دشمن' (مفعول) اور 'چھکے چھڑا دیے' (فعل) ہے۔ یہاں فوجیوں (فاعل) کے چھکے چھڑانے (فعل) کا اثر دشمنوں (مفعول) پر پڑتا ہے۔

اس تجزیے سے واضح ہے کہ کسی جملے میں فاعل کے فعل کا اثر مفعول پر پڑتا ہے۔ جملے میں ایسے عمل کے طور کو 'طورِ معروف' کہتے ہیں یعنی جس کا فاعل معروف (جانا پہچانا) ہے۔

اب ذیل کے جملے پڑھ کر ان کے فاعل، مفعول اور فعل پر غور کیجیے:

- رسّی کاٹ دی گئی۔
- پھول گلدانوں میں سجائے گئے۔
- وقت رہتے ٹکٹ بھی خرید لیے گئے۔

پہلے جملے میں 'رسّی' مفعول اور 'کاٹ دی گئی' فعل ہے۔ دوسرے جملے میں 'پھول' مفعول اور 'سجا دیے گئے' فعل ہے اور تیسرے جملے میں 'ٹکٹ' مفعول اور 'خرید لیے گئے' فعل ہے۔

تینوں جملوں میں فاعل کون ہے، معلوم نہیں لیکن جملوں کا مفہوم بتاتا ہے کہ ہر جملے میں کوئی نہ کوئی فاعل ضرور ہے جس کا ذکر جملے میں نہیں کیا گیا ہے یعنی رسّی کاٹنے والا، پھول سجانے والا اور ٹکٹ خریدنے والا۔ جملے میں ایسے عمل کے طور کو 'طورِ مجہول' کہتے ہیں یعنی جس کا فاعل مجہول (نامعلوم) ہے۔

جملے کے طور کی ایک تیسری قسم بھی ہے۔ یہ جملے پڑھیے:

- ہوا چلی۔
- دن نکلا۔
- گھوڑے دوڑ پڑے۔

پہلے جملے میں 'ہوا' فاعل اور 'چلی' فعل ہے۔ دوسرے جملے میں 'دن' فاعل اور 'نکلا' فعل ہے۔ تیسرے جملے میں 'گھوڑے' فاعل اور 'دوڑ پڑے' فعل ہے۔ ان سب جملوں میں مفعول نہیں پایا جاتا۔ یہاں کہہ سکتے ہیں کہ فاعل کے فعل کا اثر خود فاعل پر پڑ رہا ہے۔ جملے میں ایسے عمل کے طور کو 'طورِ معدولہ' کہتے ہیں یعنی جس کا مفعول غیر موجود ہے۔

مشقی سرگرمیاں

*** ذیل کے جملوں کے طور تبدیل کیجیے اور ان کے نام لکھیے۔**

۱۔ میری ساری زندگی خنجروں کی چمک اور خون کی بارش میں بسر ہوئی ہے۔
۲۔ سہراب رستم کو زمین پر گرا دیتا ہے۔
۳۔ مل گئی مجھ کو جو قسمت میں سزا لکھی تھی۔

لفظ سازی

ہماری زبان کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ دیگر زبانوں کے الفاظ کو بڑی آسانی سے قبول کرلیتی ہے۔ اُردو میں عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں کے بہت سے الفاظ رواج پا گئے ہیں۔لفظوں کے استعمال کی ضرورت کے پیشِ نظر مذکورہ زبانوں کے الفاظ اُردو میں ایک دوسرے سے جوڑ کر بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس طرح کی لفظ سازی سے زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں خوب اضافہ ہوا ہے جس کی چند مثالیں ذیل میں دی جارہی ہیں۔

ہندی + ہندی : ان لفظوں کو پڑھ کر ان کی بناوٹ پر غور کیجیے :

آپ بیتی، آگ بگولا، ٹڈی دَل، باگ ڈور، بن مانس، جل ترنگ، جنم دن، چاند گہن، چڑیا گھر، دیا سلائی، بیل گاڑی وغیرہ۔

یہ لفظی مرکبات ہندی کے دو اسموں کو ملا کر بنائے گئے ہیں۔

فارسی + فارسی : ان لفظوں کو پڑھ کر ان کی بناوٹ پر غور کیجیے :

زبان دراز، پاک دامن، آتش فشاں، زبردست، دل آزار، نیک بخت، شکر پارہ، سینہ زور، بیش بہا وغیرہ۔

یہ لفظی مرکبات فارسی کے دو لفظوں کو ملا کر بنائے گئے ہیں۔

عربی + عربی : ان لفظوں کو پڑھ کر ان کی بناوٹ پر غور کیجیے :

بقرعید، جامع مسجد، حاضر جواب، عالی شان، صدر مقام، صاحب کمال، خیر مقدم، تکیہ کلام، وعدہ خلاف وغیرہ۔

یہ لفظی مرکبات عربی کے دو لفظوں کو ملا کر بنائے گئے ہیں۔

ہندی + فارسی : ان لفظوں کو پڑھ کر ان کی بناوٹ پر غور کیجیے :

نیک چلن، گلاب جامن، گھوڑے سوار، تار گھر، چور دروازہ، گھر داماد، منہ زور وغیرہ۔

یہ لفظی مرکبات ایک ہندی اور ایک فارسی لفظ کو ملا کر بنائے گئے ہیں۔

عربی + ہندی : ان لفظوں کو پڑھ کر ان کی بناوٹ پر غور کیجیے :

امام باڑہ، عجائب گھر، کفن چور، موتی محل، عید ملن وغیرہ۔

یہ لفظی مرکبات عربی اور ہندی لفظوں کو ملا کر بنائے گئے ہیں۔

فارسی + عربی : ان لفظوں کو پڑھ کر ان کی بناوٹ پر غور کیجیے :

آتش مزاج، حرام مغز، سفر خرچ، دستخط، شیش محل، گاؤ تکیہ، نازک خیال، عالی خاندان، تیز مزاج وغیرہ۔

یہ لفظی مرکبات فارسی اور عربی لفظوں کو ملا کر بنائے گئے ہیں۔

انگریزی + ہندی : ان لفظوں کو پڑھ کر ان کی بناوٹ پر غور کیجیے :

ریل گاڑی، جیل خانہ، ٹکٹ گھر، نمبردار، فلم اداکار، کورٹ کچہری، نوٹ بندی وغیرہ۔

یہ لفظی مرکبات انگریزی اور ہندی لفظوں کو ملا کر بنائے گئے ہیں۔

ذیل کے لفظوں کو پڑھ کر ان پر غور کیجیے:

میٹھا سے مٹھائی | کالا سے کالک | موٹا سے موٹاپن/ مُٹاپا | چار سے چوتھائی | زندہ سے زندگی

ان مثالوں میں پہلے خانے کے الفاظ صفت ہیں۔ دوسرے خانے میں انھی صفات میں کچھ تبدیلی سے جو لفظ بنے ہیں، وہ اسم ہوگئے ہیں یعنی 'میٹھا' صفت ہے اور اس سے بننے والا لفظ 'مٹھائی' اسم ہے۔

اب ان مثالوں کو دیکھیے:

آنا سے آہٹ | سینا سے سلائی | سجانا سے سجاوٹ | کھیلنا سے کھیل | پھسلنا سے پھسلن | آزمانا سے آزمائش

ان خانوں میں پہلے خانے کے الفاظ فعل کے مصدر ہیں۔ دوسرے خانے میں انھی مصدروں میں کچھ تبدیلی سے جو لفظ بنے ہیں، وہ اسم ہوگئے ہیں یعنی 'آنا' فعل ہے اور اس سے بننے والا لفظ 'آہٹ' اسم ہے۔

آپ لفظ سازی کے باب میں دو قسم کے مرکبات سے واقف ہیں:

۱۔ دو بامعنی لفظوں سے بننے والے نئے الفاظ۔ ان میں کسی ایک زبان کے یا دو مختلف زبانوں کے الفاظ ملتے ہیں جیسے خوش پوش، تیز دھار، ڈاک ٹکٹ، آپ بیتی وغیرہ۔

۲۔ مصدر کے امر کے بعد لاحقوں کے اضافے سے جیسے آنا سے آہٹ، سجانا سے سجاوٹ، فرمانا سے فرمائش وغیرہ۔

لفظ سازی کا ایک طریقہ اور ہے جس میں ایک لفظ میں صوتی تبدیلی سے نئے الفاظ بنتے ہیں جیسے کھیلنا سے کھلاڑی/ کھلواڑ، اس صوتی تبدیلی کو **تصریف** کہتے ہیں۔

تصریف کا یہ عمل کیسے واقع ہوا؟

کھیلنا مصدر سے علامت مصدری 'نا' نکلنے سے نیا لفظ 'کھیل' رہا۔ اس نئے لفظ میں اندرونی صوتی تبدیلی واقع ہوئی یعنی لفظ 'کھیل' کا حرفِ علت 'ے' نکل کر 'کھِل' رہ گیا جس کے بعد 'اڑی' کی آوازوں کا اضافہ کیا گیا۔ نیا لفظ بنا 'کھلاڑی'۔

اسی طرح 'کھل' کے بعد 'واڑ' کا اضافہ کرنے پر ایک اور لفظ 'کھلواڑ' سامنے آیا۔ اس طرح اندرونی صوتی تبدیلیوں سے لفظ سازی کو **داخلی تصریف** کہتے ہیں۔ دوسری مثالیں:

جلنا ← جلن ← جلایا

مردہ ← مردار ← مردگی

اُردو میں بہت سے عربی الفاظ بھی شامل ہیں جو اسی طرح داخلی تصریف سے بنتے ہیں۔ ان کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں مثلاً

قتل، قاتل، مقتول، قتال

کتاب، کاتب، مکتوب، کتبہ، مکاتب، مکاتیب

مشقی سرگرمیاں

* ذیل کے الفاظ سے داخلی تصریف کے پیشِ نظر نئے الفاظ بنائیے۔

جذب ....
فرض ....
طلب ....
شجر ....

* ذیل کے لفظی مرکبات کو جدول کے مطابق تقسیم کیجیے۔

خوش پوش ، تیز دھار ، تراش خراش ، تیز قدم ، چال ڈھال ، تفریح گاہ ، ڈاک ٹکٹ ، مٹرگشت ، اَدھ کھلا پھول ،
خوشبودار تیل، بیش قیمت ، گرم جوشی ، نوعمر ، کتب خانہ ، لغت نویسی ، بس اڈّا ، کفن چور

عربی + ہندی	فارسی + فارسی	فارسی + ہندی	عربی + فارسی	عربی + عربی	ہندی + ہندی	انگریزی + ہندی

* ذیل کی صفات سے اسم بنائیے۔

صفات	اسم
کمزور	
دبلا	
سفید	
گندہ	
محنتی	

* ذیل کے افعال سے اسم بنائیے۔

افعال	اسم
بخشنا	
جلنا	
اُکتانا	
لگنا / لگانا	
اُترنا	

حصّۂ نظم

۱

میری دعا

صفؔی اورنگ آبادی

پیش درس

مناجات اُردو نظم کی ایک موضوعی صنف ہے۔ مناجات کے معنی دعا، عرض اور التجا کے ہوتے ہیں۔ وہ نظم جس میں شاعر اپنی عاجزی، انکسار اور عجز کے ساتھ خدا کی بزرگی بیان کر کے برائیوں اور گناہ سے نجات کی دعا کرتا ہے، مناجات کہلاتی ہے۔ مناجات میں شاعر خدا کے حضور اپنی بندگی کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی بے بضاعتی اور حاجات کا اظہار کرتا ہے۔ ہمارے شعرا نے نظم کے پیرایے ہی میں مناجات کہی ہیں۔ عام طور پر حمد اور مناجات میں معنی و مفہوم کے لحاظ سے امتیاز نہیں کیا جاتا لیکن حمد اور مناجات میں فرق ہوتا ہے۔ حمد میں شاعر خالصتاً خدا کی تعریف کرتا ہے جبکہ مناجات میں خدا کی تعریف کے ساتھ اس کے حضور اپنی ضروریات بھی پیش کرتا ہے۔ اگرچہ خدا ہمارے دلوں کے حال جانتا ہے لیکن مناجات میں دعا کرتے وقت شاعر اپنے دل کی کیفیت، اپنی بے بسی، اپنی مجبوری اور اپنے حالات کی خرابی کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے حالات کی بحالی کا طالب ہوتا ہے۔

جان پہچان

صفؔی کا اصل نام بہاء الدین صدیقی تھا۔ ان کی پیدائش اورنگ آباد میں ۱۲؍ فروری ۱۸۹۳ء کو ہوئی۔ ان کے والد حکیم محمد منیر صفؔی کو طبیب بنانا چاہتے تھے لیکن صفؔی نے درمیان ہی میں تعلیم چھوڑ کر ملازمت شروع کر دی۔ انھوں نے کئی ملازمتیں اختیار کیں لیکن ان کا زیادہ رجحان شاعری کی طرف تھا۔ اس فن میں ان کے بہت سے شاگرد بھی تھے۔

صفؔی اورنگ آبادی داغؔ دہلوی کے بعد اُردو شاعری کے ایک ایسے شاعر ہیں جنھوں نے محاورات، ضرب الامثال اور نئے شعری اظہار کو بہ حسن و خوبی برتا۔ سلاست، شگفتگی اور برجستگی ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ صفؔی کا انتقال حیدرآباد میں ۲۱؍ مارچ ۱۹۵۴ء کو ہوا۔ ۱۹۶۵ء میں ان کے شاگرد خواجہ شوقؔ نے ان کا مجموعۂ کلام 'پراگندہ' کے نام سے شائع کیا۔

تُو وہ ہے جو ہر ایک کی بگڑی سنوار دے
میری مراد بھی ، مرے پروردگار ، دے

کونین میں ذلیل نہ کر سب کے روبرُو
ایمان و عیش و دولت و عزّ و وقار دے

تیرا یہ حکم ، مانگ ہر اک چیز مجھ سے مانگ
میری دُعا کہ دے ، مرے پروردگار ، دے

دل کو مرے ہر ایک طرح مطمئن بنا
غم دے تو غم کے ساتھ کوئی غمگسار دے

آنکھوں کو ایسی لذتِ دیدار ہو نصیب
ہر دَم جو مجھ کو کیفِ مئے خوشگوار دے

محفوظ رکھ فریبِ سفید و سیاہ سے
گردش نہ مجھ کو گردشِ لیل و نہار دے

دُنیا میں کچھ بھی قدرِ محبت نہیں رہی
نالہ جگر گُداز و نَفَس شعلہ بار دے

داتا کی شان یہ ہے کہ جاری ہو اُس کی دین
سائل کا شیوہ یہ ہے کہ دامن پسار دے

مطلب سمجھ میں آئے بقائے دَوام کا
ایسا سبق یہ زندگیِ مستعار دے

میں بار بار مانگوں جو درکار ہو مجھے
اور اپنے فضل سے تُو مجھے بار بار دے

حسنِ طلب میں مجتہدِ عصر ہے صفؔی
وہ تجھ سے ایک مانگے ، تو اُس کو ہزار دے

معانی واشارات

کونین	دونوں جہان	بقائے دوام	ہمیشہ کی زندگی
عیش	آسودگی،فراغت،راحت	زندگیِ مستعار	عارضی زندگی
کیف	نشہ	حسنِ طلب میں مجتہدِ عصر ہے	مرادخدا سے مانگنے میں شاعر نئے نئے طریقے اختیار کرتا ہے
جگرگداز	متاثر کرنے والا		

مشقی سرگرمیاں

٭ خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ مناجات سے موزوں لفظ تلاش کرکے خاکہ مکمل کیجیے۔

ذِلت سے بچانے والی چیزیں

۲۔ مناجات سے موزوں لفظ تلاش کرکے خاکہ مکمل کیجیے۔

شاعر کی طلب

	نفس	آنکھ	
	غم	دل	

۳۔ مناجات پڑھ کر ذیل کے خاکے میں متعلقہ الفاظ لکھیے۔

لذت	فریب	گردش	نالہ

٭ مناجات کے مصرعوں کے حوالے سے خاکے میں موزوں جملہ/فقرہ لکھیے۔

خدا کی صفت ← ______

خدا کا حکم ← ______

میری دعا ← ______

سائل کا شیوہ ← ______

زندگیِ مستعار کا سبق ← ______

٭ ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ مناجات میں اللہ تعالیٰ سے جن باتوں کی التجا کی گئی ہے،انھیں تفصیل سے لکھیے۔

۲۔ دنیا میں محبت کی قدر کی بقا کے لیے شاعر کی خواہش تحریر کیجیے۔

۳۔ مناجات کی روشنی میں خدا کی صفات کے بارے میں لکھیے۔

۴۔ حفاظت سے متعلق شاعر کی التجا کو بیان کیجیے۔

۵۔ دنیا سے متعلق شاعر کے احساس اور دعا کو لکھیے۔

٭ درج ذیل اشعار کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ محفوظ رکھ فریبِ سفید و سیاہ سے
گردش نہ مجھ کو گردشِ لیل و نہار دے

۲۔ مطلب سمجھ میں آئے بقائے دوام کا
ایسا سبق یہ زندگیِ مستعار دے

۳۔ میں بار بار مانگوں جو درکار ہو مجھے
اور اپنے فضل سے تو مجھے بار بار دے

۴۔ حسنِ طلب میں مجتہدِ عصر ہے صفیؔ
وہ تجھ سے ایک مانگے ، تو اس کو ہزار دے

٭ درج ذیل مصرعے پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

دنیا میں کچھ بھی قدرِ محبت نہیں رہی

٭ ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

ا۔ بقائے دوام اور زندگیِ مستعار جیسی ترکیبوں کے بارے میں لکھیے۔
۲۔ مناجات سے صنعتِ تضاد کا شعر تلاش کر کے لکھیے۔

٭ درج ذیل فقروں کے لیے صرف ایک مصرعہ لکھیے۔

ا۔ کونین سے متعلق شاعر کی دعا
۲۔ داتائی کی شان
۳۔ بقائے دوام کو سمجھنے کے لیے شاعر کی التجا
۴۔ شاعر کا حسنِ طلب

سرگرمی/منصوبہ :

مشہور شعرا کی چند مقبول مناجات کا البم تیار کیجیے اور مناجات پر جامع تبصرہ لکھیے۔



۲ خیر صفات رسولؐ

صبیح رحمانی

پیش درس

نعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کو کہتے ہیں۔ اس میں آپؐ کے اوصاف بیان کیے جاتے ہیں۔ آپؐ کی سیرت، حالاتِ زندگی، معمولات اور ولادت اور وفات کے احوال منظوم کیے جاتے ہیں۔ نعت نگاری کی ابتدا عربی شاعری میں حضورؐ کے زمانے سے ہوگئی تھی۔ اُس زمانے کے نامور عرب شعرا نے آپؐ کی شانِ اقدس میں اشعار کہے، قصیدے لکھے۔ نعت نگاری کی روایت عربی اور فارسی سے ہوتی ہوئی اُردو میں پہنچی۔ اُردو میں بعض ایسے شعرا بھی ہوئے ہیں جنھوں نے صرف نعت ہی پر طبع آزمائی کر کے شہرت حاصل کی۔ حضورؐ کی تعریف و توصیف میں عقیدت شامل ہوجانے کی وجہ سے تقدیسی شاعری میں نعت کو بلند مقام حاصل ہے اور نعتیہ اثاثے کو مقدس مانا جاتا ہے۔

اُردو میں نور نامے، میلاد نامے، معراج نامے، وفات نامے، منظوم سیرتِ رسولؐ اور غزوات سے متعلق جنگ نامے نعتیہ شاعری کے موضوعات رہے ہیں اور قدیم ادب سے آج جدید ادب تک ان موضوعات پر مسلسل لکھا جاتا رہا ہے۔ شروع میں مثنوی کے ایک جزو کے طور پر اُردو میں نعتیں لکھی گئیں۔ پھر آپؐ کے حالاتِ زندگی اور واقعات کو مثنویوں میں پیش کیا جانے لگا۔ ایسی نعتیہ مثنویوں کی ایک روایت اُردو ادب میں دِکھائی دیتی ہے۔ ان نعتیہ مثنویوں کے موضوعات واقعۂ معراج، آپؐ کی سیرت سے جڑے قصے وغیرہ ہوا کرتے تھے۔ بعد میں خالص نعتیں لکھی جانے لگیں اور کئی اہم شعرا کے نام سامنے آئے۔

جان پہچان

سیّد صبیح رحمانی ۲۷ رجون ۱۹۶۵ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ ان کے آبا و اجداد کا تعلق مہاراشٹر کے شہر بیڑ سے تھا۔ صبیح نے بی.اے. سیاسیات میں اور ایم.اے. اُردو میں کرنے کے بعد ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کے محکمے میں ملازمت اختیار کی۔ انھیں بچپن ہی سے نعت خوانی کا شوق رہا۔ پھر نعت نگاری کی طرف توجہ کی اور مولانا نیّر مدنی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ 'ماہِ طیبہؐ، جادۂ رحمت، خوابوں میں سنہری جالی ہے اور سرکارؐ کے قدموں میں' ان کے نعتیہ مجموعے ہیں۔ شاعری کی طرح نثر میں بھی صبیح رحمانی کی نعتیہ ادب پر بہت سی کتابیں شائع ہوچکی ہیں لیکن نعتِ رسولؐ کے فروغ کے سلسلے میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ 'نعت رنگ' کی اشاعت ہے۔ یہ ضخیم رسالہ گزشتہ ۲۲-۲۰ برسوں سے بلا ناغہ نکل رہا ہے اور تقدیسی ادب میں اس کی علیٰحدہ شناخت قائم ہے۔

صبیح رحمانی کو نعت نگاری سے والہانہ محبت ہے۔ اس تقاضے کو پورا کرنے کے لیے وہ کئی نعتیہ رسائل کی مجلسِ ادارت میں شریک ہیں۔ نعت خوانی کے لیے انھیں بیرونی ممالک بھی بلایا جاتا ہے۔ نعتیہ ادب پر ان کی مجموعی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں 'تمغۂ امتیاز' سے نوازا گیا ہے۔ ہند و پاک اور بیرون ملک کی مختلف یونیورسٹیوں میں صبیح رحمانی کی نعتیہ و ادبی خدمات پر تحقیقی مقالات لکھے گئے ہیں۔

سرد ہُوا نفرت کا جہنم ، کھلے پیار کے پھول
وہ آئے تو وحشی لمحے سب ٹھہرے معزول
خیر صفات رسولؐ

وہ جو چلے تو عرش سے پہنچا ان کو حرفِ سلام
ان سے پہلے کب کوئی بندہ تھا قوسین مقام
اُن کی عظمت کے آگے ہیں سب کی انائیں دھول
خیر صفات رسولؐ

اُن سے پہلے کس نے دیکھے رحمت کے یہ رنگ
لب پہ دعاؤں کی خوشبو ہے ، جسم پہ بارشِ سنگ
راہ میں کانٹے بچھانے والے پائیں دعا کے پھول
خیر صفات رسولؐ

اُن سے حسنِ خُلق عبارت ، وہ ہی نورِ سُبُل
خیر کا مرجع ، رحم کا پیاں یعنی ختمِ رُسُل
عفو ، محبت اور سچائی جن کے خاص اُصول
خیر صفات رسولؐ

حسنِ عمل کی بات نہیں ہے ، یہ ہے کرم کی بات
حرف صدائیں دیتے ہیں جب لکھتا ہوں میں نعت
لکھواتے ہیں مجھ سے ، مدحت ہوتی ہے مقبول
خیر صفات رسولؐ

معانی و اشارات

خیر صفات - نیک صفات
وحشی لمحے - مراد زمانۂ جاہلیت
معزول - ختم
قوسین مقام - مراد رسول اللہؐ
دھول ہونا - اہمیت ختم ہونا
حسنِ خُلق - اچھے اخلاق
سُبُل - سبیل کی جمع ، راستے
نورِ سبل - مراد اللہ کے راستوں کی روشنی (ہدایت)

خیر کا مرجع - نیکی کے لیے جس کی طرف رجوع کیا جائے ، مراد رسول اللہؐ
عفو - معافی
مدحت - تعریف

مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ نظم سے موزوں لفظ تلاش کرکے خاکہ مکمل کیجیے۔

صفاتِ رسولؐ

۲۔ لفظی تراکیب پر مبنی خاکہ مکمل کیجیے۔

لفظی تراکیب

* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ آپؐ کی عظمت کے آگے 'سب کی انائیں دھول' کا مفہوم تحریر کیجیے۔

۲۔ دوسرے بند میں آپؐ کی زندگی کے جس واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اُسے مختصراً بیان کیجیے۔

۳۔ رسولِ اکرمؐ کے عفو و درگزر پر کہے گئے بند کا مطلب لکھیے۔

۴۔ قرآن کریم کی وہ آیت تحریر کیجیے جس کے مفہوم کو تیسرے بند میں بیان کیا گیا ہے۔

۵۔ ''اُن سے پہلے کب کوئی بندہ تھا قوسین مقام'' یہ مصرعہ جس واقعے کی طرف اشارہ کرتا ہے، اسے چند جملوں میں تحریر کیجیے۔

* درج ذیل کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ سرد ہُوا نفرت کا جہنم، کھلے پیار کے پھول
وہ آئے تو وحشی لمحے سب ٹھہرے معزول
خیر صفات رسولؐ

۲۔ اُن سے حسنِ خُلق عبارت، وہ ہی نورِ سُبُل
خیر کا مرجع، رحم کا پیاں یعنی ختمِ رُسُل
عفو، محبت اور سچائی جن کے خاص اُصول
خیر صفات رسولؐ

* ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ نعتِ رسولؐ سے صنعتِ تضاد کے مصرعے تلاش کرکے لکھیے۔

۲۔ پہلے بند کی صنعتِ تلمیح کو وضاحت کے ساتھ قلم بند کیجیے۔

۳۔ نعتِ رسولؐ کے قافیوں کو معنی کے ساتھ تحریر کیجیے۔

۴۔ اس نعت میں آنے والی تلمیحات تلاش کرکے لکھیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ اس نظم میں بیان کی گئی اللہ کے رسولؐ کی صفات کے علاوہ مزید صفات سیرت کی کسی کتاب سے تلاش کرکے لکھیے۔

۲۔ سیرتِ رسولؐ پر لکھی ہوئی کوئی دو کتابوں اور ان کے مصنّفین کے نام لکھیے۔



۳ بیان کنچن پٹن کے بادشاہ اور اس کے خواب کا

ابنِ نشاطیؔ

پیش درس

مثنوی عربی لفظ ہے۔ اس کا مصدر 'مثنیٰ' ہے جس کے معنی 'دو' کے ہوتے ہیں۔ اس مسلسل نظم کو مثنوی کہتے ہیں جس کے ہر شعر میں دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں۔ پوری نظم کا وزن ایک ہوتا ہے۔ شعروں کی تعداد مقرر نہیں ہوتی۔ ہر شعر میں قافیہ بدلنے کی وجہ سے مثنوی نگار کو یہ سہولت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اشعار کہہ سکے۔ مثنوی کی شکل میں جو ضخیم داستانیں پائی جاتی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ مثنوی نگار ایک طرح کے قافیوں کا پابند نہیں ہوتا، وہ ہر شعر کے دونوں مصرعوں میں نئے نئے قافیے استعمال کرتا ہے اور اپنی صلاحیتوں کا آزادانہ مظاہرہ کرتا ہے۔ اُردو کی پہلی مثنوی فخر الدین نظامی کی 'کدم راؤ پدم راؤ' ہے۔ اس کے بعد کے شعرا میں میر تقی میرؔ، میر حسنؔ اور دیا شنکر نسیمؔ نے اس فن کو آگے بڑھایا۔

مثنوی بیانیہ شاعری ہے۔ اس میں فلسفہ، تصوف، تاریخ اور قصہ کہانی کے متن کو بیان کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ ہماری روایتی مثنویوں میں کوئی عشقیہ قصہ کسی ملک کے حوالے سے بیان کیا جاتا تھا اس لیے اس ملک کی سماجی، سیاسی اور معاشرتی ماحول کی عکاسی بھی یہاں ضروری تھی۔ چنانچہ مثنوی جس ملک یا شہر میں واقع ہو رہی ہے اس کی حدودِ اربعہ، مکانات، باغات، راستے غرض شہر کا تعارف مثنوی کی روایت میں شامل تھا۔ ابنِ نشاطیؔ کی مثنوی 'پھول بن' میں شہر کنچن پٹن کا تذکرہ آیا ہے۔ شاعر نے اس سونے کے شہر کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں۔ اس شہر کا بادشاہ بھی نامور، با اخلاق اور رعایا کا خیال رکھنے والا تھا۔ مثنوی میں شام اور رات ہونے کے مناظر بڑی خوب صورتی سے بیان کیے گئے ہیں۔

جان پہچان

ابنِ نشاطیؔ کا اصل نام شیخ محمد مظہر الدین تھا۔ ان کے سنۂ پیدائش میں اختلاف ہے۔ اُن کی ولادت کا سال ۱۶۳۱ء اور ۱۶۳۵ء کے درمیان بتایا جاتا ہے۔ ابنِ نشاطیؔ گولکنڈہ کے رہنے والے تھے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے درباری شاعر تھے۔ انھیں فارسی زبان پر خاصی قدرت حاصل تھی۔ وہ اپنے زمانے کے مقبول مثنوی نگار تھے۔ مثنوی کے علاوہ دیگر اصناف میں بھی انھوں نے طبع آزمائی کی ہے۔ مثنوی 'پھول بن' فارسی قصوں کے مجموعے 'بساتین الانس' کا بامحاورہ اور سلیس دکنی ترجمہ ہے۔ حسنِ بیان اور اثر آفرینی نے اس مثنوی کو اُردو ادب میں مقبول کر دیا۔

ابنِ نشاطیؔ کی تمام تر شہرت اُن کی مثنوی 'پھول بن' کی وجہ سے ہے۔ یہ مثنوی لفظی اور معنوی خوبیوں سے پُر ہے۔ مثنوی میں ابنِ نشاطیؔ نے جو زبان استعمال کی ہے وہ کسی حد تک فارسی آمیز ہے اس کے باوجود اس میں دکنی مزاج اور میلان کا پتا چلتا ہے۔ دکنی ادبیات میں ایسی مثنویوں کی کمی نہیں جو مقامی قصوں سے ماخوذ ہیں لیکن ہندوؤں اور مسلمانوں کے اشتراک سے جو مخلوط معاشرت پیدا ہوئی تھی اور اس کا جو اثر اپنے زمانے کے قصوں پر پڑا، دکنی مثنویوں میں اس کی بھرپور اور کامیاب نمائندگی مثنوی 'پھول بن' میں نظر آتی ہے۔

کَتے یک شہر مشرق کے کَدَن تھا — کہ اس کا ناؤں سوں کنچن پٹن تھا
کنْچن کے تھے محل، کنچن کی دیوار — کنْچن پر پھر کنْچن لیپے تھے ہر ٹھار
کنْچن کی تھی زمیں کنچن کے جھاڑاں — گھراں کنچن کے، کنْچن کے کواڑاں

گگن کے تَل کیں ایسا شہر نادر — نہیں دیکھے تھے انکھیاں کے مسافر
عجب تاثیر تھا واں کی ہوا کا — سدا ہنگام تھا نشو و نما کا
سُکی لکڑی اگر کُئی لاکو گاڑے — وو لکڑی سبز ہو شاخاں کوں کاڑے
بکھیرے تو زمیں پر واں کی کانٹے — تھے پھُٹتے پل میں پھولاں کے ہو پھانٹے
سدا خوش حال تھے سب لوگ واں کے — تھے خاطر جمع، واں کے ساکناں کے
جِتا لیوے بی ، عشرت کم نہ تھا واں — اتھا سب کچھ ولے یک غم نہ تھا واں
اتھا اس شہر کا اک نامور شاہ — سُلکھّن سلطنت کے برج کا ماہ
شہاں میں جگ کے اس کوں سروری تھی — جگت کے سروراں میں برتری تھی
اطاعت میں تھے اس کے تاج داراں — تھے اس کے ضبط میں سب شہر یاراں
نہ تھا ثانی اوسے روئے زمیں پر — تھے اس کے حکم میں سب بحر ہور بر
جو کُئی ہو خار آوے شاہ کے گھر — تو گُل کے ناد دامن ہووے پُر زر
جو کُئی باتاں کی سیپیاں کوں پسارے — کرے مطلب کے پُرموتیاں وو سارے
لیا سو عدل کا نور آپ نے ہات — نہ تھی اس دیس میں کَیں ظلم کی بات
خریفاں پک جو کملاویں میہوں بِن — کرے تاکید بادل کوں اسی چِھن
چُرا لیوے کدھیں جو دھرت میں نیر — دھرت کوں کھود کاڑے نیر کوں پھیر
جگت تھا باغ ، شہ جوں باغباں تھا — ہمیشہ تازہ اس سوں سب جہاں تھا
دیون ہارا خبر اس نو انبّر کا — کَتا ہے بات سورج ہور چندر کا
بلندی سٹ ، سُرج پکڑیا جو پستی — کیا مغرب کے جا معبد میں بستی
مشعل لے چاند کا وَیں بھار آیا — مصلّا جگ پو چندنی کا بچھایا
جو مغرب کی نشانیاں مکھ دکھائے — سو عالم نیند کے سجدے میں آئے
ہُوا حاصل جو راحت کا فراغت — بچھانے پر کیا شہ استراحت
سو دیکھا خواب میں درویش کوں ایک — دُنیا کے عاقبت اندیش کُؤں ایک
ہُوا یک بارگی وہ شاہ بیدار — ہُوا سو خواب کی مستی سوں ہُشیار
اگرچہ بھوت کچھ دِستے اہیں خواب — ولے دیکھے ہیں تیوں، کم پائے ہے لاب
فَاَمّا خواب جو دیکھے اہیں رات — کَدِھیں سچ بی ہوا ہے بعضے اوقات

معانی و اشارات

کَتے – کہتے

کَدَن – طرف

نانْوں – نام

کنچن – سونا (مثنوی میں اس لفظ کا استعمال دوطرح سے کیا گیا ہے (۱) کس-چن (۲) کن-چن)

ٹھار – جگہ

تل – نیچے، تلے

کَیں – کہیں

سُکی – سوکھی

کُئی – کوئی

کاڑے – نکالے

پھٹنا – نشو ونما پانا

پھانٹے – شاخیں

جِتا – جتنا

لیوے – لینا

بی – بھی

سُلکھّن – اچھے کردار والا

شہاں – شاہ کی جمع

جگ – دنیا

سروراں – سردار

اوسے – اُسے

ہور – اور

ناد – طرح، جیسے

خریفاں پک – خریف کی فصل

کملاویں – کمھلائیں، مرجھائیں

میہوں – بارش

چھن – لمحہ، چھن

کدھیں – کبھی

دھرت – دھرتی، زمین

نیر – پانی

پھیر – پھر، دوبارہ، واپس

جوں – جو

دیون ہارا – دینے والا

نو انبر – نو آسمان

کتا – کہتا

سٹ – جلدی

سُرج – سورج

بستی کرنا – آباد ہونا

پکڑیا – پکڑا

وَیں – وہیں

بھار – باہر

پو – پر

چندنی – چاندنی

دِستے – نظر آتے

بچھانے – بستر

اَہیں – ہیں

ولے – لیکن

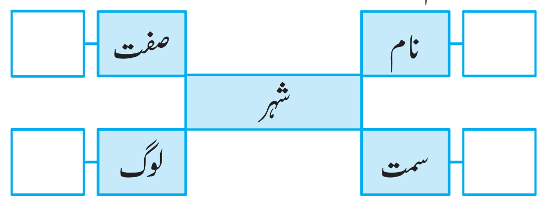
لاب – لابھ، فائدہ

فَاَمّا – پس اگر

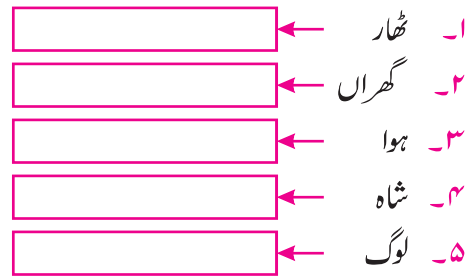
مشقی سرگرمیاں

٭ خاکے پر مبنی سرگرمیاں

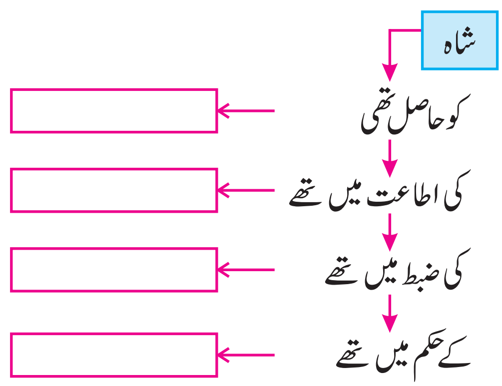
۱۔ نظم سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔



۲۔ دیے گئے الفاظ کی مناسبت سے پٹن شہر کی خوبیوں کو ظاہر کرنے والے مصرعے لکھیے۔



۳۔ شاہ کی خوبیوں کو ظاہر کرنے والا رواں خاکہ مکمل کیجیے۔



٭ ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ شاعر نے کنچن پٹن کی جو خوبیاں بیان کی ہیں، انھیں لکھیے۔

۲۔ کنچن پٹن کی آب و ہوا کی تاثیر کو قلم بند کیجیے۔

۳۔ کنچن پٹن کے بادشاہ کی خوبیاں ترتیب وار لکھیے۔

۴۔ مثنوی میں بیان کیا گیا شام کا منظر تحریر کیجیے۔

۵۔ بادشاہ کے خواب کا ذکر قلم بند کیجیے۔

۶۔ رات اور دن کے تغیر کو شاعر نے جس طرح بیان کیا ہے، اُسے وضاحت سے لکھیے۔

۷۔ بادشاہ کو تسلی دینے والے اشعار کا مفہوم لکھیے۔

٭ اسباب بیان کیجیے۔

۱۔ کنچن پٹن میں فصلوں کا خراب نہ ہونا۔

۲۔ آسمان کے نیچے ایسا نادر شہر کسی آنکھ والے نے نہیں دیکھا تھا۔

٭ درج ذیل اشعار کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ چرا لیوے کدھیں جو دھرت میں نیر
دھرت کوں کھود کاڑے نیر کوں پھیر

۲۔ دیون ہارا خبر اس نو انبر کا
کَتا ہے بات سورج ہور چندر کا

۳۔ فَـاَمّا خواب جو دیکھے اَہیں رات
کدھیں سچ بی ہوا ہے بعضے اوقات

٭ درج ذیل موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

۱۔ مثنوی کے پیش نظر آپ جمہوری حکمرانوں میں جو خوبیاں دیکھنا چاہتے ہیں۔

۲۔ خواب اور حقیقت

٭ ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ درج ذیل شعر میں برتی گئی صنعت کی شناخت کیجیے۔
جو کُئی باتاں کی سیپیاں کوئں پیارے
کرے مطلب کے پُر موتیاں وو سارے

۲۔ مثنوی سے ان پانچ اشعار کی نشان دہی کیجیے جن میں ردیف استعمال کی گئی ہے۔

۳۔ مثنوی سے تضاد اور مبالغے کے شعر تلاش کر کے لکھیے۔

۴۔ سابقہ 'دار' کا استعمال کر کے اس سے الفاظ بنائیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

میر حسؔن کی مثنوی 'سحرالبیان' حاصل کر کے پڑھیے اور اس کے زبان و بیان، واقعات کی ترتیب اور شعری پیشکش پر اپنا تبصرہ تحریر کیجیے۔

۴ در مدحِ نواب آصف الدّولہ

میر تقی میرؔ

پیش درس

عام طور پر بادشاہوں اور نوابوں کی تعریف میں کہی جانے والی نظم کو قصیدہ کہتے ہیں۔ آج کل درباروں میں جا کر قصیدے پڑھنے کا رواج نہیں رہا کیونکہ بادشاہ اور نواب ہی نہیں رہے مگر اُردو شاعری میں قصیدہ نگاری کی ایک اہمیت ہمیشہ رہی ہے۔ شاعر قصیدے میں بادشاہ یا نواب کی تعریف خوب بڑھا چڑھا کر کرتا اور صلے میں انعام و اکرام پاتا۔ اُردو شعرا میں مرزا محمد رفیع سوداؔ، شیخ ابراہیم ذوقؔ اور مرزا غالبؔ کے قصیدے مشہور ہیں۔ غالبؔ اور ذوقؔ دونوں نے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ کے دربار میں قصیدے پڑھے ہیں۔ بادشاہ کے علاوہ ان کے امیروں یا نوابوں کے محلوں میں عید بقرعید کے موقعوں پر شاعر قصیدے پیش کرتے تھے۔

اُنیسویں صدی میں جب مغل حکومت اپنے خاتمے پر پہنچ رہی تھی، اُردو شاعری میں قصیدے کی روایت زوروں پر تھی۔ دہلی کے دربار کے ساتھ لکھنؤ، حیدرآباد وغیرہ ریاستوں میں بڑے بڑے دربار قائم تھے اور شعرا یہاں پہنچ کر نوابوں کی خدمت میں قصیدے پیش کر کے خوب انعام و اکرام حاصل کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ملکی حکومتوں کے بعد انگریز حکومت میں بہت سے شاعر انگریز گورنروں کی خدمت میں قصیدے سنایا کرتے تھے۔

جان پہچان

میرؔ کا پورا نام میر محمد تقی تھا۔ ان کی پیدائش ۱۷۲۳ء میں اکبرآباد (آگرہ) میں ہوئی۔ ابھی وہ دس گیارہ برس کے تھے کہ اُن کے والد محمد علی (علی متقی) کا انتقال ہوگیا۔ تلاشِ معاش کے لیے میرؔ کو کم عمری ہی میں دہلی آنا پڑا۔ ابتدا میں اپنے سوتیلے ماموں خان آرزوؔ کے یہاں قیام کیا۔ خان آرزوؔ کا شمار اُس وقت کے اہم اساتذۂ سخن میں ہوتا تھا۔ میرؔ نے اُن سے کافی استفادہ کیا۔

میرؔ نے دہلی کی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ نادر شاہ کا حملہ زیادہ تباہ کن ثابت ہوا جس کے نتیجے میں بیشتر اہلِ کمال دہلی چھوڑ کر دوسرے علاقوں کی طرف نکل گئے۔ لکھنؤ میں اُس وقت نواب آصف الدولہ اہلِ فن کی پذیرائی کر رہے تھے۔ اس وجہ سے لکھنؤ صاحبانِ کمال کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ مرزا سوداؔ کے انتقال کے بعد آصف الدولہ نے سفر خرچ دے کر میرؔ کو لکھنؤ آنے کی دعوت دی۔ دہلی میں میرؔ کے حالات نہایت خراب تھے۔ چنانچہ میرؔ بھی نواب آصف الدولہ کی دعوت پر ۱۷۸۱ء میں دہلی چھوڑ کر لکھنؤ چلے گئے۔ وہ جب تک لکھنؤ دربار میں رہے انھوں نے آصف الدولہ کی مدح میں قصیدے لکھے۔ انھوں نے زندگی کے آخری ایّام لکھنؤ میں گزارے اور وہیں ۱۸۱۰ء میں وفات پائی۔

میرؔ کی زبان سادہ، دلکش اور شگفتہ ہے۔ غزل ان کی پسندیدہ صنفِ سخن تھی مگر غزلوں کے علاوہ انھوں نے قصیدے، مثنویاں، مرثیے، قطعات، رباعیات، مثلث، واسوخت، مخمس، مسدّس سبھی اصناف اور اسالیب میں اپنے آثار چھوڑے ہیں اسی لیے اُنھیں 'خدائے سخن' کہا جاتا ہے۔ اُردو کے چھے دیوان کے علاوہ ایک فارسی دیوان بھی ان کی یادگار ہے۔ فارسی نثر میں خودنوشت سوانح 'ذکرِ میر' اور شعرا کا تذکرہ 'نکات الشعرا' بھی اُن کی اہم تصانیف ہیں۔

رات کو مطلق نہ تھی یاں جی کو تاب
آشنا ہوتا نہ تھا آنکھوں سے خواب

لوٹتا تھا سوزِ غم سے آگ میں
دل جگر سِنکتے تھے دونوں جوں کباب

ناگہاں مجھ سے لگا کہنے سروش
رہ گزر سے لطف کی کر کر خطاب

ہے کریم اب بھی وزیر ابنِ وزیر
آصف الدولہ فلک قدر و جناب

آسماں رتبہ ہے جس کا آستاں
ناز کر طالع پہ جو ہو باریاب

اس کی ہمت سے سخن کیا سرکروں
بات کہتے دے دُر و یاقوتِ ناب

اس کے دست و دل کے رشک وشرم سے
خون ہے دل کان کا ، دریا ہے آب

جم حشم ، انجم سپہ ، گردوں شکوہ
مرجعِ خُرد و کلاں ، عالم مآب

دستِ ہمت اس کا گر دُر بار ہو
پانی پانی شرم سے ہووے سحاب

مال کیا ہے ، ہفت گنجِ خسروی
اک ہی کو نوّاب بخشے ہے شتاب

فخر سام و رستم اس کی بندگی
داخلِ خدّام یاں افراسیاب

جس سحر جرأت سے کھینچی اس نے تیغ
ڈھال رکھّے منہ پہ ، نکلا آفتاب

رزم کے عرصے میں ہل چل پڑ گئی
آسماں کے خیمے کی کانپی طناب

خرمن آسا جل گیا انبوہِ خصم
چل پڑی جو اس کی تیغِ برق تاب

دیو تھے گو معرکے میں بے شمار
ایک ٹھہرا ہو مقابل ، کیا حساب

مدعی کی صف ہے کونجوں کی قطار
لشکری اس فوج کا ہر اک عقاب

موجزن جیدھر ہو وہ دریائے فوج
بستیاں اس سمت کی جیسے حباب

گَرد اس لشکر کی گر ہووے بلند
پھر زمین و آسماں میں ہے حجاب

داوری و منصفی سُن ، دلبراں
چھوڑ دیں عشّاق پر کرنا عتاب

رفعِ بدعت چاہے تو پھر کیا مجال
اُٹھ سکے جو نغمۂ چنگ و رَباب

منعِ مے ہووے تو پھر قدرت ہی کیا
جو گلے سے شیشے کے اترے شراب

خوبیاں ہی خوبیاں سر تا قدم
تب کیا صانع نے تجھ کو انتخاب

کر دعا پر ، میؔر ، اب ختمِ سخن
تو کہے جو کچھ کرے حق مستجاب

زیر دست اس کے رہیں گردن کَشاں
تا قیامت وہ رہے مالک رقاب

معانی واشارات

تاب	برداشت
خواب	نیند
سروش	فرشتہ، غیب کی آواز
آسماں رتبہ	آسماں جیسے بلند مرتبے والا
طالع	قسمت
بات کہتے	فوراً
دُر	موتی
جم حشم	جمشید کی سی شان وشوکت والا
انجم سپہ	ستاروں کی فوج رکھنے والا
شکوہ	شان وشوکت
مرجع	جائے پناہ
عالم آب	دنیا جس کی طرف رجوع کرتی ہے۔
دُربار	موتی برسانے والا
گنجِ خسروی	شاہی خزانہ
شتاب	بلاتوقف، فوراً
سام	ایرانی پہلوان رستم کے دادا کا نام
رزم	جنگ
طناب	خیمے کی رسّی
انبوہِ خصم	دشمنوں کا ہجوم
تیغِ برق تاب	بجلی کو چمکانے والی تلوار مراد بجلی سے زیادہ چمکدار تلوار
کونج	مرغابی
داوری	بادشاہی
رفعِ بدعت	دین میں لائی جانے والی نئی بات کا خاتمہ
چنگ ورَباب	موسیقی کے آلات
مستجاب	قبول کیا گیا
گردن کشاں	باغی، سرکش
رقاب	گردنیں، مراد غلام

مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

میر تقی میر
- پورا نام
- تاریخ پیدائش
- مقامِ پیدائش
- تلاشِ معاش

۲۔ قصیدے سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

نواب آصف الدولہ کے لیے صفاتی الفاظ

۳۔

تلمیحی نام

۴۔ اشاروں کے مطابق جدول مکمل کیجیے۔ شعر قصیدے سے منتخب کیجیے۔

صنعت	شعر	تعریف	وضاحت
مبالغہ	....	....	....
تلمیح	....	....	....
تضاد	....	....	....
تشبیہ	....	....	....

* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ سروش نے جو کچھ کہا ہے، اس کا مفہوم وضاحت کے ساتھ لکھیے۔
۲۔ آصف الدولہ کی تیغ کی تعریف قلم بند کیجیے۔
۳۔ آصف الدولہ کے لشکر کی مدح کے مفہوم کو وضاحت کے ساتھ بیان کیجیے۔
۴۔ آصف الدولہ کی دادرسی اور منصفی کو بیان کیجیے۔
۵۔ شاعر نے نواب کو جو دعا دی ہے، اسے تحریر کیجیے۔
۶۔ شاعر نے نواب آصف الدولہ کے جو اوصاف بیان کیے ہیں انھیں لکھیے۔
۷۔ نواب آصف الدولہ کی سخاوت بیان کرنے والے اشعار اور اُن کا مفہوم لکھیے۔
۸۔ نواب آصف الدولہ کی جرأت اور بہادری کو متن کے حوالے سے بیان کیجیے۔

* اسباب بیان کیجیے۔

۱۔ شاعر کی بے تابی۔
۲۔ شاعر کا نواب آصف الدولہ کا قصیدہ لکھنا۔

* درج ذیل اشعار کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ آسماں رتبہ ہے جس کا آستاں
ناز کر طالع پہ جو ہو باریاب
۲۔ دستِ ہمت اس کا گر دُربار ہو
پانی پانی شرم سے ہووے سحاب
۳۔ مدعی کی صف ہے کونجوں کی قطار
لشکری اس فوج کا ہر اک عقاب
۴۔ رفعِ بدعت چاہے تو پھر کیا مجال
اُٹھ سکے جو نغمۂ چنگ و رباب

* درج ذیل موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

درج ذیل شعر کی روشنی میں نواب آصف الدولہ کی شخصیت۔
خوبیاں ہی خوبیاں سر تا قدم
تب کیا صانع نے تجھ کو انتخاب

* ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ قصیدے سے صنعتِ تلمیح کے اشعار تلاش کر کے لکھیے۔
۲۔ قصیدے سے اس مصرعے کی نشان دہی کیجیے جس میں بادل کا مترادف لفظ استعمال ہوا ہے۔
۳۔ درج ذیل اشعار میں آئی صنعتوں کی نشان دہی کیجیے۔
لوٹتا تھا سوزِ غم سے آگ میں
دل جگر سنکتے تھے دونوں جوں کباب
گرد اس لشکر کی گر ہووے بلند
پھر زمین و آسماں میں ہے حجاب
۴۔ قصیدے سے مراعاۃ النظیر کے اشعار کی نشان دہی کیجیے۔
۵۔ قصیدے سے تضاد کے اشعار تلاش کر کے لکھیے۔
۶۔ شاعر نے جن اشعار میں بڑھا چڑھا کر بات کی ہے، ان اشعار کی نشان دہی کر کے صنعت کا نام لکھیے۔
۷۔ قصیدے سے ان اشعار کا انتخاب کیجیے جن میں محاوروں کا استعمال ہوا ہے۔

سرگرمی/منصوبہ :

مختلف شعرا کے قصیدوں سے دعائیہ اشعار تلاش کر کے لکھیے۔

۵

تیغِ دو پیکر

میر ضمیرؔ

پیش درس

اُردو میں صنفِ مرثیہ کو رزمیہ شاعری سے خاص تعلق ہے۔ مرثیہ واقعتاً رزمیہ تو نہیں ہے لیکن رزم کے ذکر کے بغیر یہ مکمل بھی نہیں ہوتا۔ اس تعلق سے میدانِ جنگ میں سپاہیوں کا جمع ہوکر مستعد ہونا، ہتھیاروں کی کھنک، خود و زرہ کی چمک دمک، گھوڑوں کی ہنہناہٹ، ہاتھیوں کی چنگھاڑیں، ڈھول تاشے کی آوازیں اور پھریروں کی پھڑ پھڑاہٹ میں جنگ کا شور سنائی دیتا ہے۔ دو جنگجوؤں میں رزم آرائی کے وقت خاص طور پر ان کی تلواروں کی تیزی کا بیان مرثیے کا ایک خاص اسلوب ہے۔ انیسؔ و دبیرؔ سے پہلے میر ضمیرؔ نے اس فن کے بیان کو نہایت خوبی سے مرثیے میں پیش کیا ہے۔ دسویں جماعت میں آپ مرثیے کے اجزا اور نویں جماعت میں کربلائی مرثیے اور شخصی مرثیے کے تعلق سے معلومات حاصل کر چکے ہیں۔

جان پہچان

شاعر کا اصل نام میر مظفر حسین اور تخلص ضمیرؔ تھا۔ اُن کی تاریخ و مقام پیدائش کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ دس برس کی عمر سے انھوں نے شاعری کا آغاز کیا تھا اور غزل کہنے لگے تھے۔ اس فن میں انھوں نے مصحفیؔ سے استفادہ کیا اور انھوں نے مرثیہ گوئی میں شہرت حاصل کی۔ مرثیے کے علاوہ میر ضمیرؔ نے غزلیں، مثنویاں، قصیدے، رباعیاں اور مخمس بھی لکھے ہیں۔ 'نسخۂ محبت' اور 'مظہر العجائب' ان کی اہم مثنویاں ہیں۔ 'چہاردہ بند' ان کے چودہ قصائد کا مجموعہ ہے۔ مرثیہ گوئی کی ابتدا ضمیرؔ سے بہت پہلے دکن میں ہو چکی تھی اور لکھنؤ وغیرہ میں بھی اسے مقبولیت حاصل ہو رہی تھی لیکن ضمیرؔ نے مرثیے کو طرزِ نو عطا کیا۔ اسی لیے ضمیرؔ کو جدید مرثیے کا موجد مانا جاتا ہے۔ ضمیرؔ نے خود مرثیے میں سراپا اور جنگ میں صف آرائی کے بیان کو سب سے جدا طرز کہا ہے۔ ان کے مرثیوں کا خاص وصف یہ ہے کہ ان میں بڑی طوالت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان میں اخلاقیات اور دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ ہی مقامی رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ ۱۸۵۵ء میں لکھنؤ میں ان کا انتقال ہوا۔

ذیل کے مرثیے میں ضمیرؔ نے حضرت حسینؓ کے صاحب زادے علی اکبر کی بہادری اور شجاعت کا ذکر بڑے خوب صورت انداز میں کیا ہے۔ اس میں انھوں نے امام حسینؓ کی فوج کی تنظیم کو بیان کرکے واقعہ نگاری کی ایک عمدہ مثال پیش کی ہے۔

اکبر نے جوں ہی میان سے تلوار کو کھینچا — اس تیغ نے میداں میں دِکھایا یہ تماشا
جوں برق تڑپ کر جو گئی تا سر اعدا — گہہ سر کو ، گہے ہاتھ کو ، گہہ پاؤں کو کاٹا
ٹکڑے تنِ کفّار کے اک جا پہ نہیں تھے
تھا سر تو کہیں ، ہاتھ کہیں ، پاؤں کہیں تھے

اک جا پہ وہ تلوار نہ دیتی تھی دِکھائی — جوں مرگِ مفاجات ، اِدھر آئی ، اُدھر آئی
ہونے لگی جو لشکرِ اعدا کی صفائی — ہر طائرِ جاں کرنے لگا تن سے جدائی
تھا شور کہ اس تیغ سے عبرت کا محل ہے
تلوار نہیں یہ ، پرِ شہبازِ اجل ہے

اس صف کے سِرے پر جو چلی تیغ دو پیکر — دم تیغِ دو دم نے لیا اس صف کے سِرے پر
پھر دوسری صف پر جو چلی واں سے پلٹ کر — باقی کسی دشمن کے بدن پر نہ رہا سر
گہ طارمِ اعلیٰ پہ ، گہے فرقِ لعیں پر
گہ فرقِ زمیں ، گہ بہ سر گاوِ زمیں پر

شمشیر جو تھی رنگ میں الماس کی تمثال — مرجان کی تھی شاخ کہ بس خوں سے ہوئی لال
تیروں کے لعینوں کے تواتر پہ چلے بھال — مانند زرہ تھیں سپریں ہاتھوں میں غربال
تھی چشمِ زرہ پوش شجاعت کے جو یَل میں
اک دم میں گرفتار ہوئے دامِ اجل میں

وہ تیغ بلندی سے جو آتی سوئے پستی — پستی میں جلا دیتی تھی وہ خرمنِ ہستی
ہستی کی نہ باقی رہی نامردوں کو مستی — مستی انھیں پر خواب اجل کی ہوئی پستی
جس طرح سے گرتی تھی وہ انبوہ کے اوپر
بجلی بھی تڑپ کر نہ گرے کوہ کے اوپر

معانی واشارات

تیغ دو پیکر	دونوکوں والی تلوار	لعیں	بدبخت، دوزخی
اعدا	عدو کی جمع، دشمن	غربال	چھلنی
گہہ / گہے	گاہ کا مخفف، کبھی	تمثال	پیکر، صورت
مرگِ مفاجات	اتفاقی موت	یل	پہلوان
شہبازِ اجل	موت کا پرندہ (فرشتہ)	مرجان	مونگا
تیغِ دودم	دودھاری تلوار	خرمنِ ہستی	مرادزندگی
طارم	گنبد	انبوہ	ہجوم
فرق	سر		

مشقی سرگرمیاں

٭ خاکے پر مبنی سرگرمیاں

ا۔ پیش درس سے موزوں لفظ تلاش کرکے خاکہ مکمل کیجیے۔

ہتھیاروں کی	خودوزرہ کی	گھوڑوں کی	ہاتھیوں کی	ڈھول تاشے کی	پھریروں کی

۲۔ مرثیے سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

تلوار کے لیے استعمال کیے گئے الفاظ

۳۔ تشبیہی الفاظ کی مدد سے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

شمشیر

رنگ

مانند

شاخ

ہاتھ

* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ یہ مرثیہ جس ہیئت میں لکھا گیا ہے اُسے وضاحت سے بیان کیجیے۔

۲۔ شاعر نے حضرت علی اکبر کی تلوار کی جو تیزی بتائی ہے، اسے لکھیے۔

۳۔ دوسری صف میں تلوار کے چلنے کا اثر بیان کیجیے۔

۴۔ تیغ کے اوپر سے نیچے آتے وقت جو کچھ کرتی تھی اُسے بیان کیجیے۔

* درج ذیل اشعار کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ اکبر نے جوں ہی میان سے تلوار کو کھینچا
اس تیغ نے میداں میں دِکھایا یہ تماشا

۲۔ تھا شور کہ اس تیغ سے عبرت کا محل ہے
تلوار نہیں یہ ، پرِ شہبازِ اجل ہے

۳۔ تھی چشم زرہ پوش شجاعت کے جوئل میں
اک دم میں گرفتار ہوئے دامِ اجل میں

* درج ذیل موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

اس مرثیے سے متعلق ۔

* ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ مرثیے سے تشبیہ کے اشعار کی نشان دہی کیجیے۔

۲۔ مرثیے سے مبالغے کے اشعار کی نشان دہی کیجیے اور مبالغے کی تعریف لکھیے ۔

۳۔ درج ذیل شعر میں برتی گئی صنعتوں کی شناخت کیجیے۔

وہ تیغ بلندی سے جو آتی سوئے پستی
پستی میں جلا دیتی تھی وہ خرمنِ ہستی

۴۔ مرثیے سے صنعتِ تلمیح والے اشعار تلاش کر کے لکھیے ۔

۵۔ مرثیے سے زیر اضافت کی ترکیبیں تلاش کر کے لکھیے ۔

- ....
- ....
- ....
- ....
- ....

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ میر انیسؔ، مرزا دبیرؔ اور وحید اخترؔ نے بہت سے مرثیے لکھے ہیں۔ اپنی لائبریری یا انٹرنیٹ سے تلاش کر کے ان کا مطالعہ کیجیے۔

۲۔ حالیؔ اور چکبستؔ کے شخصی مرثیے تلاش کر کے پڑھیے اور ان پر تبصراتی نوٹ لکھیے ۔

٦ جہان آباد

مرزا محمد رفیع سوداؔ

پیش درس

شہر آشوب ایک موضوعی صنف نظم ہے، جس میں شہر کی بربادی اور شہریوں کی بدحالی کا ذکر ہوتا ہے۔ ابتدا میں یہ قطعوں یا رباعیوں کا مجموعہ ہوتی تھی بعد میں مثنویوں، قصیدوں میں شہر آشوب لکھے جانے لگے اور مسدس، مخمس کی ہیئت کا استعمال کیا جانے لگا۔ شہر آشوب میں شاعر کا رویہ ہمدردانہ ہوتا ہے، اس کے برعکس بعض شعرا تضحیک اور ہجو کا انداز بھی اختیار کرتے ہیں۔

اُردو میں شہر آشوب کا عام رواج محمد شاہ کے زمانے سے ہوا۔ مغلیہ سلطنت کے روبہ زوال ہوتے ہی ابتری کا جو بازار گرم ہوا، اس سے متاثر ہو کر شعرا نے متاثرین کی ہمدردی اور حکام کی ہجو میں ایسی نظمیں لکھیں جو شہر آشوب کی تعریف پر پوری اُترتی ہیں۔ سوداؔ کے اس شہر آشوب میں جہان آباد (دہلی) کی تباہی کا ذکر ہے۔ اُردو کے قدیم شعرا میں ناجیؔ، کمترینؔ، حاتمؔ، بچھی نرائن شفیقؔ وغیرہ کے یہاں شہر آشوب پر نظمیں ملتی ہیں۔ سوداؔ، میرؔ، نظیرؔ، قائمؔ چاند پوری اور جعفر علی حسرتؔ کے یہاں بھی اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔

جان پہچان

سوداؔ کا پورا نام مرزا محمد رفیع تھا۔ ان کے والد شیخ محمد شفیع کابل سے تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے تھے۔ یہیں ۱۷۰۶ء میں سوداؔ کی ولادت دہلی میں ہوئی۔ سوداؔ کا خاندانی پیشہ سپہ گری تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی معاشی زندگی کا آغاز فوج میں ملازمت سے کیا۔ پھر اسے ترک کر کے مختلف امرا کے درباروں سے وابستگی اختیار کی۔ دہلی کی تباہی کے بعد پہلے فرخ آباد پہنچے پھر فیض آباد آ کر نواب شجاع الدولہ کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ نواب آصف الدولہ نے جب اپنا دارالسلطنت لکھنؤ منتقل کیا تو سوداؔ بھی ان کے ساتھ لکھنؤ چلے گئے اور وہیں ۱۷۸۱ء میں انتقال ہوا۔

سوداؔ کا اصل میدان قصیدہ ہے لیکن وہ اپنے عہد کے ممتاز غزل گو بھی ہیں۔ قصیدے میں سوداؔ کی قادر الکلامی کا اندازہ ان کے قصیدوں سے لگایا جا سکتا ہے جو مشکل زمینوں میں لکھے گئے ہیں۔ سوداؔ نے صنفِ مثنوی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ان مثنویات میں بھی مدح اور ہجو کا پہلو غالب ہے۔

کہا میں آج یہ سوداؔ سے کیوں تو ڈانواں ڈول پھرے ہے، جا کہیں نوکر ہو، لے کے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے یہ اس کے جواب میں دو بول جو میں کہوں گا تو سمجھے گا تو کہ ہے یہ ٹھٹھول
بتا کہ نوکری بکتی ہے ڈھیریوں یا تول

سپاہی رکھتے تھے نوکر امیر دولت مند سو آمد اُن کی تو جاگیر سے ہوئی ہے بند
کیا ہے ملک کو مدت سے سرکشوں نے پسند جو ایک شخص ہے بائیس صوبے کا خاوند
رہی نہ اس کے تصرف میں فوجدارِی کول

نہ صرفِ خاص میں آمد نہ خالصہ جاری سپاہی تا متصدّی، سبھوں کو بے کاری
اب آگے دفتر تن کی کہوں میں کیا خواری سوالِ دستخطی پھاڑ کر کے پنساری
کسی کو آنولا دے باندھ اور کسی کو کٹول

امیر اب جو ہیں دانا ، انھوں نے کی ہے یہ چال — ہوئے ہیں خانہ نشیں دیکھ کر زمانے کا حال
بچھی ہے سوزنی ، خوجہ کھڑا جھلے ہے رومال — حضور بیٹھے ہیں اک دو ندیم اہلِ کمال
دھری ہے سامنے ایک پیکدان اک تنبول

خراب ہیں وہ عمارات ، کیا کہوں تجھ پاس — کہ جن کے دیکھے سے جاتی رہی تھی بھوک اور پیاس
اور اب جو دیکھو تو دل ہووے زندگی سے اداس — بجائے گل ، چمنوں میں کمر کمر ہے گھاس
کہیں ستون پڑا ہے ، کہیں پڑے مرغول

یہ باغ ، کھا گئی کس کی نظر ، نہیں معلوم — نہ جانے کن نے رکھا یاں قدم ، وہ کون تھا شوم
جہاں تھے سرو و صنوبر ، اب اس جگہ ہے زقوم — مچی ہے زاغ و زغن سے اب اس چمن میں دھوم
گلوں کے ساتھ جہاں بلبلیں کرے ہیں کِلول

جہان آباد تو کب اس ستم کے قابل تھا — مگر کبھو کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا
کہ یوں مٹا دیا گویا کہ نقشِ باطل تھا — عجب طرح کا یہ بحرِ جہاں میں ساحل تھا
کہ جس کی خاک سے لیتی تھی خلق موتی رول

معانی و اشارات

ڈانواں ڈول	-	مراد پریشان حال
ٹھٹھول	-	مذاق، مسخراپن
ڈھیریوں	-	ڈھیر لگی ہوئی
آمد	-	آمدنی
خاوند	-	مالک
فوجداریِ کول	-	معمولی علاقے کی فوجداری
خالِصہ	-	سرکار سے ملی ہوئی زمین جس پر کسی دوسرے کا حق نہ ہو
متصدّی	-	دیوان، بڑا عہدے دار
کٹول	-	ایک قسم کی جڑی بوٹی
سوزنی	-	سوئی کا باریک کام کیا ہوا روئی بھرا کپڑا
حضور	-	سامنے، حاضری میں
تنبول	-	پان
مرغول	-	جالی دار محراب
شوم	-	منحوس، بدبخت
زَقوم	-	ایک خاردار پودا، تھوہر
زاغ وزغن	-	کوّا اور چیل
کلول	-	اُچھل کود

مشقی سرگرمیاں

٭ خاکے پر مبنی سرگرمیاں

ا۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کرکے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

میر ضمیر

نام	والد کا نام	ہندوستان آمد کا مقصد	خاندانی پیشہ

۲۔ نظم سے موزوں لفظ تلاش کر کے خاکہ مکمل کیجیے۔

	پیڑوں کے نام	
	پرندوں کے نام	

۳۔ نظم کے مصرعوں کے حوالے سے خاکے میں موزوں جملہ/فقرہ لکھ کر خاکہ مکمل کیجیے۔

سپاہی ←
امیر دانا ←
خوجہ ←
ندیم ←

*** ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔**

۱۔ دوسرے بند میں بیان کیا گیا دولت مندوں کی بربادی کا حال لکھیے۔

۲۔ جن چیزوں کو دیکھ کر شاعر زندگی سے اُداس ہے، ان کی معلومات دیجیے۔

۳۔ شاعر نے نظم میں شہر کی بدحالی کا جو نقشہ کھینچا ہے، اسے لکھیے۔

*** درج ذیل اشعار کی استحسانی وضاحت کیجیے۔**

۱۔ نہ صرفِ خاص میں آمد نہ خالصہ جاری
سپاہی تا متصدّی ، سبھوں کو بے کاری
اب آگے دفتر تن کی کہوں میں کیا خواری
سوالِ دستخطی پھاڑ کرکے پنساری
کسی کو آنولا دے باندھ اور کسی کو کٹول

۲۔ جہان آباد تو کب اس ستم کے قابل تھا
مگر کبھو کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا
کہ یوں مٹا دیا گویا کہ نقشِ باطل تھا
عجب طرح کا یہ بحرِ جہاں میں ساحل تھا
کہ جس کی خاک سے لیتی تھی خُلق موتی رول

*** درج ذیل موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔**

☆ آخری بند کی روشنی میں جہان آباد اور ملک کے موجودہ حالات۔

*** ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔**

سابقہ 'دان' کا استعمال کرکے اس سے الفاظ بنائیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ اپنے علاقے میں ناگہانی حادثے کے بعد رونما ہونے والے حالات کی منظرکشی کیجیے۔

۲۔ نظیر اکبرآبادی نے آگرے کا شہر آشوب لکھا ہے، اسے تلاش کر کے پڑھیے اور اس نظم سے اس کا موازنہ کیجیے۔





۷

زندگی سے ڈرتے ہو

ن. م. راشدؔ

پیش درس

جوشؔ اور اقبالؔ کے بعد اُردو شاعری بہت سی روایتوں سے آزاد ہوگئی۔ اس زمانے میں قصیدے، مثنوی وغیرہ اصناف کا چلن کم ہوکر ختم سا ہوگیا تھا اور مغربی اصنافِ شعر کی تقلید میں اُردو شعرا آزاد اور معریٰ نظم کی ہیئتیں اختیار کرنے لگے تھے۔ نظم کی ہیئتوں کے ساتھ ساتھ اس کے موضوعات میں بھی بہت تبدیلیاں آئیں۔ دو عالمی جنگوں کے اثرات دنیا بھر کے ممالک پر پڑے اور ان کے بعد یورپ اور امریکہ میں ظہور پانے والے فلسفیانہ نظریات نے مشرقی ملکوں کو بھی متاثر کیا جس کے نتیجے میں اشتراکی، وجودی اور جمالیاتی نظریات عام ہونے لگے۔ ترقی پسند ادبی تحریک کے آغاز کے کچھ برسوں کے بعد اس سے وابستہ بہت سے فنکاروں نے الگ راہ اپنا لی جو شعر و ادب پر بیرونی سیاسی افکار کے جبر کو قبول نہیں کرتے تھے۔ یہ گروہ حلقہ اربابِ ذوق کہلایا۔ اس میں ن.م. راشدؔ، میراجیؔ، اخترؔ الایمان، محمد دین تاثیرؔ، ضیاؔ جالندھری وغیرہ اہم فنکار شامل تھے۔ ان شعرا نے آزاد نظم کو خوب ترقی دی اور اسے اپنے زمانے میں نظم کی مقبول ہیئت بنا دیا۔ آزاد نظم میں شاعری کی روایتی زبان سے بھی اختلاف کیا گیا۔ نئے استعارے، نئی تشبیہیں اور خاص طور پر شعری پیکر اور علامتیں آزاد نظم میں نئی زبان کے طور پر سامنے آئیں۔ راشدؔ کی درج ذیل نظم بھی اسی طرز کی حامل ہے۔ اس میں رشتہ ہائے آہن، نارسائی کا دَور، بے ریا خدائی، شبِ زباں بندی، نور کی زباں، دیو کا سایہ وغیرہ ایسے ہی نئے استعارے اور علامات ہیں۔

اس نظم میں شاعر نے یہ بتایا ہے کہ انسان اس کائنات میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے اپنی ذمے داریوں کو سمجھنا چاہیے اور مصائب اور مشکلات سے مقابلہ کرتے ہوئے زندگی کے سلسلے کو آگے بڑھاتے رہنا چاہیے۔ زندگی ایک مستقل امکان کا نام ہے۔

جان پہچان

ن.م. راشدؔ کا نام نذر محمد راشد تھا۔ ادبی دنیا میں انھیں ن.م. راشدؔ کے نام سے شہرت ملی۔ ان کی پیدائش ۱۹۱۰ء میں ہوئی۔ وہ کئی رسالوں کے مدیر رہے۔ انھیں ترجمہ نگاری سے خاص شغف تھا۔ انھوں نے کچھ عرصہ فوج میں بھی ملازمت کی۔ اس سلسلے میں ان کا قیام ایران اور بعض دوسرے ملکوں میں رہا۔ ان کا انتقال ۱۹۷۵ء میں برطانیہ میں ہوا۔

ن.م. راشدؔ نے نظم کی ہیئت میں کئی تجربے کیے اور آزاد نظم کو فروغ دیا۔ وہ اپنی شاعری میں ایک دانشور کے طور پر نمایاں ہوئے۔ ان کی نظموں میں تہ داری پائی جاتی ہے۔

راشدؔ نے اپنی نظموں میں ایرانی تلمیحات کے علاوہ ہندوستانی اساطیر سے بھی کام لیا ہے۔ انھوں نے علامتی زبان میں سامراجی طاقتوں کی استحصالی سازشوں کو بے نقاب کیا۔

مشرق پر مغرب کی بالادستی اور مغرب کے ہاتھوں مشرق کے سیاسی استحصال کے خلاف راشدؔ نے کھل کر آواز بلند کی۔ اپنی عملی زندگی کے آغاز میں راشدؔ کچھ دنوں تک آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ رہے۔ زندگی کا خاصا بڑا حصہ ملازمت کے سلسلے میں انھوں نے ایران میں اور پھر یو.این.او. (امریکہ) میں گزارا۔ ان کا پہلا مجموعہ 'ماورا' اُردو شاعری میں ایک نئے طرزِ احساس اور اظہار کا ترجمان ہے۔ 'ماورا' کے بعد راشدؔ کے دوسرے شعری مجموعے شائع ہوئے: 'ایران میں اجنبی، لا=انسان' اور 'گمان کا ممکن'۔ ان کا کلیات بھی شائع ہو چکا ہے۔

زندگی سے ڈرتے ہو
زندگی تو تم بھی ہو، زندگی تو ہم بھی ہیں
آدمی سے ڈرتے ہو
آدمی تو تم بھی ہو، آدمی تو ہم بھی ہیں

آدمی زباں بھی ہے، آدمی بیاں بھی ہے
اس سے تم نہیں ڈرتے
حرف اور معنی کے رشتہ ہائے آہن سے، آدمی ہے وابستہ
آدمی کے دامن سے زندگی ہے وابستہ
اس سے تم نہیں ڈرتے
'ان کہی' سے ڈرتے ہو
جو ابھی نہیں آئی، اُس گھڑی سے ڈرتے ہو
اُس گھڑی کی آمد کی آگہی سے ڈرتے ہو

پہلے بھی تو گزرے ہیں
دورِ نارسائی کے 'بے ریا' خدائی کے
پھر بھی یہ سمجھتے ہو، ہیچ آرزومندی
یہ شبِ زباں بندی، ہے رہِ خداوندی
تم مگر یہ کیا جانو
لب اگر نہیں ہلتے، ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں
ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں، راہ کا نشاں بن کر
نور کی زباں بن کر
ہاتھ بول اٹھتے ہیں، صبح کی اذاں بن کر
روشنی سے ڈرتے ہو
روشنی تو تم بھی ہو، روشنی تو ہم بھی ہیں
روشنی سے ڈرتے ہو

شہر کی فصیلوں پر
دیو کا جو سایہ تھا پاک ہو گیا آخر
رات کا لبادہ بھی
چاک ہو گیا آخر، خاک ہو گیا آخر
ازدحامِ انساں سے فرد کی نوا آئی
ذات کی صدا آئی
راہِ شوق میں جیسے راہرو کا خوں لپکے
اک نیا جنوں لپکے
آدمی چھلک اٹھے
آدمی ہنسے دیکھو، شہر پھر بسے دیکھو
تم ابھی سے ڈرتے ہو
ہاں ابھی تو تم بھی ہو، ہاں ابھی تو ہم بھی ہیں
تم ابھی سے ڈرتے ہو



معانی واشارات

رشتہ ہائے آہن – آہنی رشتے، مضبوط تعلق
نارسائی – نہ پہنچ پانا، ناکامی
ہیچ – معمولی
آرزومندی – آرزو رکھنا
زباں بندی – اظہار کی پابندی
رہِ خداوندی – مراد آقاؤں کا طریقہ

مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ پیشِ درس سے موزوں لفظ لکھ کر شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

	حلقۂ اربابِ ذوق	

۲۔ جان پہچان سے موزوں لفظ لکھ کر شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

	ن.م. راشدؔ کے شعری مجموعے	

۳۔ نظم سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

	ڈرتے ہو	

* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ آدمی کو ڈرانے والی چیزوں کے بارے میں وضاحت سے لکھیے۔

۲۔ گزرے ہوئے دور کے بارے میں شاعر کے خیالات قلم بند کیجیے۔

۳۔ نظم کی روشنی میں آدمی کے متعلق شاعر کے خیالات لکھیے۔

* درج ذیل کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ آدمی کے دامن سے زندگی ہے وابستہ

۲۔ یہ شب زباں بندی، ہے رہِ خداوندی

* درج ذیل موضوع پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

جو ابھی نہیں آئی اس گھڑی سے ڈرتے ہو

* ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ اس نظم کی ہیئت کی وضاحت کیجیے۔

۲۔ درج ذیل ترکیبوں کی وضاحت کیجیے۔

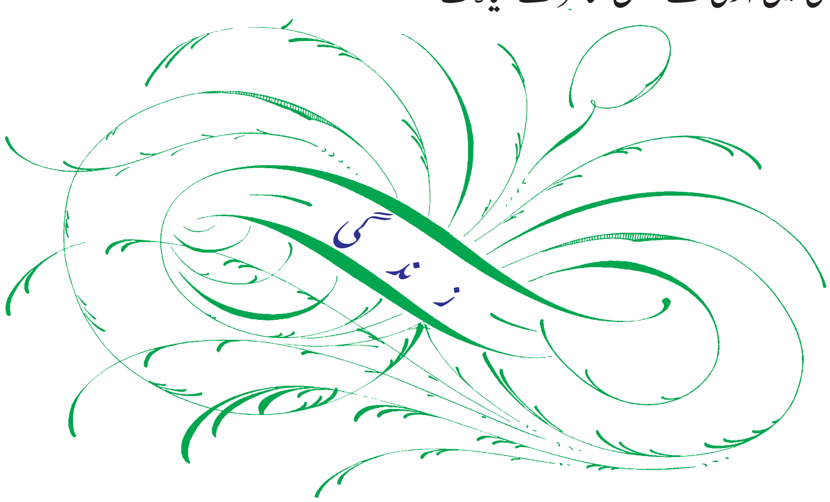
رشتہ ہائے آہن ، بے ریا خدائی ، راہرو کا خون

۳۔ اس نظم سے چند ہم قافیہ الفاظ جمع کیجیے۔

۴۔ اس نظم سے چند ایسے مصرعے جمع کیجیے جن میں ردیفوں کا استعمال ہوا ہو۔

سرگرمی/منصوبہ :

پابند نظم اور آزاد نظم کے بارے میں اپنے استاد سے معلومات حاصل کر کے لکھیے۔



٨ رباعیات

میر انیسؔ

پیش درس

رباعی بحرِ ہزج کے ایک خاص وزن میں لکھی جانے والی چار مصرعوں پر مشتمل مختصر نظم ہے۔ چار مصرعوں میں تین مصرعے (پہلا، دوسرا اور چوتھا) ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ کبھی چاروں مصرعوں میں بھی قافیہ استعمال کرلیا جاتا ہے۔ اس صنف کی ہیئت میں ایسی پابندی لازمی نہیں جیسے غزل کسی بھی وزن و بحر میں کہہ سکتے ہیں لیکن رباعی اپنی روایت کے مطابق صرف ایک مخصوص وزن کی پابند ہے اور سیکڑوں برس سے پابند رہی ہے۔ کچھ ایرانی شاعروں اور خود علامہ اقبالؔ نے اس وزن کو بدل کر رباعیاں کہی ہیں جنھیں 'ترانہ' کہا جاتا ہے لیکن ترانے کا چلن نہیں کے برابر ہے۔

جان پہچان

میر انیسؔ کا نام میر ببر علی تھا۔ وہ ۱۸۰۲/۳ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ وہ میر حسنؔ کے پوتے تھے۔ میر انیسؔ کے والد میر مستحسن خلیقؔ بھی ایک باکمال شاعر تھے۔

میر انیسؔ نے شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے کی لیکن جلد ہی مرثیہ گوئی کی طرف مائل ہوگئے۔ ان کے مرثیے فصاحت و بلاغت کی عمدہ مثال ہیں۔ میر انیس کو منظر نگاری، کردار نگاری اور رزم نگاری میں کمال حاصل تھا۔ وہ واقعات اس طرح بیان کرتے ہیں کہ پوری تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ نادر تشبیہیں، دلکش استعارے اور آسان زبان ان کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ انیسؔ کا انتقال ۱۸۷۴ء میں لکھنؤ میں ہوا۔

مرثیہ نگار کے ساتھ انیسؔ نے رباعی گو کی حیثیت سے بھی اپنا مقام بنایا ہے۔ ان کی رباعیوں میں عام طور سے عشقِ حقیقی، اللہ کی وحدانیت، دنیا کی بے ثباتی، فکرِ آخرت اور اخلاقی قدروں کے مضامین بیان کیے گئے ہیں۔

کیا سوچ کے اس دارِ فنا میں آئے آفت میں پھنسے، دامِ بلا میں آئے
اس طرح عدم سے آئے دنیا میں، انیسؔ جیسے کوئی کارواں سَرا میں آئے

اندیشۂ باطل سحر و شام کیا عقبیٰ کا نہ ہائے، کچھ سر انجام کیا
ناکام چلے جہاں سے، افسوس انیسؔ کس کام کو یاں آئے تھے، کیا کام کیا

جب اُٹھ گیا سایۂ جوانی سر سے پھر ہوگی جدا نہ سرگرانی سر سے
کچھ ہوگا نہ ہاتھ پاؤں مارے سے، انیسؔ جس وقت گزر جائے گا پانی سر سے

کیوں زر کی ہوس میں آبرو دیتا ہے ناداں یہ کسے فریب تو دیتا ہے
لازم نہیں اپنے منہ سے تعریف، انیسؔ خالص ہے جو مشک ، آپ بُو دیتا ہے

آزادی میں آفتِ اسیری آئی — شاہی نہ ہوئی تھی کہ فقیری آئی
ایامِ شباب کس کو کہتے ہیں، انیسؔ — موسم طفلی کا تھا ، پیری آئی

دو دن کی حیات پر عبث غرّہ ہے — خورشید نہ بن ، خاک کا تو ذرّہ ہے
مردم کے نہالِ زندگانی کے لیے — یہ آمد و شد دَم کی نہیں ، ارّہ ہے

معانی واشارات

سرانجام کرنا	انتظام/اہتمام کرنا
سرگرانی	پریشانی
غرّہ	غرور
مردُم	انسان
نہالِ زندگانی	مراد زندگی کا درخت
آمد و شد	آنا جانا
دَم	سانس
ارّہ	آری

مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

میر انیسؔ

نام

مقام پیدائش

والد

دادا

۲۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

میر انیسؔ کی رباعیوں کے مضامین

* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

رباعی - ۱

پہلی رباعی میں شاعر جو بات کہنا چاہتا ہے، اسے لکھیے۔

رباعی - ۲

دوسری رباعی کے اس شعر میں برتی گئی صنعت کی شناخت کیجیے۔

اندیشۂ باطل سحر و شام کیا
عقبیٰ کا نہ ہائے، کچھ سر انجام کیا

رباعی - ۳

تیسری رباعی میں ہاتھ پاؤں مارنا اور پانی سر سے اونچا ہونا کے معنی لکھیے اور محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

رباعی - ۴

چوتھی رباعی کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

رباعی - ۵

پانچویں رباعی میں برتی گئی صنعت کی نشان دہی کیجیے۔

رباعی - ۶

چھٹی رباعی کے دوسرے شعر کا مفہوم واضح کیجیے۔

۹ قطعات

محمد ابراہیم ذوقؔ

پیش درس

غزل یا قصیدے میں جب کوئی شاعرانہ خیال دو یا دو سے زیادہ شعروں میں مسلسل ادا کیا جاتا ہے تو ایسے شعروں کے مجموعے کو قطعہ کہتے ہیں۔ 'قطعہ' کے لفظی معنی 'ٹکڑا' کے ہیں۔ اس کی جمع قطعات ہے۔ قطعہ عموماً چار مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا اور چوتھا مصرع ہم ردیف اور ہم قافیہ ہوتا ہے۔ قطعہ میں دو سے زیادہ اشعار بھی ہو سکتے ہیں مگر اس کی تعداد متعین نہیں ہے۔ اگر یہ غزل یا قصیدے ہی میں ہوں تو انھیں قطعہ بند اشعار بھی کہا جاتا ہے۔ آج کل غزل یا قصیدے میں ایسے مسلسل اشعار نظم نہیں کیے جاتے۔

اُردو شاعری میں قطعہ بہت مقبول رہا ہے۔ بعض شاعروں کے قطعات بہت مشہور ہوئے ہیں۔ جیسے حالیؔ، اکبرؔ، اقبالؔ، جوشؔ، اخترؔ انصاری، نریش کمار شادؔ وغیرہ۔ آج کل مشاعروں میں زیادہ تر شعرا اپنا کلام سنانے سے پہلے دو چار قطعات ضرور سناتے ہیں۔ اس سے قطعے کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ذوقؔ نے بھی قصائد اور غزلیات کے علاوہ قطعات لکھنے میں طبع آزمائی کی ہے۔

جان پہچان

مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفرؔ کے استاد محمد ابراہیم ذوقؔ ۲۲ اگست ۱۷۹۰ء کو دلّی میں پیدا ہوئے۔ انھیں بچپن سے شعر گوئی کا شوق تھا۔ قلعۂ معلّٰی سے وابستہ ہونے کے بعد دہلی کے علمی و ادبی حلقوں میں ذوقؔ کا مقام و مرتبہ بلند ہو گیا۔ اکبر شاہ ثانی نے انھیں 'ملک الشعرا'، کا خطاب عطا کیا۔ انھیں 'خاقانیِ ہند' بھی کہتے ہیں۔ وہ مشہور تو قصیدہ گو کی حیثیت سے تھے مگر غزل، قطعہ اور دیگر اصناف میں بھی انھیں مہارت حاصل تھی۔

دنیا سے ذوقؔ رشتۂ اُلفت کو توڑ دے
جس سر کا ہے یہ بال اسی سر میں جوڑ دے
پر ذوقؔ تو نہ چھوڑے گا اس پیر زال کو
یہ پیر زال گر تجھے چاہے تو چھوڑ دے

جانے کب بے درد اندازِ کلامِ دردمند
ذوقؔ ، میرا ہم سخن گر ہو کوئی دل خستہ ہو
منہ سے جو نکلے وہ کچھ ہو، پر ہو دلکش ایک بات
آہِ موزوں ہو کہ نالہ مصرعِ برجستہ ہو

قدم سنبھال کے رکھ راہِ عشق میں، اے ذوقؔ
گزرنا اس رہِ دشوار سے نہ آساں ہے
جو کوئی آبلۂ پائے مور بھی ہے یہاں
ترے ڈبونے کو وہ بھی تنورِ طوفاں ہے

دیکھتے ہیں جلوۂ گل ہائے رنگارنگ ہم
مثلِ نرگس اس چمن میں جب تلک ہے چشم وا
آخرش ہوگا وہی اک دن خزاں کے ہاتھ سے
جو کہ عالم اپنا اس نشوونما سے پہلے تھا
ہے غنیمت کوئی دم نظارۂ رنگِ بہار
پھر کہاں یہ گلشن و گل اور یہ سبزہ ، ہوا

معانی و اشارات

پیرزال	-	بوڑھی عورت مراد دنیا
آبلۂ پائے مور	-	چیونٹی کے پاؤں کا چھالا
تنورطوفاں	-	وہ تنور جس سے حضرت نوحؑ کا سیلاب جاری ہوا تھا۔
جلوۂ گلہائے رنگارنگ	}	طرح طرح کے رنگوں کے پھولوں کا جلوہ
کوئی دم	-	کچھ وقت کے لیے
نظارۂ رنگِ بہار	-	بہار کے رنگوں کا نظارہ

مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

ا۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

نام		مقام پیدائش
	ذوقؔ دہلوی	
تاریخ پیدائش		خطاب

* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

قطعہ - ۱

ا۔ قطعے کے موضوع کو واضح کیجیے۔

۲۔ پیرزال کے مفہوم کی وضاحت کیجیے۔

قطعہ - ۲

ا۔ شاعر کی خواہش بیان کیجیے۔

۲۔ شاعر کے ہم سخن ہونے کی شرط تحریر کیجیے۔

قطعہ - ۳

ا۔ 'راہِ عشق' کی خصوصیات بیان کیجیے۔

۲۔ قطعے کی صنعتِ تضاد کو واضح کیجیے۔

قطعہ - ۴

ا۔ شاعر کو جس بات کا یقین ہے، اسے تحریر کیجیے۔

۲۔ چمن کا انجام اور اُس سے شاعر کا تعلق واضح کیجیے۔



۱۰ غزلیات

پیشِ درس

اُردو کے شعری سرمایے کا بڑا حصہ غزلوں پر مشتمل ہے۔ غزل گوشعرا کو ہر زمانے میں مقبولیت حاصل رہی ہے۔ نقادوں نے اسے اُردو شاعری کی آبرو کہا ہے۔ دکن کے ابتدائی دور سے آج تک تمام قابلِ ذکر شعرا نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔

غزل نے عربی قصیدے کے ایک جزو 'تشبیب' سے علیحدہ ہوکر ایک مستقل صنف کی صورت اختیار کی۔ فارسی شعرا کا غیرمعمولی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے عربی قصیدے میں رائج مسلسل اشعار کہنے کے سلسلے کو بدل کر غزل کے ہر شعر کو ایک علیحدہ مضمون کے لیے مخصوص کردیا۔ نظم کے اشعار معنوی سطح پر ایک دوسرے سے مربوط ہوا کرتے ہیں۔ جبکہ غزل کے ہر شعر میں ایک نیا مضمون پایا جاتا ہے۔

غزل کی تاریخ کئی نشیب وفراز سے گزری ہے۔ اُردو میں سلطان محمد قلی قطب شاہ پہلا صاحبِ دیوان غزل گوشاعر ہے جس کے کلام میں فارسی اور دکنی کا امتزاج ملتا ہے۔ اس کے بعد نشاطی، غواصی، وجہی اور بہت سے شعرا سے گزر کر غزل شمالی ہند پہنچی۔ دکنی دور میں غزل کی شستہ شکل ولی کے یہاں ملتی ہے۔ ان کی استادی کا آج بھی اعتراف کیا جاتا ہے۔

شمالی ہند میں غزل کے اوّلین شعرا میں شاہ مبارک، آبرو، ناجی اور حاتم قابلِ ذکر ہیں۔ میر اور سودا کا عہد اُردو غزل کا دَورِ زرین کہلاتا ہے۔ اس کے بعد کے شعرا میں مصحفی، ناسخ، آتش، غالب، مومن، ذوق، درد، داغ اور امیر مینائی کی غزلوں میں دہلوی اور لکھنوی تہذیب کے رنگ نمایاں ہیں۔ غزل کے دیگر شعرا میں حسرت، جگر، فانی، اصغر، اقبال، فراق، مجاز، فیض، مجروح، روش صدیقی، ندا فاضلی وغیرہ نام اہمیت کے حامل ہیں۔

موجودہ عہد کے غزل گوشعرا کی تخلیقی سمت و رفتار پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ان کے یہاں مختلف روایتوں کے واضح نشانات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی غزل میں کلاسیکیت سے گریز، ترقی پسندی اور جدیدیت جیسے مختلف عناصر یکجا ہوگئے ہیں۔ موضوعات کے اعتبار سے اس میں عاشقانہ اور صوفیانہ رنگ کے علاوہ عصرِ حاضر کے مسائل میں اُلجھے ہوئے انسان کے جذبات و احساسات کی بھرپور عکاسی نظر آتی ہے۔



غزل ۱ - خواجہ حیدر علی آتشؔ

جان پہچان

آتشؔ کا پورا نام خواجہ حیدر علی تھا۔ وہ ۱۷۷۸ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ کم سنی ہی میں یتیم ہو جانے کی وجہ سے وہ اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ وہ نواب محمد تقی خاں ہوسؔ کے یہاں ملازم ہو گئے۔ انھی کے ہمراہ فیض آباد سے وہ لکھنؤ پہنچے۔ لکھنؤ میں انھوں نے مصحفیؔ کی شاگردی اختیار کی لیکن کسی بات پر خفا ہو کر رشتہ توڑ لیا۔ آتشؔ کا انتقال ۱۸۴۷ء میں لکھنؤ میں ہوا۔

آتشؔ کے مزاج میں قناعت تھی۔ فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ دربار سرکار سے ربط ضبط انھیں پسند نہ تھا۔ ان کی شاعری میں لکھنوی طرز نمایاں ہے۔ انھوں نے شعری صنعتوں سے خوب کام لیا ہے اور جذبات و احساسات کو بھی بڑے سلیقے سے نبھایا ہے۔ ان کے یہاں اخلاقی مضامین اور تصوف کے مسائل کے ساتھ ساتھ بلند خیالی اور حسنِ بیان بھی ہے۔

ادب تا چند، اے دستِ ہوس، قاتل کے دامن کا
سنبھل سکتا نہیں اب دوش سے بوجھ اپنی گردن کا

بہار اک دل کے داغوں نے دکھائی چشمِ قاتل کو
دہانِ زخمِ سینہ بن گیا دروازہ گلشن کا

کڑا پن آگے مردانِ خدا کے چل نہیں سکتا
کفِ داؤد میں یکساں ہے عالم موم و آہن کا

درِ فردوس پر رضواں سے رخصت کون لیتا ہے
سمجھتا ہوں میں کھیل اک ، پھاندنا دیوارِ گلشن کا

ہوئی ہے مردمِ دنیا کی صورت سے یہ بیزاری
گماں ہوتا ہے اپنے سایے پر بھی ہم کو دشمن کا

ستایا ہے نہایت انقلابِ دہر نے ہم کو
رہا کرتا ہے چشمِ تر کے اوپر گوشہ دامن کا

کیا اک آن میں تیغِ قضا نے صاف دو ٹکڑے
گماں ہی رہ گیا دشمن کو آتشؔ ، اپنے جوشن کا

معانی واشارات

تا چند – کب تک
دوش – کندھا، شانہ
کف – ہتھیلی
رضواں – جنت کا دربان فرشتہ
انقلابِ دہر – زمانے کی تبدیلی
جوشن – تلوار کی ضرب سے حفاظت کے لیے کہنی تک آہنی لباس

مشقی سرگرمیاں

٭ خاکے پر مبنی سرگرمیاں

ا۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

نام		سنۂ پیدائش
	آتش	
مقامِ پیدائش		سنۂ وفات

۲۔ غزل میں آئے زیرِ اضافت کے الفاظ کا شبکی خاکہ ترتیب دیجیے۔

٭ ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

ا۔ شاعر جس کھیل کو آسان سمجھتا ہے، اس کی نشان دہی کیجیے۔
۲۔ 'انقلابِ دہر نے ہم کو ستایا ہے' اس بات سے شاعر کی مراد لکھیے۔
۳۔ سینے کے زخم پر دل کے داغوں کی بہار کا اثر بیان کیجیے۔

٭ اسباب بیان کیجیے۔

ا۔ شاعر کی دنیا سے بیزاری۔
۲۔ 'رہا کرتا ہے چشمِ تر کے اوپر گوشہ دامن کا'

٭ درج ذیل اشعار کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

ا۔ کڑا پن آگے مردانِ خدا کے چل نہیں سکتا
کفِ داؤد میں یکساں ہے عالم موم و آہن کا

۲۔ درِ فردوس پر رضواں سے رخصت کون لیتا ہے
سمجھتا ہوں میں کھیل اک پھاندنا دیوارِ گلشن کا

۳۔ کیا اک آن میں تیغِ قضا نے صاف دوٹکڑے
گماں ہی رہ گیا دشمن کو آتش اپنے جوشن کا

٭ درج ذیل موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

ا۔ گماں۔
۲۔ غزل سے اپنی پسند کے شعر کی وجہ۔

٭ ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

ا۔ غزل سے صنعتِ تضاد کا شعر تلاش کیجیے۔
۲۔ غزل کے مطلع میں برتی گئی صنعت کا نام لکھیے۔
۳۔ غزل سے صنعتِ تلمیح والے اشعار کی نشان دہی کر کے ان کی تشریح کیجیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

کلیاتِ آتش حاصل کر کے اُس میں سے اپنی پسند کی پانچ غزلیں لکھیے۔

غزل ۲ : نواب مرزا داغؔ دہلوی

جان پہچان

داغؔ دہلوی کا نام نواب مرزا تھا۔ وہ ۲۵؍مئی ۱۸۳۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ چھے سات سال کی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ بہادر شاہ ظفؔر کے بیٹے مرزا فخرو نے داغؔ کی والدہ کو اپنے نکاح میں لے لیا۔ چنانچہ ماں کے ساتھ وہ بھی لال قلعے میں رہنے لگے۔ یہیں اُن کی تعلیم وتربیت ہوئی۔ لال قلعے کی شاعرانہ فضا میں شاعری شروع کی اور ذوقؔ کے شاگرد ہوئے۔ استاد کے فیضِ تربیت اور اپنی مشقِ سخن سے تھوڑے ہی عرصے میں انھوں نے استادی کا درجہ حاصل کرلیا۔ ۱۸۵۶ء میں مرزا فخرو کا انتقال ہو گیا اس لیے داغؔ کو اپنی والدہ کے ساتھ قلعہ چھوڑنا پڑا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد انھوں نے دہلی کو خیر باد کہا اور رام پور چلے گئے۔ والیٔ رام پور نواب یوسف علی خاں نے داغؔ کی بڑی قدرومنزلت کی اور انھیں ولی عہد کلب علی خاں کا مصاحبِ خاص مقرر کر دیا۔ کلب علی خاں کے انتقال کے بعد داغؔ حیدرآباد چلے گئے۔ وہاں بھی اُن کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ نظام حیدرآباد میر محبوب علی نے انھیں اپنی استادی کا شرف بخشا۔ بڑی تنخواہ کے علاوہ وقتاً فوقتاً انعامات سے بھی نوازے گئے۔ حیدرآباد ہی میں ۱۷؍ مارچ ۱۹۰۵ء کو وفات پائی۔

داغؔ کی تصانیف میں چار دیوان ’گلزارِ داغؔ‘، ’آفتابِ داغؔ‘، ’ماہتابِ داغؔ‘ اور ’یادگارِ داغؔ‘، ایک مثنوی ’فریادِ داغؔ‘ اور ان کے علاوہ چند قصائد اور رباعیات شامل ہیں۔ دہلی کی تباہی پر ان کا شہر آشوب بھی مشہور ہے۔

داغؔ کی شاعری کی ممتاز خصوصیت زبان کا استعمال ہے۔ سادگی وشیرینی، ترنّم وروانی ان کی زبان کی بنیادی صفات ہیں۔ انھوں نے محاورات کا استعمال نہایت برجستہ انداز میں کیا ہے۔ شوخی وبانکپن اور رنگیں بیانی داغؔ کی شاعری کا حصہ ہیں۔ کلام کی سادگی، صفائی، روانی اور عام پسند جذبات وخیالات کی ترجمانی کی بدولت داغؔ اپنے زمانے کے مقبول شاعر تھے۔ ان کی شاعری کا اثر معاصرین نیز بعد کے بہت سے شعرا پر بھی پڑا اور ایک خاص مدت تک اُن کے رنگِ کلام کی تقلید ہوتی رہی۔

میرا جدا مزاج ہے ، اُن کا جدا مزاج
پھر کس طرح سے ایک ہو اچھا برا مزاج

دیکھا نہ اس قدر کسی معشوق کا غرور
اللہ کیا دماغ ہے ، اللہ کیا مزاج

کس طرح دل کا حال کُھلے اس مزاج سے
پوچھوں مزاج تو وہ کہیں ، آپ کا مزاج

تم کیا کسی کے دل میں بھلا گھر بناؤ گے
بنتا نہیں بنائے سے بگڑا ہوا مزاج

تم کو ذرا سی بات کی برداشت ہی نہیں
ایسا اکھل کُھرا بھی ہے کس کام کا مزاج

پالا پڑے کہیں نہ کسی بدمزاج سے

ہر وقت دیکھتے ہیں مزاج آشنا مزاج
کل اُن کا سامنا جو ہوا ، خیر ہوگئی
بدلی ہوئی نگاہ تھی ، بدلا ہوا مزاج
سچ ہے ، خدا کی دین میں کیا دخل ہوسکے
اک داغؔ کا مزاج ہے ، اک آپ کا مزاج

معانی واشارات

اکھل کُھرا - اکھڑ مزاج، سخت مزاج

طبع - طبیعت، فطرت، مزاج

مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کرکے شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔

مقام پیدائش		نام
	نواب مرزا داغؔ دہلوی	
وفات		تاریخ پیدائش

۲۔ غزل سے موزوں لفظ تلاش کرکے شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔

	مزاج	

* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ بگڑے ہوئے مزاج سے پیدا ہونے والی خرابی بیان کیجیے۔

۲۔ اکھل کھرا مزاج کے لوگوں کی صفات لکھیے۔

۳۔ مقطع میں پیش کیے گئے شاعر کے خیال کی وضاحت کیجیے۔

* درج ذیل اشعار کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ کس طرح دل کا حال کھلے اس مزاج سے
پوچھوں مزاج تو وہ کہیں ، آپ کا مزاج

۲۔ تم کیا کسی کے دل میں بھلا گھر بناؤگے
بنتا نہیں بنائے سے بگڑا ہوا مزاج

۳۔ پالا پڑے کہیں نہ کسی بدمزاج سے
ہر وقت دیکھتے ہیں مزاج آشنا مزاج

۴۔ سچ ہے، خدا کی دین میں کیا دخل ہوسکے
اک داغؔ کا مزاج ہے،اک آپ کا مزاج

* درج ذیل موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

۱۔ اچھے برے مزاج کے بارے میں۔

۲۔ اکھل کھرے لوگوں کے بارے میں۔

۳۔ ہم مزاج لوگوں کے بارے میں۔

* ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ غزل سے صنعتِ تضاد کا شعر تلاش کیجیے۔

۲۔ غزل کے قافیوں کی نشاندہی کرکے لکھیے۔

۳۔ درج ذیل محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔
نگاہ بدلنا ، دل میں گھر بنانا۔

غزل ۳ : جگؔر مرادآبادی

جان پہچان

جگؔر مرادآبادی کا نام علی سکندر تھا۔ وہ ۱۸۹۰ء میں مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ جگؔر کے والد مولوی علی نظؔر بھی شاعر تھے۔ جگر کم عمری ہی میں شعر کہنے لگے تھے۔ شروع میں انھوں نے اپنے والد سے اصلاح لی پھر داؔغ کے شاگرد ہوئے۔ منشی امیر اللہ تسلیؔم اور اصغؔر گونڈوی سے بھی مشورۂ سخن کیا۔ جگؔر کی شاعری میں عشقِ مجازی نمایاں ہے۔ ان کے کلام میں والہانہ پن اور سرمستی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اصغؔر گونڈوی کے زیرِاثر وہ تصوف کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ ’داغِ جگر‘، ’شعلۂ طور‘ اور ’آتشِ گل‘ اُن کے شعری مجموعے ہیں۔ انھیں ’آتشِ گل‘ پر ساہتیہ اکادمی انعام سے نوازا گیا تھا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے انھیں ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری پیش کی تھی۔ ۱۹۶۰ء میں ان کا انتقال گونڈا میں ہوا۔

مقاماتِ اربابِ جاں اور بھی ہیں — مکاں اور بھی لامکاں اور بھی ہیں
مکمل نہیں ہے جنونِ تجسّس — مسلسل جہاں در جہاں اور بھی ہیں
یہیں تک نہیں عشق کی سیرگاہیں — مہ و انجم و کہکشاں اور بھی ہیں
قفس توڑ کر مطمئن ہو نہ بلبل — قفس صورتِ آشیاں اور بھی ہیں
بہت دل کے حالات کہنے کے قابل — ورائے نگاہ و زباں اور بھی ہیں
صبا خاکِ دل سے بچا اپنا دامن — ابھی اس میں چنگاریاں اور بھی ہیں

انھیں جب سے ہے اعتمادِ محبت
وہ مجھ سے جگؔر، بدگماں اور بھی ہیں



معانی واشارات

اربابِ جاں - جان کے مالک، مراد انسان

لامکاں - مراد آخرت

ورائے نگاہ وزباں - نگاہوں اور زبان سے ظاہر ہونے والی باتوں سے پرے

مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

ا۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کر کے شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔

نام		مقامِ پیدائش	
	جگؔر مرادآبادی		
تاریخ پیدائش		وفات	

۲۔ رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

قافیہ	
ردیف	
مطلع	
مقطع	

* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

ا۔ مہ وانجم و کہکشاں کے بارے میں شاعر کا خیال بیان کیجیے۔

۲۔ دل کے بہت سے ناقابلِ بیان حالات کے متعلق شاعر کی رائے لکھیے۔

۳۔ شاعر نے صبا کو جو مشورہ دیا ہے، اسے لکھیے۔

* سبب بیان کیجیے۔

ا۔ مکمل نہیں ہے جنونِ تجسّس

۲۔ وہ مجھ سے جگؔر، بدگماں اور بھی ہیں

* درج ذیل کی وضاحت کیجیے۔

ا۔ قفس صورتِ آشیاں

۲۔ جہاں در جہاں

* درج ذیل شعر کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

مقاماتِ اربابِ جاں اور بھی ہیں
مکاں اور بھی لامکاں اور بھی ہیں

* ہدایت کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمی مکمل کیجیے۔

غزل سے تضاد کے اشعار منتخب کر کے لکھیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

اسی زمین میں علامہ اقبالؔ کی مشہور غزل تلاش کر کے پڑھیے اور ان دونوں غزلوں کے درمیان موجود فرق پر اپنی رائے لکھیے۔

غزل ۴ : فضؔا ابن فیضی

جان پہچان

فضؔا ابنِ فیضی کا اصل نام فیض الحسن تھا۔ وہ یکم جولائی ۱۹۲۳ء کو مئوناتھ بھنجن (اعظم گڑھ) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مئو میں مدرسہ جامعہ عالیہ عربیہ اور جامعہ اسلامیہ فیضِ عام سے تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کے دوران ہی ان کی شاعری کا آغاز ہوگیا تھا۔ ۱۹۴۰ء میں ان کی پہلی نظم شائع ہوئی۔ ۱۹۷۳ء میں ان کا پہلا شعری مجموعہ 'سفینۂ زرگل' منظر عام پر آیا۔

فضؔا ایک خوش فکر شاعر تھے۔ ان کے کلام میں شگفتگی، روانی اور سادگی پائی جاتی ہے۔ ان کے یہاں جدیدیت کے ساتھ ساتھ روایات کی پاسداری بھی ملتی ہے۔ انھوں نے غزلوں کے علاوہ نظمیں اور رباعیات بھی لکھی ہیں۔ 'شعلۂ نیم باز، دریچۂ سیم تن، شاخِ طوبیٰ، پسِ دیوارحرف' اور 'سبزۂ معنیِ بیگانہ' ان کے شعری مجموعوں کے نام ہیں۔ مختلف اداروں نے ان کی علمی و ادبی خدمات پر انھیں انعامات سے نوازا۔ ۱۷؍جنوری ۲۰۰۹ء کو اپنے وطن مئو میں ان کا انتقال ہوا۔

سیم و گہر ، نہ تاج و کمر چاہیے ہمیں
دادِ ہنر ، بہ طرزِ دگر چاہیے ہمیں

زخموں سے چور چور ہیں ، سب کی بصیرتیں
کس سے کہیں ، شعورِ نظر چاہیے ہمیں

ہے رہروانِ شوق کو یہ بانکپن بہت
چہرے پہ بس غبارِ سفر چاہیے ہمیں

اوروں سے مختلف ہے ہمارا معاملہ
شوریدہ سر ہیں ، دشت میں گھر چاہیے ہمیں

تم شوق سے خلاؤں کی پیمائشیں کرو
اپنی زمیں پہ راہ گزر چاہیے ہمیں

یہ ذات کا طلسم ، یہ بے منظری کی دُھند
یوں ہے کہ چشمِ خویش نِگر چاہیے ہمیں

تیشہ زنی تو شیوۂ اہلِ قلم نہیں
ہیرے تراشنے کا ہنر چاہیے ہمیں

کیوں اے فضؔا چراغ جلائیں چراغ سے
خورشید اپنا ، اپنی سحر چاہیے ہمیں

معانی واشارات

کمر	-	پگڑی، بلندی
شعورِنظر	-	بصیرت
شوریدہ سر	-	پریشاں حال
چشمِ خویش نِگر	-	خود کا جائزہ لینے والی آنکھ
تیشہ زنی	-	کدال چلانا

مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کرکے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

نام	فضؔا ابن فیضی	مقام پیدائش
تاریخ پیدائش		وفات

۲۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کرکے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

	شعری مجموعے	

* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ شاعر کی خودداری مطلع کے حوالے سے بیان کیجیے۔

۲۔ رہروانِ شوق کے بانکپن کی وضاحت کیجیے۔

۳۔ چشمِ خویش نِگر کا مطلب تحریر کیجیے۔

۴۔ تیشہ زنی اور ہیرے تراشنے کے ہنر کا فرق لکھیے۔

۵۔ شاعر کی خواہشیں ترتیب وار لکھیے۔

* درج ذیل اشعار کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ سیم و گہر، نہ تاج و کمر چاہیے ہمیں
داد ہنر ، بہ طرزِ دگر چاہیے ہمیں

۲۔ زخموں سے چور چور ہیں، سب کی بصیرتیں
کس سے کہیں، شعورِ نظر چاہیے ہمیں

۳۔ یہ ذات کا طلسم ، یہ بے منظری کی دُھند
یوں ہے کہ چشمِ خویش نِگر چاہیے ہمیں

* اسباب بیان کیجیے۔

۱۔ شاعر کا دشت میں گھر چاہنا۔

۲۔ شاعر کا دوسروں کے چراغ سے چراغ جلانا۔

۳۔ چہرے پہ بس غبارِ سفر چاہیے ہمیں۔

* درج ذیل موضوع پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

تم شوق سے خلاؤں کی پیمائشیں کرو
اپنی زمیں پہ راہ گزر چاہیے ہمیں



غزل ۵ : پروینؔ شاکر

جان پہچان

پروینؔ شاکر کی پیدائش ۲۴ر نومبر ۱۹۵۲ء کو کراچی میں ہوئی۔ انھوں نے انگریزی میں ایم.اے. کرنے کے بعد لسانیات اور بینک ایڈمنسٹریشن میں بھی ایم.اے. کیا۔ نو سال تک تدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد وہ پاکستان سول سروس جوائن کر کے کسٹم ڈپارٹمنٹ میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہیں۔

'خوشبو'، 'صد برگ'، 'خود کلامی' اور 'انکار' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ 'ماہِ تمام' کے نام سے اُن کا کلیات بھی شائع ہو چکا ہے۔ ۱۹۹۰ء میں انھیں پاکستان کے اعلیٰ ترین اعزاز 'نشانِ امتیاز' سے نوازا گیا۔ پروینؔ شاکر کی شاعری نسائی احساسات، کیفیات اور جذبات کی عکاسی کرتی ہے۔ ۲۶ر دسمبر ۱۹۹۴ء کو اسلام آباد کے ایک سڑک حادثے میں ان کی وفات ہوئی۔

اپنی ہی صدا سنوں کہاں تک — جنگل کی ہَوا رہوں کہاں تک

ہر بار ہَوا نہ ہوگی دَر پر — ہر بار مگر اُٹھوں کہاں تک

دم گُھٹتا ہے، گھر میں حبس وہ ہے — خوشبو کے لیے رکوں کہاں تک

پھر آ کے ہوائیں کھول دیں گی — زخم اپنے رفو کروں کہاں تک

ساحل پہ سمندروں سے بچ کر — میں نام ترا لِکھوں کہاں تک

تنہائی کا ایک ایک لمحہ — ہنگاموں سے قرض لوں کہاں تک

سُکھ سے بھی تو دوستی کبھی ہو — دُکھ سے ہی گلے ملوں کہاں تک

منسوب ہو ہر کرن کسی سے — اپنے ہی لیے جلوں کہاں تک

آنچل مرے بھر کے پھٹ رہے ہیں
پھول اُس کے لیے چنوں کہاں تک

معانی و اشارات

دم گھٹنا – سانس رُکنا

زخم رفو کرنا – زخم سینا

منسوب ہونا – نسبت ہونا

مشقی سرگرمیاں

٭ خاکے پر مبنی سرگرمیاں

★ جان پہچان سے موزوں الفاظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

پروین شاکر

تاریخ پیدائش	مقام پیدائش
تعلیم	ملازمت

٭ ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ 'دکھ سے ہی گلے ملوں کہاں تک' سے شاعرہ کی مراد لکھیے۔

۲۔ 'اپنے ہی لیے جلوں کہاں تک' سے شاعرہ نے جس بات کا اظہار کیا ہے، اُسے تحریر کیجیے۔

٭ درج ذیل اشعار کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ دم گُھٹتا ہے، گھر میں حبس وہ ہے
خوشبو کے لیے رکوں کہاں تک

۲۔ ساحل پہ سمندروں سے بچ کر
میں نام ترا لِکھوں کہاں تک

۳۔ منسوب ہو ہر کرن کسی سے
اپنے ہی لیے جلوں کہاں تک

٭ اسباب بیان کیجیے۔

غزل سے اپنی پسند کے شعر منتخب کر کے پسند کی وجہ۔

٭ درج ذیل شعر پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

سُکھ سے بھی تو دوستی کبھی ہو
دُکھ سے ہی گلے ملوں کہاں تک

٭ ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ خط کشیدہ لفظوں کے لیے ہم معنی لفظ لکھیے۔

- اپنی ہی صدا سنوں کہاں تک
- ہر بار ہَوا نہ ہوگی دَر پر
- دم گُھٹتا ہے، گھر میں حبس وہ ہے
- سکھ سے بھی تو دوستی کبھی ہو

۲۔ درج ذیل کے ہم صوت الفاظ لکھیے۔

گھر	قرض	کرن	پھول
↓	↓	↓	↓

۳۔ غزل کے قافیے اور ردیف کی نشاندہی کیجیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ اُردو کی چار شاعرات کے نام، تخلص اور ان کے مجموعۂ کلام کے نام لکھیے۔

۲۔ نسائی ادب سے متعلق معلومات انٹرنیٹ/ رسائل سے جمع کیجیے۔

۳۔ نسائی ادب میں اہم مقام رکھنے والی کسی مصنفہ/ شاعرہ/ ادیبہ سے متعلق تفصیلی تبصراتی و تجزیاتی پروجیکٹ تیار کیجیے۔

شعری قواعد

مجازِ مرسل

ذیل کے جملوں کو پڑھ کر ان کے مفہوم پر غور کیجیے:

۱) • بس دو منٹ میں واپس آتا ہوں۔ (مگر بولنے والا گھنٹے بھر کے بعد واپس آتا ہے) یہ جز بول کر کُل مراد لینا ہے۔
• 'انڈیا جیت گیا' (دراصل ٹیم انڈیا جیتی) یہ کُل بول کر جز مراد لینا ہے۔

۲) • میز پر چائے رکھی ہے۔ (چائے سے بھرا کپ رکھا ہے) یہ مظروف بول کر ظرف مراد لینا ہے۔
• بچہ ٹفن لے کر گیا تھا۔ (ٹفن میں کھانا لے کر گیا تھا) یہ ظرف بول کر مظروف مراد لینا ہے۔

کبھی گفتگو میں یا لکھتے ہوئے ہم لفظوں کو ان کے معلوم معنی سے الگ معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے معنی دو قسم کے ہیں (۱) لغوی معنی یعنی جو معلوم ہیں اور لغت میں لکھے ہوئے ہیں (۲) مجازی معنی جو لغت میں لکھے ہوئے نہیں ہیں مگر بولنے اور سننے والا ان کے معنی اپنی سمجھ کے مطابق طے کر لیتا ہے۔ لفظوں کے ایسے استعمال کو 'مجازِ مرسل' کہتے ہیں۔ مجازِ مرسل ہماری گفتگو میں بہت عام ہے۔ اس کی کئی قسمیں ہیں۔ زبان کا مجازی استعمال شاعری میں بھی خوب کیا جاتا ہے۔ مثلاً

بوند تھمتی نہیں ہے اب کے سال   چرخ گویا ہے آب در غربال

اس شعر میں 'بوند' (جُز) سے مراد 'بارش' (کُل) ہے۔

جز بمعنی کل : مثال

دل کو مرے ہر ایک طرح مطمئن بنا   غم دے تو غم کے ساتھ کوئی غمگسار دے

اس شعر میں لفظ 'دل' (جُز) کو 'مرے' یعنی شاعر کی پوری شخصیت (کُل) کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

کل بمعنی جز : مثال

مطلب سمجھ میں آئے بقائے دوام کا   ایسا سبق یہ زندگیِ مستعار دے

یہاں 'بقائے دوام' (کُل) کو سمجھنے کے لیے 'زندگیِ مستعار' (جُز) کا حوالہ دیا گیا ہے۔

ظرف بمعنی مظروف : مثال

سو بار بیاباں میں گیا محملِ لیلیٰ   مجنوں کی طرف ناقہ کوئی گام نہ آیا

بیاباں میں صرف 'محمل' (ظرف) نہیں گیا۔ اس میں 'لیلیٰ' (مظروف) بھی تھی۔

مظروف بمعنی ظرف : مثال

چشم و دل سے جو نکلا ہجراں میں   نہ کبھو بحر و کان سے نکلا

یہاں چشم و دل سے نکلنے والی اشیا 'آنسو اور خون' (مظروف) مراد ہیں جو 'بحر و کان' (ظرف) سے نکلتے ہیں۔

مشقی سرگرمیاں

٭ ذیل کے شعر میں مجازِ مرسل کی قسم کا نام بتائیے۔

۱۔ گگن کے تَل کیں ایسا شہر نادر   نہیں دیکھے تھے انکھیاں کے مسافر
۲۔ لوٹتا تھا سوزِ غم سے آگ میں   دل جگر سِکتے تھے دونوں جوں کباب

۳۔ زندگی سے ڈرتے ہو
زندگی تو تم بھی ہو، زندگی تو ہم بھی ہیں
آدمی سے ڈرتے ہو

لف ونشر

اس کے دست و دل کے رشک و شرم سے
خون ہے دل کان کا ، دریا ہے آب

پہلے مصرعے کے الفاظ 'رشک وشرم' کا ربط 'لف' کہلاتا ہے جبکہ دوسرے مصرعے میں اس ربط کو 'خون/ آب' کی مثال سے واضح کیا گیا ہے۔اس عمل کو 'نشر' کہتے ہیں۔مجموعی طور پر اس صنف کا نام 'لف ونشر' ہے۔

مشقی سرگرمیاں

* ذیل کے شعروں میں لف ونشر سے ربط والے الفاظ کو آمنے سامنے لکھیے۔

۱۔ بحر و بر میں جھاڑ دے دامن اگر تو فیض کا
قطرہ دُرِ بے بہا ہو ،لعل سنگِ بے بہا

۲۔ کس قدر ہوتے ہیں ناخوش کس قدر ہوتے ہیں خوش
آپ ہم کو دیکھ کر اور آپ کو ہم دیکھ کر

* اس شعر میں مجازِ مرسل کی قسم بتائیے۔

ترے غم میں نَین سے جو نکلتا ہے انجھو باہر
دؤجا گوہر کہاں ہے جگ میں اُس کی آبداری کا

تجنیسِ خطی

ذیل کا شعر پڑھ کر اس کے قافیوں پر غور کیجیے:

نہ تھا ثانی اوسے روئے زمیں پر
تھے اس کے حکم میں سب بحر ہور بر

اس شعر کے قافیے 'پر- بر' لکھنے میں ایک سے ہیں، ان میں صرف نقطوں کا فرق ہے۔شعر میں ایسے دو لفظوں کے استعمال کو 'تجنیسِ خطی' کہتے ہیں۔

جب شعر میں ایسے دو لفظ آئیں کہ املا میں ایک جیسے ہوں مگر صرف ایک دو نقطوں کے فرق سے ان کے معنی بدل جاتے ہوں تو ایسی تجنیس کو 'تجنیسِ خطی' کہتے ہیں۔

تجنیسِ زائد/ ناقص

جو کُئی باتاں کی سیپیاں کوُں پسارے
کرے مطلب کے پُر موتیاں وو سارے

اس شعر کے قافیوں 'پسارے - سارے' میں ایک حرف زائد ہے۔

جب شعر میں ایسے دو لفظ آئیں جن کے املا میں ایک حرف (شروع، درمیان یا آخر میں) زیادہ ہو تو ایسی تجنیس کو 'تجنیسِ زائد' یا 'تجنیسِ ناقص' کہتے ہیں۔

تجنیسِ مذیّل

نہیں عشق سے زرد ، زردار میں ہوں
اگر ہے وہ یوسف ، خریدار میں ہوں

اس شعر میں زرد/ زردار' کے آخر میں دو حروف زائد ہیں۔

جب شعر کے دو یکساں لفظوں میں ایک لفظ کے آخر میں دو حروف زائد آئیں تو ایسی تجنیس کو 'تجنیسِ مذیل' کہتے ہیں۔

مشقی سرگرمیاں

* ذیل کے شعروں میں آنے والی تجنیس کے نام لکھیے۔

۱۔ چشم غضب سے نیم نگہ میرے واسطے
اک نیمچہ ہے زہر میں گویا بُجھا ہوا

۲۔ بلندی سٹ ، سُرج پکڑیا جو پستی
کیا مغرب کے جا معبد میں بستی

۳۔ دیوار کھڑی کرتے ہوئے راہ میں راہی
کہتا ہے کہ سایے کو شجر آئے نہ آئے



بحر اور تقطیع

کسی کہانی کو بلند آواز سے پڑھیے۔ آپ اپنی آواز سن کر محسوس کریں گے کہ اس کے لفظوں کو ادا کرتے وقت گویا ہم کسی سے بات کررہے ہوں۔ یہ نثر پڑھنے یا بولنے کا انداز ہے۔ ایسے ہی اگر ہم کوئی نظم بلند آواز سے پڑھیں تو ہمیں محسوس ہوگا کہ ہماری آواز میں ایک خاص قسم کا اُتار چڑھاؤ یا آہنگ پیدا ہوگیا ہے۔ آہنگ سے پڑھنا شعر پڑھنے کا انداز ہے۔ اسے آوازوں کی موزونیت سے پڑھنا بھی کہتے ہیں۔ موزونیت کا مطلب ہے کہ شعر میں استعمال کیے جانے والے الفاظ ایک خاص وزن رکھتے ہیں۔ یہی شعر کا آہنگ ہے جسے علمی زبان میں 'بحر' کہتے ہیں۔ بحر دراصل شعر کی ادائیگی میں استعمال کیا جانے والا چھوٹی بڑی آوازوں کا ایک نظام ہے۔ مختلف شعروں کا آہنگ یا آوازوں کا نظام مختلف ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے شعروں کی بحریں بھی ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہیں۔ شعروں کی بحر کی آوازوں کی مقدار کے مطابق ہر بحر کا الگ نام ہوتا ہے مثلاً

بحرِ متقارب

* ذیل کے مسدس کا ایک بند بلند آواز سے پڑھیے :

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ، وہ کیا تھا   جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا
زمانے سے پیوند جس کا جدا تھا   نہ کشور ستاں تھا نہ کشور کشا تھا
تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایا   ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا

جب یہ اشعار مسلسل پڑھے جاتے ہیں تو ہمیں اپنی آواز میں ایک خاص آہنگ سنائی دیتا ہے۔ یہی ان شعروں کی بحر کا آہنگ ہے۔
آپ نویں جماعت میں سودؔا کی یہ غزل پڑھ چکے ہیں۔

گدا دستِ اہلِ کرم دیکھتے ہیں
ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں

اس شعر کے بعد غزل کے دوسرے شعروں کا آہنگ بھی اوپر دیے گئے حالؔی کے شعروں کے آہنگ جیسا ہے یعنی دونوں کی بحر ایک ہے۔ اس بحر کے آہنگ کو ظاہر کرنے والی چھوٹی بڑی آوازوں کا جو صوتی رکن بنتا ہے، اس کا نام 'فعولن' ہے اور اس رکن کی تکرار سے بننے والی بحر کا نام 'بحرِ متقارب' ہے۔ اب اس رکن کو تکرار سے پڑھیے :

فعولن   فعولن   فعولن   فعولن
فعولن   فعولن   فعولن   فعولن

آپ محسوس کریں گے گویا ہم اوپر دیے ہوئے اشعار پڑھ رہے ہیں۔ اس رکن 'فعولن' میں 'فَ' چھوٹی آواز ہے اور 'عو' اور 'لُن' بڑی آوازیں ہیں۔ ان آوازوں کو ہم دیے گئے شعروں کے لفظوں کے سامنے رکھیں تو پتا چلے گا کہ شعر کی چھوٹی آوازیں 'فَ' کے مقابل اور بڑی آوازیں 'عولن' کے مقابل آ رہی ہیں جیسے :

عرب جس	کا چرچا	ہے یہ کچھ،	وہ کیا تھا
ف عو لن	ف عو لن	ف عو لن	ف عو لن
ع رب جس	کَ چرچا	ہَ یے کچھ	وَ کا تھا
چھ آ ب آ	چھ آ ب آ	چھ آ ب آ	چھ آ ب آ

(چھ آ = چھوٹی آواز، ب آ = بڑی آواز)

جہاں سے		الگ اک		جزیرہ		نما تھا	
ف	عو لن	ف	عو لن	ف	عو لن	ف	عو لن
ج	ہا سے	ا	لگ اک	ج	زی رہ	نُ	ما تھا
چھ آ	ب آ	چھ آ	ب آ	چھ آ	ب آ	چھ آ	ب آ

خیال رہنا چاہیے کہ پہلے مصرعے میں لفظ 'کا'، لفظ 'ہے' اور لفظ 'وہ' چھوٹی آوازوں میں ادا کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح اس مصرعے میں لفظ 'کیا' کی یائے وصلی کو گرا کر 'کا' کر دیا گیا ہے جب کہ لفظ 'یہ' لمبی آواز میں جیسے 'یے'۔ رکن 'فعولن' شعر کے دونوں مصرعوں میں آٹھ مرتبہ آیا ہے اس لیے اس سے بننے والی بحر کو **'بحر متقارب مثمن سالم'** کہتے ہیں۔ (مثمن کے معنی عربی میں آٹھ ہیں)

اوپر کے تجزیوں میں ہم نے شعر کو بحر کے رکن 'فعولن' کے وزن پر جانچا۔ اس عمل کو **'تقطیع'** کہتے ہیں۔

شعر کی تقطیع کے اِن اصولوں کو یاد رکھیے :

۱۔ چھوٹی آواز کے سامنے چھوٹی اور بڑی آواز کے سامنے بڑی آواز آتی ہے۔

۲۔ ساکن حرف کے سامنے ساکن اور متحرک کے سامنے متحرک حرف آتا ہے۔

۳۔ کبھی چھوٹی آواز کو بڑی آواز کی طرح پڑھنا پڑتا ہے۔

۴۔ کبھی بڑی آواز کو چھوٹی آواز کی طرح بھی پڑھنا پڑتا ہے۔

۵۔ کبھی زیرِ اضافت کو 'یے' کی طرح بڑی آواز میں پڑھتے ہیں۔

۶۔ ہکاری آوازیں (بھ، جھ، کھ وغیرہ) ایک آواز شمار کی جاتی ہیں (ب، ج، ک وغیرہ)

۷۔ 'ں' کو تقطیع میں شمار نہیں کیا جاتا یعنی غنہ منفرد آواز نہیں ہے۔

۸۔ تشدید والی آوازیں دو آوازیں مانی جاتی ہیں۔

۹۔ تقطیع میں وہی آوازیں شمار کی جاتی ہیں جن کو ادا کیا جاتا ہے۔ ان کا شمار نہیں ہوتا جو صرف لکھی جاتی ہیں، ادا نہیں کی جاتی۔

بحر ہزج

آتشؔ کے درج ذیل اشعار بلند آواز سے پڑھ کر ان کی موزونیت پر توجہ دیجیے :

محبت کا تری بندہ ہر اک کو ، اے صنم پایا
برابر گردنِ شاہ و گدا دونوں کو خم پایا

ہزاروں حسرتیں جاویں گی میرے ساتھ دنیا سے
شرار و برق سے بھی عرصۂ ہستی کو کم پایا

سوائے رنج کچھ حاصل نہیں ہے اس خرابے میں
غنیمت جان ، جو آرام تو نے کوئی دم پایا

آپ پڑھ چکے ہیں کہ بحر متقارب کے رکن میں تین آوازیں ہیں: ایک چھوٹی (فَ) اور دو بڑی (عواور لن)۔ آتشؔ کے اشعار پڑھنے سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان میں بھی چھوٹی بڑی آوازیں سنائی دیتی ہیں: ایک چھوٹی 'مَ' اور تین بڑی 'فا عی لن'۔ ان آوازوں کے ملنے سے شعر کے آہنگ کا جو وزن بنتا ہے اسے 'مفاعیلن' (مفا عی لن) کہتے ہیں اور اس سے بننے والی بحر کا نام **'بحرِ ہزج'** ہے۔

رکن مفاعیلن کو تکرار سے پڑھیے :

مفاعی لُن مفاعی لُن مفاعی لُن مفاعی لُن
مفاعی لُن مفاعی لُن مفاعی لُن مفاعی لُن

آپ کو یہاں یہی محسوس ہوگا گویا ہم آتش کے اشعار پڑھ رہے ہوں۔ مفاعیلن کی تکرار کو ہم دیے گئے شعروں کے سامنے رکھیں تو معلوم ہوگا کہ شعر کی چھوٹی آوازیں 'م' کے سامنے اور بڑی آوازیں 'فا عی لُن' کے سامنے آ رہی ہیں جیسے :

صنم پایا	ہر اک کوے	تری بندہ	محبت کا
م فا عی لن	م فا عی لن	م فا عی لن	م فا عی لن
صَ نم پایا	ہَ رِک کوَاے	تِ ری بندہ	م حب بت کا
چھ آ ب آ	چھ آ ب آ	چھ آ ب آ	چھ آ ب آ

کو خم پایا	گدا دونوں	دِ نِ شاہ و	برابر گر
م فا عی لن	م فا عی لن	م فا عی لن	م فا عی لن
کُ خم پایا	گ دا دونو	د نے شاہو	ب را بر گر
چھ آ ب آ	چھ آ ب آ	چھ آ ب آ	چھ آ ب آ

خیال رہے کہ دوسرے مصرعے کی تقطیع میں 'گردنِ شاہ و' کا فقرہ ٹوٹ جائے گا۔ 'گر' پہلے حصے میں آتا ہے اور لفظ 'گردنِ' کو 'گردنے' پڑھیں گے۔ اسی طرح 'کو خم پایا' میں 'کو' چھوٹی آواز 'کُ' بن جائے گا۔ رکن 'مفاعیلن' شعر کے دونوں مصرعوں میں آٹھ بار آتا ہے اس لیے اس بحر کو **'بحر ہزج مثمن سالم'** کہتے ہیں۔

مشقی سرگرمیاں

* ذیل کے شعروں کی تقطیع کیجیے۔



۱۔ وہی شوکت عیاں ہے اس کے تیور اور قرینے سے
اڑے جاتے ہیں نقشِ دشمنی دل کے نگینے سے

۲۔ عطا کر دے وہی طاقت جو اک دن تھی مرے بس میں
جوانی کا لہو پھر جوش مارے میری نس نس میں

۳۔ صبا خاکِ دل سے بچا اپنا دامن
ابھی اس میں چنگاریاں اور بھی ہیں

۴۔ زمانہ سے پیوند جس کا جدا تھا
نہ کشوَر ستاں تھا ، نہ کشوَر کُشا تھا

اضافی مطالعہ

خاکہ نگاری

خاکہ نگاری اُردو کی ایک باضابطہ صنف ہے جس کی روایت بہت پرانی ہے۔ خاکہ نگار جب کسی شخصیت کو موضوع بناتا ہے تو اس شخص کے متعلق واقعات، سوانح، مشاہدات اور اپنے تاثرات کی مدد سے شخصیت کی جیتی جاگتی لفظی تصویر پیش کر دیتا ہے۔ پڑھنے والا اسے بہ یک وقت واقعے کے طور پر بھی پڑھتا ہے اور کہانی کے طور پر بھی۔ خاکے کی امتیازی خوبی یہ ہے کہ اس میں کسی شخص کی ظاہری اور باطنی کیفیات کو خاکہ نگار اپنے تاثرات کے ساتھ دلچسپ انداز میں بیان کرتا ہے۔ خاکہ اور سوانحی مضمون اس لحاظ سے مختلف ہیں کہ سوانح میں موضوع بننے والی شخصیت کے کارناموں کی تفصیل بیان کی جاتی ہے اور مصنف سے اس کی سند مانگی جاسکتی ہے۔ اس کے برعکس خاکے میں کسی شخص کو دیکھنے کا مصنف کا انداز اور اس کے ذاتی تاثرات و قیاسات کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

خاکے کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ خاکہ نگار اپنے مشاہدے میں آنے والے کسی بھی شخص کا خاکہ لکھ سکتا ہے۔ اُردو میں ایسے بے شمار لوگوں کے خاکے لکھے گئے ہیں جو سماج اور ادب میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ ایسے لوگوں کے خاکے بھی اُردو میں مشہور ہیں جو سماجی اعتبار سے بہت اہم نہیں تھے مثلاً نام دیو مالی (از عبدالحق) اور کندن چپراسی (از رشید احمد صدیقی)۔ اُردو میں خاکے کے ابتدائی نقوش محمد حسین آزاد کی 'آبِ حیات' میں ملتے ہیں۔ اُردو کے مشہور خاکہ نگاروں میں مرزا فرحت اللہ بیگ، مولوی عنایت اللہ دہلوی، میر ناصر علی، اشرف صبوحی، راشد الخیری، شاہد احمد دہلوی، خواجہ حسن نظامی، سعادت حسن منٹو، مالک رام، مجتبیٰ حسین، صالحہ عابد حسین وغیرہ اہم نام ہیں۔

درج ذیل خاکے ریاست مہاراشٹر کی ادبی اور علمی شخصیات کا ایک مختصر تعارف ہیں۔ یہاں روایت کے ارتقا کی تفصیل نہیں ہے۔ صفحات کی مقررہ حد کے پیش نظر انتخاب ناگزیر تھا۔ اِن خاکوں میں یہ امر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ جو تحریریں شامل کی جائیں وہ خاکہ نگاری (مرقع نگاری، چہرہ نگاری) کی اس تعریف سے قریب ہوں جس کی وضاحت خاکہ نگاری کے ضمن میں کی گئی ہے۔ یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ جو تحریریں پیش کی جائیں، ان کا تعلق مہاراشٹر کے مخصوص کلچر، مہاراشٹر کی زبان اور محاورے، مہاراشٹر کی سیاسی اور سماجی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو سے ہو۔ یہاں عوام اور خواص کی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے۔

لکھنے والا (خاکہ نگار) مہاراشٹر کا رہنے والا ہو یا اس نے مہاراشٹر میں مستقل سکونت اختیار کر لی ہو یا کم از کم پچیس تیس برسوں تک لگاتار مہاراشٹر میں رہا ہو۔ اس کتاب میں شامل تمام خاکوں کے موضوع ایسے افراد ہیں جو صفِ مرحومین میں شامل ہو چکے ہیں۔ زندہ شخصیات کے خاکے شامل نہیں کیے گئے ہیں۔ خاکے جس شکل میں موصول ہوئے تھے، انھیں درسی کتاب کی ضرورت کے مطابق قطع و برید کے ساتھ شامل کیا جارہا ہے۔

۱ منٹو : میرا دوست، میرا دشمن

عصمت چغتائی

جان پہچان

(۱) عصمت چغتائی : عصمت چغتائی ۲۱ / اگست ۱۹۱۵ء کو بدایوں میں پیدا ہوئیں۔ ان کا بچپن جے پور اور آگرہ میں گزرا۔ وہیں انھوں نے ابتدائی تعلیم پائی۔ بی.اے. اور بی.ایڈ. کی ڈگریاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ مختلف اسکولوں میں ملازمت کرنے کے بعد وہ ممبئی میں مدارس کی انسپکٹریس ہوگئیں۔ وہ فلمی دنیا سے بھی وابستہ تھیں۔ ان کی ذہنی تربیت ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر ہوئی تھی۔

عصمت چغتائی نے ناول، افسانے اور رپورتاژ لکھے۔ انھیں ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے شہرت ملی۔ 'دو ہاتھ'، 'چھوئی موئی'، 'کلیاں' اور 'چوٹیں' ان کے افسانوی مجموعے ہیں۔ 'ضدی'، 'ٹیڑھی لکیر'، 'معصومہ'، 'سودائی' اور 'ایک قطرۂ خون' ان کے اہم ناول ہیں۔ انھیں عورتوں کی زبان اور محاورات کے استعمال میں مہارت حاصل تھی۔ عصمت نے کچھ خاکے بھی لکھے۔ ان میں 'دوزخی'، بہت مشہور ہوا جو انھوں نے اپنے بھائی عظیم بیگ چغتائی پر لکھا ہے۔ 'بمبئی سے بھوپال تک' ان کا ایک یادگار رپورتاژ ہے۔ عصمت کی تحریروں کی خاص پہچان ان کی طنز آمیز زبان ہے۔ مسلم گھرانوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کے طرزِ زندگی اور نفسیات پر ان کی گہری نظر تھی۔ ان کا انتقال ۲۴ / اکتوبر ۱۹۹۱ء کو ممبئی میں ہوا۔

(۲) سعادت حسن منٹو : سعادت حسن منٹو ۱۱ / مئی ۱۹۱۲ء کو لدھیانہ کے گاؤں سمبرالہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم امرتسر میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ گئے لیکن زیادہ دنوں تک تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور جلد ہی ملازمت اختیار کر لی۔ اخبار 'مساوات' (امرتسر) اور ہفت روزہ 'مصوّر' (ممبئی) وغیرہ میں بھی ادارت کے فرائض انجام دیے۔ انھوں نے آل انڈیا ریڈیو کے لیے ریڈیائی ڈرامے اور فیچر بھی لکھے۔ بعد میں وہ ممبئی میں فلمی دنیا سے وابستہ ہو گئے۔ تقسیم وطن کے بعد انھوں نے لاہور میں سکونت اختیار کی اور ۱۸ / جنوری ۱۹۵۵ء کو وہیں ان کا انتقال ہوا۔

منٹو اُردو کے ایک بڑے افسانہ نگار ہیں۔ موضوع اور تکنیک کے اعتبار سے ان کے افسانے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ 'آتش پارے' منظرِ عام پر آیا۔ بعد میں ان کے متعدد افسانوی مجموعے شائع ہوئے۔ 'نیا قانون'، 'ٹھنڈا گوشت'، 'کالی شلوار'، 'ٹوبہ ٹیک سنگھ'، 'موذیل' اور 'ہتک' ان کے اہم اور مشہور افسانے ہیں۔ انھوں نے افسانوں کے علاوہ مضامین، خاکے اور کئی فلموں کے اسکرپٹ بھی لکھے۔ 'گنجے فرشتے' ان کے خاکوں کا مجموعہ ہے۔

اڈلفی چیمبر کی چوبی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے مجھے گھبراہٹ سی ہو رہی تھی، جیسی کبھی امتحان کے ہال میں داخل ہونے سے پہلے ہوا کرتی تھی۔ مجھے ویسے ہی نئے آدمیوں سے ملتے گھبراہٹ ہوا کرتی تھی لیکن یہاں تو وہ 'نیا آدمی' منٹو تھا جس سے پہلی بار ملنے جا رہی تھی۔ میری گھبراہٹ وحشت کی حدوں کو چھونے لگی۔ میں نے شاہد سے کہا، ''چلو واپس چلیں، شاید منٹو گھر پر نہ ہو۔'' مگر شاہد نے میری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

''وہ شام کو گھر ہی پر رہتا ہے۔''

یہ لیجیے مرے پر سو دُرّے۔ مگر میں نے جی کڑا کر لیا۔ ایسا بھی سوچا۔ مجھے کھا تو نہیں جائے گا! ہونے دو جو اس کی زبان کی نوک

پر ڈنک ہے۔ میں بلبلہ تو ہوں نہیں جو پھونک ماری تو بیٹھ جاؤں گی۔ چرچراتی گرد آلود سیڑھیاں طے کر کے ہم منزل پر پہنچے۔ فلیٹ کا دروازہ نیم وا تھا۔ ڈرائنگ روم نما کمرے میں ایک کونے میں صوفہ سیٹ تھا۔ دوسری طرف ایک بڑا سا سفید اور صاف پلنگ پڑا تھا۔ کھڑکی سے ملی ہوئی ایک لدی پھندی بڑی میز کے سامنے ایک بڑی سی کرسی میں ایک باریک مکوڑے کی شکل کا انسان اُکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔

''آیئے آیئے۔'' بڑی خندہ پیشانی سے منٹو کھڑا ہو گیا۔ منٹو ہمیشہ کرسی پر اُکڑوں بیٹھا کرتا تھا اور بہت مختصر نظر آتا تھا لیکن جب کھڑا ہوتا تھا تو کھنچ کر اس کا قد خاصا لمبا نکل آتا تھا اور بعض وقت جب منٹو یوں رینگ کر کھڑا ہوتا تھا تو بڑا زہریلا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے جسم پر کھدر کا کُرتا پاجامہ اور جواہر کٹ صدری تھی۔

''ارے میں سمجھتا تھا کہ آپ نہایت کالی، دبلی، سوکھی، مریل سی ہوں گی۔'' اس نے دانت نکال کر ہنستے ہوئے کہا۔

''اور میں سمجھتی تھی آپ نہایت دبنگ قسم کے چنگھاڑتے ہوئے پنجابی ہوں گے۔''

اور دوسرے لمحے ہم دونوں پوری تندہی سے جٹ کر بحث کرنے لگے کہ دو تین بار بات اُلجھ گئی لیکن ذرا سا تکلف باقی تھا، لہٰذا دوسری ملاقات کے لیے اُٹھا رکھی۔ کئی گھنٹے ہمارے جبڑے مشینوں کی طرح مختلف موضوعات پر جملے کترتے رہے اور میں نے جلد ہی معلوم کیا کہ میری طرح منٹو بھی بات کاٹنے کا عادی ہے۔ پوری بات سننے سے پہلے ہی بول اُٹھتا ہے اور جو رہا سہا تکلف تھا، وہ بھی غائب ہو گیا۔ باتوں نے بحث اور بحث نے باقاعدہ نوک جھونک کی صورت اختیار کر لی اور صرف چند گھنٹوں کی جان پہچان کے بل بوتے پر ہم نے ایک دوسرے کو نہایت ادبی قسم کے لفظوں میں احمق، جھکّی اور کج بحث کہہ ڈالا۔

گھمسان کے بیچ مَیں نے ایک بار کنارے ہو کر غور سے دیکھا۔ موٹے موٹے شیشوں کے پیچھے لپکتی ہوئی بڑی بڑی سیاہ پتلیوں والی آنکھیں جنھیں دیکھ کر مجھے بے ساختہ مور کے پر یاد آ گئے۔ مور کے پر اور آنکھوں کا کیا جوڑ؟ یہ مجھے کبھی نہ معلوم ہو سکا مگر جب بھی میں نے ان آنکھوں کو دیکھا، مجھے مور کے پر یاد آ گئے۔ شاید رعونت اور گستاخی کے ساتھ ساتھ ان میں بے ساختہ شگفتگی مجھے مور کے پروں کی یاد دلاتی تھی۔ ان آنکھوں کو دیکھ کر میرا دل دھک سے رہ گیا۔ انھیں تو میں نے کہیں دیکھا ہے۔ بہت قریب سے دیکھا ہے۔ قہقہہ لگاتے، سنجیدگی سے مسکراتے، طنز کے نشتر برساتے اور پھر نزع کے عالم میں پتھراتے! وہی نازک نازک ہاتھ پیر، سر پر ٹوکرا بھر بال، پچکے زرد زرد گال اور کچھ بے تکے سے دانت۔ نہ جانے کس بات پر میں نے کہا، ''یہ بالکل غلط۔'' اور ہم باقاعدہ لڑ پڑے۔

''آپ کج بحثی کر رہی ہیں۔''

''حماقت ہے یہ!''

''دھاندلی ہے، عصمت بہن!''

''آپ مجھے بہن کیوں کہہ رہے ہیں۔'' میں نے چڑ کر کہا۔

''نہیں کہتا۔''

''میرے بارے میں میرے بھائیوں کے خیالات بھی کچھ خوش گوار نہیں ہیں۔ یہ آپ کو کھانسی ہے۔ اس کا علاج کیوں نہیں کرتے؟''

''علاج؟ تین سال ہوئے ڈاکٹروں نے کہا تھا سال بھر میں مر جاؤ گے، تمھیں ٹی. بی. ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ میں نے نہ مرکر ان کی پیشین گوئی کو سچا ثابت نہ ہونے دی۔ ان سے تو میسمریزم اور جادو کرنے والے زیادہ عقل مند ہوتے ہیں۔''

''یہی آپ سے پہلے ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے۔''

''کون بزرگ؟''

''میرے بھائی، عظیم بیگ، نو من مٹی کے نیچے آرام فرما رہے ہیں۔''

تھوڑی دیر ہم عظیم بیگ کے فن پر بحث کرتے رہے۔ آئے تھے صرف ملاقات کرنے لیکن باتوں میں رات کے گیارہ بج گئے۔ شاہد، جو ہماری جھڑپیں الگ تھلگ بیٹھے دیکھ رہے تھے، بھوک سے تنگ آ چکے تھے۔ ملاڈ پہنچتے پہنچتے ایک بج جائے گا لہٰذا کھانا کھا ہی لیا جائے۔ منٹو نے مجھ سے الماری سے پلیٹیں اور چمچے نکالنے کو کہا اور خود ہوٹل سے روٹی لینے چلا گیا۔

''ذرا اس برنی سے اچار نکال لیجیے۔'' منٹو نے تیزی سے میز پر کھانا لگایا اور کرسی پر اُکڑوں بیٹھ گیا۔ وہی میز جو دم بھر پہلے ادبی کارگزاریوں کا میدان بنی ہوئی تھی، ایک دم کھانے کی میز کی خدمات انجام دینے لگی اور بغیر کسی سے ''پہلے آپ'' کہے ہم لوگوں نے کھانا شروع کر دیا، جیسے برسوں سے اسی طرح کھانے کے عادی ہوں۔

منٹو فلمستان میں قریب قریب مستقل تھا۔ وہ بڑا خوش نظر آتا تھا۔ مدح سرائی جو اس کی زندگی کا سہارا تھی، اسے ملتی تھی کہ اس کی فلم 'آٹھ دن' کامیاب نہ ہوئی۔ نہ جانے کیوں وہ فلمستان چھوڑ کر اشوک کمار کے ساتھ بمبئی ٹاکیز چلا گیا۔ اسے اشوک کمار بہت پسند تھا۔ مکرجی نے نہ جانے اسے کیا کہہ دیا تھا کہ وہ ایک دم ان کے خلاف ہو گیا۔

''بکواس ہے مکرجی۔ فراڈ ہے پکا!'' وہ تلخی سے کہتا۔

بمبئی ٹاکیز میں جا کر اس نے مجھے بھی کمپنی میں ایک سال کے لیے سینیریو ڈپارٹمنٹ میں کام دِلوا دیا اور بہت ہی خوش ہوا۔ اب ہم دونوں مل کر کہانی لکھیں گے۔ تہلکہ مچ جائے گا۔ میری اور آپ کی کہانی، اشوک کمار ہیرو، بس پھر دیکھیے گا۔''

مگر منٹو کی کہانی رہ گئی! منٹو دن بھر اپنے کمرے میں بیٹھا اپنی کہانی کی اُدھیڑ بُن کیا کرتا۔ کبھی انجام کو آغاز بنا کر لکھتا کبھی آغاز کو انجام بنا کر، کبھی وسط سے شروع کر کے آغاز پر ختم کرتا اور وسط کو انجام بنا دیتا۔ باوجود ہزاروں آپریشنوں کے کہانی کی کوئی کل اشوک کمار کو پسند نہ آئی۔ مگر منٹو یہی کہتا:

''آپ گنگولی کو نہیں سمجھتیں۔ میں سمجھتا ہوں۔ وہ میری کہانی میں ضرور کام کرے گا۔''

''آپ کی کہانی میں اس کا رول رومانٹک نہیں، باپ کا ہے۔ وہ کبھی نہیں کرے گا۔'' اور منٹو سے پھر لڑائی ہونے لگتی۔ مگر ادبی زبان سے، یہاں اپنی فکر پڑی تھی۔ اور وہی ہوا کہ 'ضدی' اور 'محل' بن گئیں۔ منٹو کی کہانی رہ گئی۔ منٹو کو اس کی امید نہ تھی اور اسے بڑی ذلت محسوس ہوئی۔ وہ سب کچھ جھیل سکتا تھا، بے قدری نہیں جھیل سکتا تھا۔ اُدھر ملک کے حالات بالکل ہی ابتر ہو گئے۔ اس کے بیوی بچے اسے پاکستان بلانے لگے۔ منٹو نے ہم سے بھی چلنے کو کہا۔ پاکستان میں حسین مستقبل ہے۔ وہاں ہم ہی ہم ہوں گے۔ بہت جلد ترقی کر جائیں گے۔ میرے جواب پر منٹو مجھ سے واقعی بددل ہو گیا۔ اتنی لڑائیاں اور جھگڑے میرے اس سے ہوئے مگر یوں کسی سنجیدہ اصول پر بحث نہیں ہوئی۔

اور اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ منٹو کتنا بزدل ہے۔ کسی بھی قیمت پر وہ اپنی جان بچانے کو تیار ہے۔ اپنا مستقبل بنانے کے لیے وہ بھاگے ہوئے لوگوں کی زندگی کی کمائی پر دانت لگائے بیٹھا ہے اور مجھے اس سے نفرت سی ہوگئی۔

ایک دن وہ بغیر اطلاع کیے اور ملے پاکستان چلا گیا۔ مجھے بڑی ہتک محسوس ہوئی۔ پھر جب اس کا خط آیا کہ وہ بہت خوش ہے۔ بہت عمدہ مکان ملا ہے۔ کشادہ اور خوبصورت قیمتی سامان سے آراستہ۔ ہمیں اس نے پھر بلایا تھا۔ 'ضدی' ختم ہوگئی تھی اور ہم نے 'آرزو' شروع کر دی تھی۔ برے وقت آئے تھے اور چلے گئے تھے۔ اس کے پھر دو خط آئے۔ اس نے بلایا تھا، ایک سینما الاٹ کروانے کی امید دلائی تھی۔ مجھے بڑا دکھ ہوا۔ اس کی محبت کا پہلے بھی یقین تھا مگر اب تو اور بھی مان جانا پڑا۔ میں نے اس کے خط پھاڑ دیے اس بات سے چڑ کر کہ وہ میرے اصولوں کی قدر کیوں نہیں کرتا۔ میں نے اسے جانے سے نہیں روکا۔ پھر وہ مجھے اپنے راستے پر کیوں گھسیٹ رہا ہے۔

پھر سنا منٹو بہت خوش ہے۔ مکان چھن گیا مگر دوسرا مکان بھی خاصا اچھا ہے۔ ایک لڑکی اور پیدا ہوئی۔ اور سال گزرتے گئے۔ ایک لڑکی اور پیدا ہوئی۔ منٹو کا ایک خط آیا ''کوشش کر کے مجھے ہندوستان بلوا لو۔''

پھر معلوم ہوا منٹو پر مقدمہ چلا اور جیل ہوگئی۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہے۔ کسی نے احتجاج بھی نہ کیا، بلکہ کچھ ایسا لوگوں کا رویہ تھا کہ اچھا ہوا، جیل ہوگئی۔ اب دماغ درست ہو جائے گا۔ نہ کہیں جلسے ہوئے، نہ میٹنگیں ہوئیں، نہ ریزولیوشن پاس ہوئے۔

پھر معلوم ہوا کہ دماغ چل نکلا اور پاگل خانے میں یار دوست پہنچا آئے ہیں۔

مگر ایک دن منٹو کا خط آیا۔ بالکل ہوش و حواس میں لکھا تھا کہ اب بالکل ٹھیک ہوں اگر مکر جی سے کہہ کر بمبئی بلوا لو تو بہت اچھا ہو۔ اس کے بعد عرصے تک کوئی خیر خبر نہیں ملی۔ نہ ہی میرے خط کا جواب آیا۔ پھر سنا کہ دوبارہ پاگل خانے چلے گئے۔ اب منٹو کی خبروں سے ڈر سا لگتا تھا۔ پوچھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ خدا جانے اس کا اگلا قدم کہاں پڑا ہو مگر پاگل خانے سے آگے جو قدم پڑتا ہے وہ لوٹ کر نہیں آتا۔ پاکستان سے آنے والے لوگوں سے بھی اتنی کڑوی خبریں سنیں کہ جی اُوب گیا۔ بے طرح پینے لگے ہیں۔ اپنے پرائے ہر ایک سے پیسہ مانگ بیٹھتے ہیں۔ اخبار والے بٹھا کر سامنے مضمون لکھواتے ہیں پیشگی پیسہ دو، سب کھا جاتے ہیں۔

منٹو کا آخری خط آیا جس میں ایک مضمون اپنے اوپر لکھنے کو کہا تھا اور بے ساختہ میری منحوس زبان سے نکل گیا کہ اب تو مرنے کے بعد ہی مضمون لکھوں گی۔

اور آج منٹو کے مرنے کے بعد میں لکھ رہی ہوں۔ منٹو ہی نہیں، عرصہ ہوا میرے اور منٹو کے درمیان بہت کچھ مر چکا تھا۔ آج صرف ایک کسک زندہ ہے، یہ پتا نہیں چلتا کہ کس بات کی کسک ہے؟ کیا اس بات کی ندامت ہے کہ وہ مر چکا ہے اور میں زندہ ہوں؟ یہ میرے سینے پر پھر قرض جیسا بوجھ کیوں ہے۔ مجھے تو منٹو کا کوئی قرضہ یاد نہیں اور اُس کا قرضہ بھی کیا تھا، یہی نا کہ اس نے مجھے بہن کہا تھا۔ مگر بہنیں تو کھڑی بھائیوں کو دم توڑتا دیکھتی ہیں اور کچھ نہیں کر پاتیں۔ مرنے والے زخم لگا جاتے ہیں، جو نہ دُکھتا ہے نہ رِستا ہے خاموش سلگتا رہتا ہے۔

معانی واشارات

میسمریزم	– ایک علم جس کے ذریعے دوسروں کے خیالات پر قابو پایا جاسکتا ہے
ہتک	– بے عزّتی
مکرجی	– سُشدھر مکرجی جو اشوک کمار کے بہنوئی اور 'فلمستان' کے مالک تھے۔
ریزولیوشن	– قرارداد (Resolution)
اُدھیڑبُن	– کشمکش، تذبذب

مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

مرکز: عصمت چغتائی

تاریخِ پیدائش	مقامِ پیدائش
ملازمت	تاریخِ وفات

۲۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

مرکز: عصمت چغتائی کے ناول

۳۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

مرکز: سعادت حسن منٹو

تاریخِ پیدائش	مقامِ پیدائش
تاریخِ وفات	مقامِ وفات

۴۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

مرکز: منٹو کی تصانیف

* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ منٹو کے فلیٹ کی حالت کے بارے میں لکھیے۔

۲۔ مصنفہ کے ذریعے بیان کیا گیا منٹو کا سراپا تحریر کیجیے۔

۳۔ ڈاکٹروں سے متعلق منٹو کے خیالات قلم بند کیجیے۔

۴۔ منٹو، عصمت چغتائی اور اشوک کمار کا واقعہ بیان کیجیے۔

۵۔ مصنفہ نے منٹو کی زندگی کے آخری ایام کا جو نقشہ کھینچا ہے اُسے لکھیے۔

* درج ذیل جملوں کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ شاید رعونت اور گستاخی کے ساتھ ساتھ ان میں بے ساختہ شگفتگی، مجھے مور کے پروں کی یاد دلاتی تھی۔

۲۔ اُس کا قرضہ بھی کیا تھا، یہی نا کہ اُس نے مجھے بہن کہا تھا۔

* ہدایت کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمی مکمل کیجیے۔

سبق سے محاورے تلاش کر کے ان کے معنی لکھیے اور انھیں اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

۲ عرف باقر مہدی

یوسف ناظم

جان پہچان

(۱) یوسف ناظم : یوسف ناظم اُردو کے مشہور طنز و مزاح نگار تھے۔ وہ ۱۸؍نومبر ۱۹۱۸ء کو جالنہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد سے ایم.اے. کی ڈگری حاصل کی۔ ملازمت کے بعد ڈپٹی لیبر کمشنر کے طور پر وظیفہ یاب ہوئے۔

انھوں نے کئی اخبارات و رسائل میں کالم لکھے۔ ان کے مضامین اور کالم طنز اور شگفتگی کا حسین امتزاج پیش کرتے ہیں۔ ان کا اسلوبِ نگارش دلچسپ اور سلجھا ہوا ہے۔ 'کیف و کم، فٹ نوٹ، فقط، بالکلیات' وغیرہ ان کے مضامین کے مجموعے ہیں۔ ان کی کتاب 'پلک نہ مارو' بچوں کے لیے لکھے گئے دلچسپ مضامین کا مجموعہ ہے۔ یوسف ناظم ممبئی میں قیام پذیر تھے۔ وہیں ۲۳؍جولائی ۲۰۰۹ء کو ان کا انتقال ہوا۔

(۲) باقر مہدی : باقر مہدی ۱۱؍فروری ۱۹۲۷ء کو لکھنؤ کے قریب ایک قصبے ردولی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے لکھنؤ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور زندگی کا بڑا حصہ ممبئی میں گزارا۔ انھوں نے شاعری کے علاوہ نثر میں بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ 'ٹوٹے شیشے کی آخری نظمیں' کے علاوہ 'سیاہ سیاہ' ان کی شاعری کا کلیات ہے۔ 'آگہی و بے باکی' اور 'تنقیدی کشمکش' ان کے تنقیدی مضامین کے مجموعے ہیں۔ باقر مہدی کا شمار جدیدیت سے وابستہ ان شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی شاعری میں نئے نئے تجربوں کو راہ دی۔ باقر مہدی نے نظمیں اور غزلیں دونوں میں طبع آزمائی کی۔ ان کا انتقال ۲۳؍ستمبر ۲۰۰۷ء کو ممبئی میں ہوا۔

باقر مہدی کے نئے مجموعۂ کلام 'ٹوٹے شیشے کی آخری نظمیں' کی اشاعت پر ممبئی کے ادیبوں اور شاعروں کی ایک ادبی نشست ۱۰؍دسمبر ۱۹۷۲ء کو منعقد ہوئی۔ یہ مضمون اسی جلسے میں پڑھا گیا۔ مضمون پڑھنے سے پہلے راقم نے حاضرین جلسہ کے روبرو صاحبِ محفل سے یہ اقرار نامہ لکھوایا کہ وہ اس مضمون کے بارے میں راقم سے کوئی باز پُرس نہیں کریں گے۔

ایسا نہیں ہے کہ باقر مہدی صاحب کتابی صورت میں پہلی بار چھپے ہوں۔ ان کی کم سے کم تین کتابیں پہلے بھی شائع ہو چکی ہیں لیکن جب ان کی آخری نظموں کا مجموعہ شائع ہوا تو ان کے قریب کے دوستوں کو بڑی مسرت ہوئی اور اسی مسرت کے اظہار کے سلسلے میں اُنھوں نے یہ جلسہ منعقد کیا کہ باقر مہدی صاحب کو ان کی آخری نظموں کی اشاعت پر مبارک باد دی جائے۔ معلوم نہیں باقر مہدی صاحب کی نکتہ رس نگاہ اس نکتے پر کیوں نہیں پڑی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ اپنے دوستوں سے اس ذہانت کی توقع نہ رکھتے ہوں۔ بہر حال مجھے بھی اس خوشی میں شریک ہونا تھا اس لیے میں بھی ان کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت لے کر حاضر ہوا ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ آج کل کے زمانے میں عقیدت کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

باقر مہدی شاعر ہیں، نقاد ہیں، مقرر ہیں لیکن اپنے غیر مربوط مضمون میں ان کی شاعرانہ صلاحیتوں اور تنقیدی شعور کے بارے میں میرا کچھ عرض کرنا سراسر ناانصافی ہوگی۔ یوں ناانصافی سے باقر مہدی صاحب کو بڑا شغف رہا ہے لیکن مجھے ان کی صحبت کا فیض

حاصل ہونے کے باوجود ناانصافی کی مشق نہیں ہوئی ہے اس لیے میں اس سے احتراز ہی کروں گا اور صرف ان کی شخصیت کے بارے میں رفاہِ عام کی خاطر کچھ عرض کروں گا۔ مَیں جو کچھ عرض کروں گا، اس سے میرا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ خود اپنے آپ سے متفق نہ ہونے کا فن میں نے صاحب موصوف سے سیکھا ہے۔ موصوف اپنے آپ سے بھی متفق نہیں ہوا کرتے۔ اختلاف رائے کی یہ منزل تنقید کے میدان میں آخری منزل سمجھی جاتی ہے۔ باقر مہدی کو اس منزل پر پہنچے ہوئے مدت ہوگئی۔

یہ کوئی افواہ نہیں بلکہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ باقر مہدی صاحب بھی ردولی جیسے مردم خیز علاقے میں پیدا ہوئے۔ نقادوں کو یوں بھی قدرت کی طرف سے کھلی اجازت ہے کہ وہ جہاں چاہیں پیدا ہو جائیں۔ باقر مہدی کی ولادت سے ان کے وطنِ مالوف کو ایک فائدہ یہ ہوا کہ ان کے بعد پھر کسی نقاد کی ہمت نہیں ہوئی کہ ردولی میں پیدا ہو۔ باقر مہدی نے لکھنؤ میں تعلیم پائی (جو کچھ انھوں نے پایا اسے تعلیم ہی کہا جاتا ہے) جب بھی کوئی شخص لکھنؤ کے تکلف اور وہاں کے آداب اور تکلّفات کا ذکر کرتا ہے، میں باقر مہدی صاحب کے حوالے سے اس کی تردید کرتا ہوں اور وہ شخص بالکل مطمئن ہو جاتا ہے۔ باقر مہدی کی شخصیت کا یہ پہلو بڑا تابناک ہے اور اگر چار نہیں تو کم سے کم تین دانگِ عالم میں ضرور مشہور رہے۔

باقر مہدی صاحب کے متعلق میں نے دو رائیں کبھی نہیں سنیں۔ پورا ہندوستان یعنی غیر منقسم ہندوستان اس بات پر متفق ہے کہ باقر مہدی جتنے عالم ہیں اس سے زیادہ ظالم ہیں۔ ان کی بے باکی کی داستانیں چمن میں ہر طرف بکھری پڑی ہیں۔ ان کی بے باکی وہ معمولی بے باکی نہیں جس کا دعویٰ بہت سے لوگ کرتے ہیں۔ ان کی بے باکی اور سفاکی میں ذرا سا ہی فرق ہے۔ اُردو کے سارے ادیبوں اور شاعروں کے دلوں میں خوف کی جو ہلکی سی لہر دوڑتی رہتی ہے، اس لہر کا نام باقر مہدی ہے۔ شامت کا مارا جو بھی ادیب اور شاعر ممبئ آتا ہے، باقر مہدی اس کی مزاج پرسی کے لیے اس کے وطن تک جانے سے گریز نہیں کرتے۔ وہ اس کارِ خیر کے سلسلے میں دور دراز مقامات تک ہو آئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ابھی ان کے ارمان کم ہی نکلے ہیں۔

غالبًا دو سال ہوئے کہ لندن یونیورسٹی کے اُردو کے پروفیسر رالف رسل غلطی سے ممبئ آ گئے۔ ان کی آمد سے متعلق باقر مہدی صاحب کے ایک دوست خورشید الاسلام نے انھیں خط لکھا کہ رالف رسل میرے اچھے دوست ہیں، تم سے ملنے آئیں گے، خدا کے لیے ان سے لڑنا مت...... افسوس، صد افسوس کہ خورشید الاسلام کا یہ خط باقر مہدی کو تین بجے ملا جب کہ ایک بجے تک وہ رالف رسل سے لڑ کر فارغ ہو چکے تھے۔ اس واقعے کے راوی باقر مہدی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ بات یہیں ختم نہیں ہوئی ہوگی، اس کے بعد وہ یقیناً خورشید الاسلام سے لڑے ہوں گے کہ انھوں نے یہ خط ٹھیک وقت پر کیوں نہیں بھیجا۔

باقر مہدی صاحب کو پہلی مرتبہ میں نے جگر مرادآبادی مرحوم کے تعزیتی جلسے میں تقریر کرتے سنا تھا۔ جگر مرادآبادی کے مرنے میں کچھ کسر باقی رہ گئی تھی، باقر مہدی صاحب نے اپنی تقریر سے پوری کردی...... باقر مہدی صاحب روایت شکن آدمی ہیں، اتنے روایت شکن کہ ان کی پیشانی ہمیشہ شکن آلود رہتی ہے۔ یوں بھی نقاد کو تنقید کا دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ چاہے موقع تعزیت کا ہو یا تہنیت کا۔

باقر مہدی صاحب مجھ پر بہت مہربان رہے ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ باعلم آدمی ہیں اور میں لاعلم! وہ ایزرا پاؤنڈ کا ذکر کرتے ہیں تو میں پوچھتا ہوں یہ کس ملک کا سکہ ہے۔ وہ اس کی شاعری کا ذکر کرتے ہیں تو مجھے پوچھنا پڑتا ہے کہ عذرا کہاں کی

رہنے والی تھیں اس لیے مجھ جیسے لاعلم شخص سے اختلاف رائے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے لیے دس بیس سیڑھیاں نیچے اترنی پڑتی ہیں اور یہ کام باقر مہدی نہیں کر سکتے۔ باقر مہدی علم کی اس بلندی پر ہیں جہاں خود علم کے پہنچنے میں ابھی دیر ہے!

مجھ سے ایک مرتبہ البتہ بھول ہوئی۔ میں نے مکتبہ جامعہ میں بیٹھ کر جہاں ہر قسم کی الٹی سیدھی باتیں ہوا کرتی ہیں (الٹی اس لیے کہ باقر مہدی صاحب وہیں بیٹھتے ہیں!) کسی دن یہ کہہ دیا کہ میں باقر مہدی کے اشعار کو منظوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن میری یہ مہمل بات کسی چہیتے دوست نے باقر مہدی صاحب تک پہنچا دی۔ باقر مہدی صاحب مجھ سے کامل تین ماہ تک خفا رہے۔ آہ! وہ کتنے خوشگوار دن تھے!

ایسا ہی ایک سانحہ اور بھی گزرا ہے۔ حیدرآباد کے کسی رسالے میں یہ خبر چھپ گئی کہ میں نے وہاں ایک ادبی جلسے میں یہ کہہ دیا کہ باقر مہدی، قاضی سلیم کو شاعر تسلیم نہیں کرتے۔ باقر مہدی صاحب کسی اور کی کہی ہوئی سچ بات کا بہت برا مانتے ہیں۔ یہ بات بھی انھیں ناگوار گزری۔ مکتبہ جامعہ میں انھوں نے میری خبر لی۔ میں نے صرف اتنا عرض کیا کہ اگر وہ قاضی سلیم کو شاعر مانتے ہیں تو اس کا اعلان کر دیں اور پھر باقر مہدی صاحب نے ماہنامہ 'صبا' میں ایک خط چھپوایا کہ وہ قاضی سلیم کو شاعر مانتے ہیں۔ اس وقت سے باقر مہدی اپنے اعلان پر قائم ہیں حالانکہ قاضی سلیم بھی 'صبا' میں اپنا خط چھپوا چکے تھے کہ کسی کے ماننے یا نہ ماننے سے شاعری میں کیا فرق پڑتا ہے لیکن باقر مہدی ہیں کہ قاضی سلیم کو برابر شاعر مانے جا رہے ہیں۔ خود کردہ را علاجے نیست!

باقر مہدی صاحب کی شخصیت کا نمایاں پہلو ان کا روادارانہ مزاج ہے اور وہ سب کو یکساں طور پر ناپسند کرتے ہیں۔ اس میں وہ شدت اور نرمی کا فرق نہیں برتتے۔ باقر مہدی صاحب اس معاملے میں بڑے محتاط ہیں اور اس بات کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں کہ ان کی زبان یا قلم سے کسی کے حق میں کوئی کلمۂ خیر نہ نکل جائے۔ اتنا محتاط آدمی ہمیں تو کیا باقر مہدی کو آئینے میں بھی نہیں ملے گا۔ باقر مہدی چوں کہ اپنی مثال آپ ہیں اس لیے ان کا عکس بھی ان سے مختلف ہے!

اگر سب لوگ پانی کی تلاش میں دریا کی طرف جا رہے ہوں اور صرف ایک شخص ریگستان کی سمت جا رہا ہو تو وہ تنہا شخص سوائے باقر مہدی کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ باقر مہدی صاحب نے یہ وتیرہ اس وقت سے اختیار کیا ہے جب سے انھوں نے بحروں کو توڑ تاڑ کر نالے میں ڈال دیا ہے۔

باقر مہدی کو ممبئ کی جن چیزوں سے نفرت ہے ان میں سے ایک چیز پگڑی ہے۔ ان کے ہاتھوں کسی کی پگڑی بھی اس کے سر پر سلامت نہیں رہی۔

مجھے انھوں نے از راہ کرم الطاف حسین حالؔی کا لقب دیا ہے کیوں کہ اُردو ادب میں وہ سب سے زیادہ اگر کسی کو ناپسند کرتے ہیں تو وہ مولانا حالؔی ہیں۔ ناپسندیدگی کے اظہار کے سلسلہ میں بالواسطہ طریقہ انھوں نے صرف میرے لیے اختیار کیا ہے، اوروں کے ساتھ یہ رعایت نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ہے بلاواسطہ ہے۔

باقر مہدی صاحب کی شخصیت کا کمال یہ ہے کہ وہ ادب کے کسی موضوع پر ایک مدلل اور مبسوط مضمون لکھ کر اس کی مخالفت میں دوسرا مدلل مضمون لکھ سکتے ہیں۔ وہ ایک ہی محفل میں، ایک ہی موضوع کی تائید اور مخالفت میں گھنٹوں بول سکتے ہیں۔ باقر مہدی ڈائیلاگ اور مونولاگ دونوں کے ماہر ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ ان کی یہ دونوں چیزیں بے لاگ ہوتی ہیں۔ اچھا ہوا کہ باقر مہدی

صاحب نے وکالت کے پیشے سے شوق نہیں فرمایا ورنہ معلوم نہیں ان کی وکالت سے کتنے بے گناہ پھانسی پر چڑھ جاتے جن میں خود ان کے مؤکل بھی شریک ہوتے۔

ادب کا کوئی بھی سیدھا سادہ مسئلہ ہو، باقر مہدی اسے بڑی صفائی سے اُلجھائیں گے اور بہت دیر تک مسکرائیں گے۔ ان کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ کوئی ادبی جلسہ یا مشاعرہ ہو، لوگ یہ دریافت کرتے ہیں کہ فلاں صاحب آ رہے ہیں نا؟ لیکن باقر مہدی صاحب کے متعلق یہی پوچھا جائے گا کہ اس محفل میں باقر مہدی تو نہیں آ رہے ہیں! اور ایسا نہیں ہے کہ باقر مہدی صاحب کو یہ بات معلوم نہ ہو۔

میں باقر مہدی کی شخصیت کی طرح اپنے اس اُلجھے ہوئے اور غیر مربوط مضمون کو یہ کہہ کر ختم کروں گا کہ باقر مہدی ان لوگوں سے یقیناً مختلف ہیں جن سے ریاضؔ خیرآبادی کو سابقہ پڑا تھا اور جن کے متعلق انھوں نے کہا تھا ؎

بڑے صاف طینت بڑے پاک باطن
ریاضؔ آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

معانی واشارات

نکتہ رس – کلام کی باریکیاں سمجھنے والا
شغف – دلچسپی
احتراز – پرہیز، اجتناب
رفاہِ عام – عام لوگوں کی بھلائی
خود کردہ را علاجے نیست – اپنے کیے کا کوئی علاج نہیں

مشقی سرگرمیاں

✻ خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

یوسف ناظم
تاریخ پیدائش
مقام پیدائش
ملازمت
تاریخ وفات

۲۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

یوسف ناظم کی تصانیف

۳۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

باقر مہدی
تاریخ پیدائش
تعلیم
کلیات
تاریخ وفات

۴۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

باقر مہدی کی تصانیف

٭ درج ذیل سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ خاکے سے باقر مہدی کی جن خوبیوں کا اظہار ہوتا ہے، انھیں تحریر کیجیے۔

۲۔ خاکے سے ایسے جملے تلاش کرکے لکھیے جن میں مصنف نے باقر مہدی کی بہ ظاہر تعریف کرتے ہوئے ان پر طنز کیا ہے۔

٭ ذیل کے جملوں سے صحیح متبادل لکھیے۔

۱۔ ''باقر مہدی صاحب کی نکتہ رس نگاہ اس نکتے پر کیوں نہیں پڑی۔'' اس بیان میں 'نکتہ' کے لیے صحیح متبادل ....

(الف) دوستوں کی ذہانت پر اعتماد نہ تھا۔
(ب) آج کل عقیدت کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔
(ج) دوستوں کو خوشی تھی کہ باقر مہدی کی آخری نظموں کی اشاعت ہوگئی ہے۔
(د) ان کی کم سے کم تین کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

۲۔ خاکہ نگار نے یہ خاکہ ....

(الف) باقر مہدی کی درخواست پر لکھا ہے۔
(ب) باقر مہدی کے ڈر کی وجہ سے لکھا ہے۔
(ج) باقر مہدی کی تعریف میں لکھا ہے۔
(د) باقر مہدی کی شخصیت اجاگر کرنے کے لیے لکھا ہے۔

۳۔ ذیل سے صحیح اور غلط متبادل کو الگ الگ لکھیے۔

رالف رسل سے باقر مہدی کے جھگڑنے کی وجہ ....

(الف) خط دیر سے پہنچنا۔
(ب) باقر مہدی رالف رسل سے واقف نہیں تھے۔
(ج) رالف رسل بھی غصّے کے تیز تھے۔
(د) رالف رسل کا دیر سے پہنچنا۔

٭ اسباب بیان کیجیے۔

۱۔ مصنف کا باقر مہدی سے 'اقرار نامہ' لکھوانا۔

۲۔ مصنف کے مطابق باقر مہدی کے دوستوں کا مسرور ہونا۔

اضافی معلومات

ایزرا پاؤنڈ (Ezra Pound) : ایزرا پاؤنڈ امریکی شاعر پاؤنڈ ۳۰ر اکتوبر ۱۸۸۵ء کو اڈاہو (امریکہ) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ۱۹۰۶ء میں پین سلوینیا یونیورسٹی سے ایم.اے. کیا۔ ۱۹۰۷ء میں اسپین اور اٹلی کا سفر کیا اور آخر انگلستان میں سکونت اختیار کی۔ وہاں ۱۹۱۲ء تک انھوں نے اپنی نظموں کے چار مجموعے شائع کروائے۔ ان کی بہترین نظمیں وہ ہیں جو انھوں نے چینی، جاپانی اور اطالوی شاعری سے متاثر ہو کر لکھی ہیں۔ وہ ۱۹۲۴ء میں اٹلی آ گئے اور دوسری جنگ عظیم کے دوران مسولینی اور فاشزم کی حمایت میں تقریریں نشر کیں۔ ۱۹۴۵ء میں انھیں امریکہ لایا گیا اور غداری کے الزام میں ان پر مقدمہ چلا لیکن عدالت نے انھیں فاترالعقل قرار دے کر پاگل خانے بھیج دیا۔ ۱۹۶۲ء میں پاگل خانے سے رہا ہو کر وہ اٹلی چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یکم نومبر ۱۹۷۲ء کو اٹلی کے شہر وینس میں ان کا انتقال ہوا۔

پروفیسر رالف رسل ایس.آئی. (Professor Ralph Russell S.I.) : برطانیہ میں 'بابائے اُردو' کہلانے والے اُردو زبان کے استاد رالف رسل ۲۱ر مئی ۱۹۱۸ء کو لندن، برطانیہ میں پیدا ہوئے۔ رالف رسل سولہ سال کی عمر میں کمیونسٹ پارٹی کے رکن بن گئے تھے۔ انھوں نے ۱۹۴۰ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کی اور دوسری جنگ عظیم کے شروع ہونے پر فوج میں بھرتی ہو گئے۔ اس دوران انھوں نے ساڑھے تین سال ہندوستان میں گزارے۔ انھوں نے اُردو اور انگریزی میں مضامین لکھے اور اپنے تخصص کے موضوع پر کئی ادبی سیمیناروں میں شرکت کی۔

۳۰ چھوڑ کر ہم ساتھ اپنا جائیں گے

عارف خورشید

جان پہچان

(۱) عارف خورشید : عارف خورشید کا اصلی نام عارف علی خاں تھا۔ وہ یکم دسمبر ۱۹۵۰ء کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ انھیں مطالعے کا بچپن ہی سے شوق تھا جو دھیرے دھیرے لکھنے میں تبدیل ہوتا گیا۔ عارف خورشید نے افسانے، افسانچے، ناولٹ، خاکے، تبصرے، غزل، تثلیثات وغیرہ اصناف میں طبع آزمائی کی۔ وہ ایک اچھے آرٹسٹ بھی تھے۔ اسی لیے اپنی کتابوں کے ٹائٹل خود بناتے تھے۔ آکاش وانی سے بھی ان کے افسانے اور انشائیے نشر ہوئے۔ انھوں نے کئی ادبی سیمیناروں اور مشاعروں میں شرکت بھی کی۔ ان کے چند افسانوں کے مجموعوں کے نام یہ ہیں : 'آتش لمحوں میں، ٹوٹا ہوا آئینہ، یادوں کے سائبان، قافلے والو سچ کہنا، احساس کا زخمی مجسمہ، اور کچھ بھی نہیں کہانی میں'۔ ان کے علاوہ 'تنظیمِ کثیر رنگی' اور 'رنگِ امتزاج' ان کے خاکوں کے مجموعے ہیں۔ ۲۲؍ستمبر ۲۰۱۹ء کو ان کا انتقال ہوا۔

(۲) عصمت جاوید : ڈاکٹر عصمت جاوید کا نام عصمت اللہ اور قلمی نام عصمت جاوید تھا۔ وہ ۲؍اگست ۱۹۲۲ء کو پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم و تربیت بہت عمدہ ماحول میں ہوئی۔ انھوں نے ممبئی کے انجمنِ اسلام میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اسمٰعیل یوسف کالج سے بی. اے. کرنے کے بعد وہ اورینٹل ٹرانسلیشن آفس میں ملازم ہوگئے۔ ۱۹۵۴ء میں الفنسٹن کالج ممبئی سے درجۂ اوّل سے ایم. اے. کیا۔ ۱۹۵۸ء میں وہ وِدربھ مہاوِدیالیہ امراوتی میں صدر شعبۂ اُردو مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۷ء سے ۱۹۸۰ء تک وہ اورنگ آباد کے گورنمنٹ کالج میں صدر شعبۂ اُردو، فارسی اور مراٹھواڑہ یونیورسٹی میں اُردو کے پروفیسر انچارج اور ریسرچ گائیڈ بھی رہے۔ اس عرصے میں وہ ایس. ایس. سی. بورڈ، پونے کے بورڈ آف اسٹڈیز اور بال بھارتی کے بالترتیب کنویز اور چیئرمین رہے۔ ۶۸-۱۹۶۷ء میں گیارھویں جماعت کی زبانِ اوّل کی کتاب ڈاکٹر عصمت جاوید نے تنہا مرتب کی تھی۔

عصمت جاوید کا خاص میدان لسانیات تھا۔ وہ شاعر، نقاد، محقق اور مترجم بھی تھے۔ اُردو عروض پر بھی انھوں نے کافی کام کیا۔ وہ ادبی حلقوں میں بے حد مقبول تھے۔ عصمت جاوید کی تصانیف میں سے چند کے نام اس طرح ہیں : 'فکر پیا، لسانیاتی جائزے، اُردو پر فارسی کے لسانی اثرات، نئی اُردو قواعد، قلب ماہیت، تلفظ نما اُردو لغت، اکیلا درخت (شعری مجموعہ)، عکس اسرارِ خودی (اقبال کی اسرارِ خودی کا ترجمہ)، عکس رموزِ بےخودی (اقبال کی فارسی مثنوی کا منظوم ترجمہ)، مراٹھی آموز (اہلِ اُردو کے لیے مراٹھی گرامر)، باقیاتِ عصمت جاوید (بعد از مرگ شائع کی گئی)۔ ۱۹؍اگست ۲۰۰۲ء کو ان کا انتقال ہوا۔

ڈاکٹر شیخ عصمت جاوید ۲؍اگست ۱۹۲۲ء کو پونہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبدالباقی صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ ان کے والد کے چچا سلیم اللہ کے نام پر ان کا نام عصمت اللہ رکھا گیا۔ ڈاکٹر عصمت جاوید کی دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔ عصمت جاوید شیخ کا رنگ گورا، قد میانہ، جسم توانا، چہرہ بیضوی، گول مٹول شخصیت۔ کسی زمانے میں سر پر بال رہے ہوں گے، آخری عمر میں سر بالوں سے بے نیاز ہوگیا تھا اس لیے بالوں نے گالوں پر ڈیرا ڈالا ہوا تھا۔ جوانی میں مونچھ اور کلین شیو، آنکھیں بڑی بڑی، ناک کھڑی، دانت جمے ہوئے مگر قدرے اُٹھے ہوئے تھے۔ پان کے شوق نے ان کا رنگ روپ بگاڑ دیا تھا۔ کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کے شوقین تھے۔ لباس بشرٹ، پتلون، خاص موقعوں پر کوٹ، ٹائی، مفلر، جیکٹ وغیرہ۔ آواز شخصیت سے میل نہیں کھاتی تھی۔ نماز کی پابندی پیشانی پر لکھی تھی۔

روزے کی پابندی کبھی ان کے توانا جسم پر اثر انداز نہیں ہوئی۔

عصمت جاوید بہت پڑھے لکھے آدمی تھے۔ چونکہ اورنگ آباد کو وطنِ ثانی بنا چکے تھے، اس لحاظ سے اورنگ آباد کے لیے جو نام باعثِ افتخار ہیں، ان میں ان کا نام بھی شامل ہے۔ ان کے ہم عصروں میں ایسا کوئی نہیں ہوگا جس نے ان سے استفادہ نہ کیا ہو۔ سبھی ان کی عزّت کرتے تھے، ان کی قابلیت کے دل سے قائل تھے۔ کباڑی پورے میں واقع ان کے دولت کدے کا نام 'پھول بن' تھا ۔

غریب خانۂ جاوید بے نوا ہی سہی
نہیں مقامِ سکوں کوئی پھول بن کی طرح

اورنگ آباد دکن کی اُردو ادب کے لیے زرخیز زمین اور یہاں کی ادبی خوشبو سے معطر فضا ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ کی پہلی کتاب 'فکر پیا' (جو ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی) کی اشاعت کا سبب بنی۔ پھر ان کی کتابوں کی فہرست میں پچیس کتابیں درج ہو گئیں۔

اگر آپ کو مکمل اُردو ادب پڑھنے کی مہلت نہ ملی ہو تو ولؔی اورنگ آبادی سے آج تک پڑھ لیجیے۔ اگر اتنا وقت بھی مہیا نہ ہو تو ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ کی کتابوں کا مطالعہ زبان و ادب کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ولؔی و سراؔج کی سرزمین کی لاج رکھنے والوں میں عصمت جاوید شیخ کا نام سرفہرست ہے۔

فنکار اکثر لاپروا اور لا ابالی ہوتے ہیں۔ ان سے تحقیق و تنقید، زبان و ادب کے اسرار و رموز، لغت وغیرہ پر کوئی کام نہیں ہوتا۔ عصمت جاوید کا کمال یہی ہے کہ وہ ایک اچھے نثر نگار بھی تھے اور اچھے شاعر بھی۔ ان کا شعری مجموعہ 'اکیلا درخت' اس بات کا ثبوت ہے۔ انھوں نے افسانے بھی لکھے۔ ایسی مثالیں کم ملتی ہیں۔ میں نے اکثر شاعروں کو دیکھا کہ وہ نثر کا ایک صفحہ مشکل سے لکھ پاتے ہیں اور تحقیق و تنقید انھیں بخار میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ 'اکیلا درخت' پر عالمانہ شاعری کے پکے پھل لٹک رہے ہیں۔ اس میں عربی فارسی کی نامانوس تراکیب سے شعوری احتراز کی مثالیں مل جاتی ہیں۔ عصمت جاوید کی شاعری دل کی کم، دماغ کی زیادہ ہے۔ اس میں آمد کی سرگوشی کم اور آورد کا شور زیادہ سنائی دیتا ہے۔

اورنگ آباد دکن آکر ادب میں سرخرو ہونے والوں کا سلسلہ بابائے اُردو مولوی عبدالحق سے شروع ہو کر مجید بیدآر تک پہنچتا ہے۔ ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ اور ڈاکٹر مجید بیدآر میں بہت سی باتیں مشترک ہیں مثلاً دونوں اورنگ آباد کے نہیں ہیں۔ دونوں کا تعلق پونہ سے رہا ہے اور دونوں ریسرچ گائیڈ ہیں۔ دونوں نے صرف ذہین طلبہ کو پی ایچ ڈی کرنے دی۔ عصمت جاوید اور مجید بیدآر دونوں بخل کی حد تک کفایت شعار ہیں۔

شاہ حسین نہری کی پہلی کتاب 'شب آہنگ' کا پیش لفظ عصمت جاوید شیخ نے لکھا تھا۔ شاہ حسین نہری کو لگا کہ فن کے بارے میں جو بات ابتدا میں عصمت جاوید شیخ نے کہی تھی، درمیان میں اس کو غالباً رد کر رہے ہیں۔ بات سمجھنی چاہی تو عصمت جاوید نے غصّے میں ان کے ہاتھ سے کاغذات لے لیے اس لیے 'شب آہنگ' پیش لفظ کے بغیر شائع ہوئی لیکن شاہ حسین نہری نے کاتب کو دینے کے لیے اس پیش لفظ کی جو نقل لکھ رکھی تھی، وہ آج بھی محفوظ ہے۔ شاہ حسین نہری کا کہنا ہے کہ شیخ صاحب نے انتہائی شفقت، محبت اور اصرار سے مجھے کسی موضوع پر پی ایچ ڈی کر لینے کے لیے بارہا کہا۔

معین الدین عقیؔل اٹلی یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کے صدر اورنگ آباد آئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ یہاں کس کس کو

جانتے ہیں تو ان کی زبان سے پہلا نام ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ کا نکلا۔ انھوں نے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے کہا، ''وہ گھر پر نہیں ملیں گے۔'' چوں کہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے کا دَور وظیفے کے بعد شروع ہوتا ہے اس لیے سروس کے دوران فرد بھول جاتا ہے کہ میں ریٹائر بھی ہوں گا اور ان دوستوں اور شناساؤں سے ملاقات کے لیے ترس جاؤں گا جن سے میں ملا کرتا تھا۔

'ڈاکٹر عصمت جاوید ... اپنے گھر میں' کے عنوان سے منوّر جہاں لکھتی ہیں: ''میرے شوہر جاوید ایک معصوم، سیدھے سادے، شریف النفس، نیک طبع، سنجیدہ اور وسیع القلب انسان تھے۔ انھوں نے میرے ساتھ زندگی بھر نیک برتاؤ کیا اور میرے کام کی بہت تعریف کرتے تھے۔'' آگے لکھتی ہیں: ''عصمت جاوید صاحب علم کا بہتا دریا تھے۔ وہ جو بھی مضمون لکھتے، ڈوب کر لکھتے تھے۔ اورنگ آباد میں انھوں نے پینتیس سال گزارے۔ اس درمیان انھوں نے جتنا سیکھا اس سے زیادہ پڑھایا۔ ان کا تخلیقی رجحان ابتدا ہی سے 'نمی رویم براہی کہ کارواں رفتہ است' کی طرح رہا۔ وہ قناعت پسند تھے لیکن حق کے حصول کے لیے کسی قسم کی مصالحت کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ وہ مجلسی آدمی نہیں تھے۔ بے حد کم گو اور بحث ومباحثے سے دور رہنے والے۔ انھوں نے اپنی شخصیت کا قد اونچا کرنے کے لیے کسی بڑی شخصیت کو بیساکھی کے طور پر استعمال نہیں کیا۔ وہ انشا پرداز، شاعر، نقاد، ماہر لسانیات، مترجم اور بہت اچھے معلم تھے۔ وہ کئی زبانوں کے ماہر تھے جن میں اُردو، فارسی، عربی، ہندی، مراٹھی اور انگریزی شامل ہیں۔''

پروفیسر عبدالستار دلوی اپنے مضمون 'ڈاکٹر عصمت جاوید کی ترجمہ نگاری اور زبان دانی' میں لکھتے ہیں: ''عصمت جاوید صاحب کا اورنگ آباد کے گورنمنٹ کالج میں تبادلہ روشنی کی کرن ثابت ہوا اور انھوں نے یہاں آکر علمی فتوحات حاصل کیں۔ عصمت جاوید صاحب بہت اچھے شاعر تھے۔ مطالعہ وسیع تھا۔ تنقید سے دلچسپی تھی مگر زبان وبیان کے بارے میں ان کا طرزِ فکر روایتی تھا۔ وہ زبان کے تعلق سے جدید لسانیات کے اصولوں اور اندازِ فکر سے ہمیشہ مجھ سے اختلاف کرتے رہے۔ یوں بھی عمر میں مَیں ان سے چھوٹا تھا، اس لحاظ سے بھی مجھ سے اختلاف کرنا ان کے لیے جائز تھا۔ وہ صدرِ شعبہ تھے۔ اپنے جونیئرس کی باتوں سے اختلاف کرنا اور اپنے علم کا اظہار کرنا، ان کا مزاج تھا مگر آہستہ آہستہ انھوں نے بھی لسانیات پر چند بنیادی کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ ان کی لسانیات سے دلچسپی کا یہی پس منظر ہے۔ وہ اب مشرف بہ لسانیات ہوگئے ہیں۔''

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ کہتے ہیں کہ ان کی ذات سے ہر کسی کو فائدہ پہنچا۔ وہ اپنے آپ سے خود بھی مستفید ہوتے رہے۔ وہ ہر اس شخص سے رابطے میں رہے جس سے کام ہوتا اور جن سے کام نہ بھی ہوتا ہو۔ آخری زمانے میں بڑی مایوسی کی گفتگو کرتے تھے۔ زندگی کے آخری چند دن رہ گئے تھے۔ میں اور شاہ حسین نہری ان کی عیادت کے لیے گئے۔ ان کی حالت دیکھ کر شاہ حسین نہری رونے لگے۔ میری آنکھیں بھی نم ہوگئیں۔ انھوں نے بہت پُرسکون لہجے میں کہا، ''روئیے مت، روئیے مت۔ وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا۔''

ہم دونوں کچھ دیر پلنگ کے قریب بیٹھے۔ پھر بھاری دل اور وزنی قدموں سے لوٹ آئے۔ ان کے نئے مکان دلرس کالونی سے اپنے گھر تک کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ خدا جانے ہم کیا سوچ رہے تھے یا شاید ذہن سوچ اور فکر سے آزاد ہوگیا تھا۔

جو لوگ اس دارِ فانی سے چلے جاتے ہیں، وہ اپنی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ یاد آتے ہیں۔ عصمت جاوید شیخ جیسی شخصیت کو فراموش کرنا آسان نہیں۔ اُردو ادب کو تو اپنی بقا کے لیے انھیں ضرور یاد رکھنا چاہیے۔

معانی واشارات

استفادہ	-	نفع، فائدہ
لا اُبالی	-	بے فکر، بے پروا
شریف النفس	-	شریف، نیک
نمی رویم براہی کہ کارواں رفتہ است	-	ہم اس راستے پر نہیں چلتے جس پر کارواں چلتا ہے۔
زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو	-	لوگوں کے خیالات کو خدا کی طرف سے اعلان سمجھو۔

مشقی سرگرمیاں

٭ خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

عارف خورشید کے افسانوں کے مجموعے

۲۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

عصمت جاوید کا حلیہ

٭ ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ عصمت جاوید کا سراپا بیان کیجیے۔

۲۔ اُردو ادب کے مکمل مطالعے کے لیے مصنف کا مشورہ تحریر کیجیے۔

۳۔ عصمت جاوید کے شعری مجموعے 'اکیلا درخت' پر مصنف کا تبصرہ قلم بند کیجیے۔

۴۔ 'شب آہنگ' کے پیش لفظ کے بغیر شائع ہونے کے سبب پر روشنی ڈالیے۔

۵۔ عصمت جاوید کے تعلق سے ان کی اہلیہ منوّر جہاں کے خیالات تحریر کیجیے۔

۶۔ عصمت جاوید اور عبد الستار دلوی کے تعلقات کے بارے میں لکھیے۔

۷۔ شعرا کے بارے میں خاکہ نگار کی رائے کے بارے میں وضاحت سے لکھیے۔

٭ صحیح متبادل تلاش کر کے لکھیے۔

۱۔ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے کا دور وظیفے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

(الف) دوستوں کو ملازمت کے دوران اہمیت نہ دینا۔
(ب) دوستوں کو فراموش کر دینا۔
(ج) ملاقات کے لیے ترسنا۔
(د) عبادت میں تنہائی ضروری سمجھنا۔

۲۔ "زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو"

(الف) عوام کی آواز کو دل کی آواز سمجھنا۔
(ب) عوام کی بات کو غیر اہم سمجھنا۔
(ج) عوام کی مخالفت کرنا۔
(د) عوام کے خیالات کو خدا کا اعلان سمجھنا۔

٭ درج ذیل جملوں کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ 'اکیلا درخت' پر عالمانہ شاعری کے پکے پھل لٹک رہے ہیں۔

۲۔ انھوں نے اپنی شخصیت کا قد اونچا کرنے کے لیے کسی بڑی شخصیت کو بیساکھی کے طور پر استعمال نہیں کیا۔

۳۔ "رویئے مت، رویئے مت۔ وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا"

سرگرمی/منصوبہ :

بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے بارے میں معلومات حاصل کر کے قلم بند کیجیے۔

۴ حدِّ یقیں سے حدِّ گماں تک

انور ظہیر خاں

جان پہچان

(۱) انور ظہیر خاں : انور ظہیر خاں ۲۲؍ جون ۱۹۵۴ء کو میرانگر، ضلع سیتاپور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے آبائی وطن میں حاصل کی۔ بعد میں اپنے بڑے بھائی خان نصیب کے پاس ممبئی آ گئے اور ان کی سرپرستی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۸۶ء میں مہاراشٹر کالج کے شعبۂ اُردو میں بحیثیت لیکچرر ان کا تقرر ہوا۔ وہ ایک قابلِ رشک خاکہ نگار تھے۔ ابتدا میں انھوں نے کچھ تنقیدی مضامین بھی لکھے۔ مہاراشٹر کالج، ممبئی کے سابق صدر شعبۂ اُردو ڈاکٹر محی رضا پر پہلا خاکہ لکھا۔ پھر اُردو ادب کے مشہور شعرا، اُدبا اور علمی شخصیتوں پر خاکے لکھے جو ادبی حلقوں میں بہت مقبول ہوئے۔ اپنی کتاب 'مت سہل ہمیں جانو' کے لیے انھوں نے صرف سات خاکوں کو منتخب کیا۔ یہ کتاب ان کی پہلی اور آخری کتاب ثابت ہوئی۔ کالج میں ہونے والے مشاعروں کی نظامت کی وجہ سے وہ جن اُردو کے بڑے شعرا و ادبا سے قریب ہوئے، ان میں عزیز قیسی بھی تھے۔ اس جواں سال خاکہ نگار اور ادیب نے ۳؍ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو ممبئی میں اس دارِ فانی کو الوداع کہا۔

(۲) عزیز قیسی : عزیز محمد خان عرف عزیز قیسی ۱۹۳۱ء میں حیدرآباد، تلنگانہ میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم پائی۔ انھوں نے خود کو ایک شاعر اور کہانی نویس کے طور پر منوایا۔ وہ اُردو کے شاعر، مصنف اور فلمی کہانی نویس تھے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی کے آخر میں وہ ممبئی چلے آئے اور ممبئی کے ادبی اور فلمی منظرنامے کا ایک سرگرم حصہ بن گئے۔ اپنی زندگی کے اوائل میں وہ ترقی پسند مصنّفین کی تحریک سے وابستہ رہے۔ عزیز قیسی ۱۹۵۰ء کے وسط تک شاعری اور مختصر کہانیاں لکھ چکے تھے۔ اگرچہ وہ بنیادی طور پر ایک شاعر کے طور پر جانے جاتے ہیں لیکن انھوں نے نثر بھی لکھی ہے۔ ان کی شاعری غزلوں کے ساتھ ساتھ نظموں پر مشتمل ہے۔ ان کے تین شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی تخلیقات کا انگریزی کے ساتھ ساتھ دیگر ہندوستانی زبانوں میں بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔ ان کا شمار اُن اہم شاعروں میں ہوتا ہے جنھوں نے ۱۹۴۷ء کے بعد اُردو شاعری میں نمایاں کردار ادا کیا اور نئے رجحانات متعارف کروائے۔ ۱۹۹۲ء میں ممبئی میں ان کا انتقال ہوا۔

عزیز قیسی مرحوم نے نوابوں کے شہر حیدرآباد اور تجارتی شہر ممبئی میں اپنی ساری عمر بسر کر دی۔ حیدرآباد کی دھرتی سے، وہاں کے کلچر سے انھیں لگاؤ تھا۔ ان کی زبان وہاں کی کھٹی دال، آم اور لیموں کے اچار، بریانی، کبابوں اور طرح طرح کی قابوں کا مزہ تلاش کرتی تھی اس لیے جب کبھی انھیں ذرا فراغت کے چند دن میسر آ جاتے، ہاتھ پیسوں کی گرمی محسوس کرتے تو وہ نینی تال یا کوڈی کنال کا نہیں موسیٰ ندی، مکہ مسجد، چار مینار اور سالار جنگ میوزیم والے حیدرآباد کا پھیرا کرتے۔ عزیزوں سے ملتے، یار دوستوں کے ساتھ شامیں سجاتے اور جب جیب ہلکی ہو جاتی تو گزرتے سمے کے چہرے پر اپنی بحثوں اور اپنے قہقہوں کے نشان چھوڑ کر چلے آتے۔ پھر وہی ممبئی کے شب و روز ہوتے، ملاقاتیں، باتیں اور گھاتیں ہوتیں۔ ممبئی میں معدے کی کلبلاہٹ، ظاہری تڑک بھڑک کی پاسداری، فرد کو بستر سے پیٹھ لگانے کی مہلت ذرا کم ہی دیتی ہے۔ یہاں ٹسل اور ٹکراؤ ہے، آپا دھاپی ہے، جو گر گیا تو اس کا عمر بھر سنبھلنا محال ہے۔

ظاہر ہے جہاں رات دن ریا کاری، بے یقینی، بے اطمینانی سے واسطہ ہو، جہاں اہلِ علم وقلم، اہلِ ہنر کو لعینوں اور ہرزہ گویوں کی چوکھٹ پر ماتھا رگڑنا پڑے، جہاں انسانی ضمیر کی آواز پیسوں کی کھنک میں دبا دی جاتی ہو، بھلا وہاں جاگتی آنکھوں کا، جاگتے ضمیر کا آدمی کیسے خوش رہ سکتا ہے؟

یاد نہیں پڑتا، عزیز قیسی مرحوم کو کب دیکھا تھا، کہاں دیکھا تھا۔ کسے دوش دوں؟ اپنی نظر کے زاویے کو، حافظے کو یا مرحوم کے نقشِ اوّل کو جو گہرا اور دیرپا ثابت نہیں ہوا۔ دل یہ کہہ رہا ہے کہ ادیبوں اور ادب نوازوں کے جلو اور جلوس میں دیکھا ہوگا کیونکہ انھیں جب کبھی دور ونزدیک سے دیکھا تو کسی جلسے مشاعرے میں، کسی سیمینار یا ادبی محفل میں کلام سناتے، تبصرہ یا تنقید کرتے ہوئے دیکھا۔

عزیز قیسی نہ گلے باز تھے نہ مشاعرہ باز۔ وہ مخصوص نشستوں کے، ادیبوں شاعروں کے جمگھٹے کے آدمی تھے، عوامی اسٹیج کے نہیں۔ انھیں عام مشاعروں کی طرح کلام سنانے کا کچھ زیادہ ہوکا نہیں تھا۔ وقفہ دے دے کر نظمیں غزلیں کہتے پر بے موقع، بلافرمائش نہیں سناتے تھے۔ آواز بوجھل تھی اور گلا بھی رُندھا ہوا تھا کہ جیسے دل سے قیامت گزر گئی ہو۔ گویا میرؔ کے اس شعر کی تفسیر ؎

دل کی آبادی کی اس حد ہے خرابی کہ نہ پوچھ
جانا جاتا ہے کہ اس راہ سے لشکر نکلا

نام عزیز محمد خاں تھا۔ ماں سیّدانی تھیں، باپ مفلس مگر غیور پٹھان تھے۔ گھر سات بھائیوں اور ایک بہن سے بھرا پُرا تھا۔ لڑکپن غریبی میں بسر ہوا۔ ذہانت مادری اور پدری تھی۔ رگوں میں پٹھانی خون ٹھاٹھیں مارتا تھا۔ ہڈیاں افغانوں کی طرح چوڑی چکلی، گوشت کی چٹانیں چوٹی سے ایڑی تک ہاڑ پر دھری ہوئی تھیں، قد ایوریسٹ سے کم نہ تھا۔ رنگ میلے سونے کی طرح، چہرہ گول اور بڑا، گال متناسب، جن میں ہنستے وقت گڑھے پڑ جاتے تھے۔ سر کا پیالہ بالوں سے ڈھکا ہوا، گردن پہلوانی تھی، ماتھا چوڑا اور سلوٹوں سے پُر، بال دست بردِ زمانہ سے محفوظ، گھنگھریالے اور تِل چاوَلے تھے۔ ناک اونچی اور نتھنے پھولے ہوئے، ناک پر کالے فریم کی موٹے موٹے شیشوں کی عینک دھری ہوئی، آنکھیں شیشوں کے پیچھے سے ذہانت کا اعلان کرتی ہوئیں، موٹے موٹے ہونٹ، ڈاڑھی مونچھ کا نام ونشان نہیں۔ لہجے میں ٹھہراؤ، بھرے بھرے کندھے۔ اکثر پینٹ اور کبھی کبھی پاجامہ پہنتے، گلے میں پوری آستین کا بش شرٹ یا کرتا ڈالے ہوتے اور پیروں میں سستے یا اوسط داموں کے چپل۔ کسی دور میں شیروانی بھی پہنا کرتے تھے جب آتش جوان تھا۔ واقعی ان کے جثّے پر شیروانی کی پھبن دلوں میں لگن اور چبھن پیدا کر دیتی ہوگی۔ چال درمیانہ اور وضع قلندرانہ تھی۔ عمر بھر قلم کا ہل چلایا۔ گیت، غزلیں، نظمیں، کہانی، مکالمے، سینیریو لکھ کر کمایا۔ کمایا اتنا ہی کہ گھر کی سفیدی اور لباس کے اُجلے پن پر داغ دھبے نہ دِکھائی دیں۔ اُردو کا یہی نصیب ہے، ہر کوئی نہ ساحرؔ ہوسکتا ہے نہ ابنِ صفی اور نہ حفیظؔ جالندھری۔

عزیز قیسی آخری سانس تک اُردو کے نوالۂ خشک وتر میں مست رہے اور ممبئی کے بارے میں کہتے رہے، ''روزی رساں ہے شہر'' وہ حیدرآباد کی خاک سے اُٹھے، مخدوؔم کے تیور دیکھے، سلیمان اَریبؔ کی صحبتیں اُٹھائیں، شاذؔ تمکنت اور نہ جانے کتنے دوستوں کے ساتھ گلیوں اور گلیاروں، کوچوں اور چوراہوں تک، ریستورانوں، پان کی دکانوں تک خوب خوب خاک چھانی۔ عدالت میں نہ چاہتے ہوئے چار سال ملازمت کی۔ زندگی کی کٹھنائیوں اور مطالعے کی میز سے جو کچھ ہاتھ لگا، ان سب کو ہم آہنگ کر کے ایک ناول، دسیوں افسانے اور دو شعری مجموعے 'آئینہ در آئینہ' اور 'گرد باد' کے نام سے دے گئے مگر زندہ رہیں گے صرف اپنی نظموں اور غزلوں کی بدولت۔

انھیں تکلّف، تصنّع اور ڈراما بازی سے چڑ تھی۔ اپنے سے بڑوں کو بھی روکنے ٹوکنے سے باز نہیں آتے تھے۔ اس تعلق سے ایک واقعہ یاد آیا کہ مہاراشٹر اُردو اکادمی نے ایک ادبی محفل کا انعقاد کیا تھا۔ غالباً اس کے کنوینر ڈاکٹر ظ. انصاری تھے۔ وہ منظر اب تک آنکھوں میں تر و تازہ ہے۔ ظ. انصاری مرحوم پُشکِن کی چند نظموں کا منظوم ترجمہ نذرِ سامعین کرتے ہیں۔ ایک تو طول طویل نظمیں، دوسرے مرحوم کا اندازِ پیش کش کہ مصرعوں کو بار بار دہراتے ہیں، آواز میں زیر و بم پیدا کرتے ہیں، آنکھیں نچاتے اور ہاتھوں کو ہلاتے ہیں۔ یہ سارا منظر دیکھ کر سامعین میں سے بعض مرعوب و متاثر بھی ہورہے ہیں، کچھ لوگ دل میں ان کی اداؤں کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔ عزیز قیسی یہ دیکھ دیکھ کر پیچ و تاب کھاتے ہیں۔ ظ. انصاری نے جب جی بھر کر سنا لیا تو کاغذات سمیٹ کر اپنی کرسی پر جا بیٹھے۔ اس کے بعد منظر بدلا۔ عزیز قیسی آہستہ آہستہ کرسی سے اپنے آپ کو الگ کرتے ہیں، ہولے ہولے چل کر پوڈیم تک پہنچتے ہیں، حاضرین پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے ظ. انصاری کی آنکھوں سے آنکھیں چار کرتے ہوئے گویا ہوتے ہیں:

''حضرات! یہ ظ. انصاری صاحب جو نہ کریں تھوڑا ہے۔'' (سامعین کے زوردار قہقہے بلند ہوتے ہیں) کچھ توقف کر کے کہتے ہیں، ''یہ پُشکِن کی شاعری ہے۔ ترجمہ نگار نے دیدہ ریزی اور تندہی کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ زبان کی چٹک مٹک بھی ہے جو ظ. انصاری صاحب کا خاص انداز ہے۔ لگتا ہے روسی ادب کے ان شاہکاروں کو اُردو میں ڈھالتے وقت میر حسنؔ، دیا شنکر نسیمؔ اور مرزا شوقؔ کے فنی شاہکار مترجم کے سامنے رہے ہیں۔ اس وقت یہاں سوائے ظ. صاحب کے کوئی بھی روسی زبان و ادب کا پارکھ نہیں ہے۔ سو ہم کیسے یقین کریں کہ ترجمہ نگاری کے تمام لوازمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ظ. صاحب اس بھاری پتھر کو اُٹھانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ یہ نظمیں ظ. انصاری صاحب کو ان حضرات کے درمیان سنانی چاہئیں کہ جہاں روسی اور اُردو دونوں زبانوں کے مزاج داں موجود ہوں۔''

عزیز قیسی نے غلط کچھ نہیں کہا تھا لیکن بغلی گھونسے مارنے کے انداز میں کہا تھا اور ظ. صاحب کراہ رہے تھے۔ وہ مری مری آواز میں آہستہ آہستہ صرف اتنا بولے، ''ہاں بھئی، اس حقیر زبان کے حقیر ادیب کو دیدے ٹپکانے اور خون پسینہ ایک کرنے کا صلہ صفر کی صورت ہی میں ملتا ہے۔''

اتوار کی شام ہے۔ مقدر حمید صاحب کے فلیٹ پر ایک بےتکلّف ادبی نشست کا اہتمام کیا گیا ہے۔ عزیز قیسی صاحب سریندر پرکاش جی کے ساتھ تشریف لاتے ہیں۔ اب باقاعدہ نشست شروع ہوتی ہے۔ بحث کا آغاز انور قمر کرتے ہیں۔ شرکائے بزم بحث میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں مگر عزیز قیسی صاحب کی رائے وزنی اور قطعی ہوتی ہے۔ یاد نہیں کس کی نظم یا افسانے میں غزوۂ تبوک کا ذکر تھا۔ عزیز قیسی محاکمہ تو کرتے ہیں لیکن تلمیح کی جانب کوئی اشارہ نہیں کرتے۔ مشتاق مومن چھیڑتے ہوئے کہتے ہیں، ''جناب، آپ نہیں جانتے، یہ تلمیح ہے اس کے حوالے سے بات کیجیے۔''

اس کے بعد عزیز قیسی کے اندر کا ضدی مگر ذہین پٹھان انگڑائیاں لے کر بیدار ہوجاتا ہے اور اپنی نظر اور خبر، تنقیدی بصارت و بصیرت اور حافظے کا وہ زور دِکھاتا ہے کہ زیرِ بحث موضوع کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہتا۔ ہم میں سے ہر شخص دم بہ خود رہ گیا اور مشتاق مومن کو کاٹو تو خون نہیں۔ اس روز انھوں نے ثابت کیا کہ واقعی ان کی ذہانت فطری ہے اور موروثی بھی۔ ان کے کہنے کے مطابق یقیناً انھوں نے نو سال کی عمر میں قرآن مع ترجمہ پڑھا ہوگا۔ تیرھویں سال میں تجوید و تفسیر قرآن ختم کرلیا ہوگا۔ بہرحال ان کا مطالعہ وسیع اور تجربہ کڑا تھا۔ شعری و ادبی ذوق رچا اور پچا ہوا تھا۔ اپنے مطالعے کی کھٹی ڈکار لیتے نظر نہ آتے تھے مگر چھیڑنے پر ان

کے ہاں جوار بھاٹا آ جاتا تھا۔

انتقال سے چار مہینے پہلے کینسر کے موذی اور مہلک مرض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بہتیرا علاج معالجہ کیا لیکن افاقہ نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ اندر سے گھلتے رہے۔ غرض، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اُردو اکادمی کی بورڈ میٹنگ میں سردار جعفری صاحب نے تجویز رکھی، ''عزیز قیسی نے عمر بھر اُردو کی خدمت کی ہے۔ اِن دِنوں مرض الموت کا شکار ہیں۔ اُردو اکادمی کا فریضہ ٹھہرتا ہے کہ ہم ان کے لیے طبّی امداد کے طور پر پچیس ہزار روپے منظور کریں۔'' اراکینِ اکادمی نے تجویز کی تائید کی۔ چیئرمین اُردو اکادمی پروفیسر جاوید خان صاحب نے اسے منظور کیا۔ حکومت کے منٹوں اور گھنٹوں کے کام ہفتوں عشروں میں کیا، مہینوں بلکہ برسوں میں ہوتے ہیں۔ جعفری صاحب برابر ہدایت کرتے رہے کہ چیک جلد از جلد عزیز قیسی کو پہنچایا جائے۔ یوسف ناظم صاحب اس سلسلے میں برابر فون کھڑکھڑاتے رہے۔ چیک تیار ہوا تو میں نے یوسف ناظم صاحب کو فون کیا، ''حضور، چیک بن گیا ہے۔''

انھوں نے کہا، ''تو میں وصول کرنے آتا ہوں۔''

میں نے کہا، ''آپ کیوں زحمت کریں گے، میں خود انھیں جسلوک اسپتال جا کر دے دیتا ہوں۔''

میں ان کی عیادت کے لیے جسلوک اسپتال پہنچا۔ کمرے کا دروازہ کھولتے ہی جی دھک سے رہ گیا کہ اب بچا ہی کیا ہے۔ چنگاریاں بجھ چکی ہیں، بس راکھ ہی راکھ ہے اور ہلکی سی حرارت کوئی دم کی مہمان ہے۔ بیڈ کے قریب پہنچ کر آداب کیا۔ انھوں نے اپنی نظروں کی کمند میرے چہرے پر پھینکتے ہوئے جواباً سر کو جنبش دی۔ میں نے مزاج پرسی کی تو بناوٹی ہنسی جس میں جانے کتنے زمانوں کا کرب تھا، ہونٹوں پر سجاتے ہوئے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے تھام کر گویا ہوئے، ''انور ظہیر صاحب! حالت تو آپ دیکھ رہے ہیں مگر میں ابھی زندگی سے مایوس نہیں ہوں۔ میں پٹھان کا بچہ ہوں، موت کو آسانی سے حاوی نہیں ہونے دوں گا۔''

میں نے انھیں چیک تھماتے ہوئے کہا، ''ابھی آپ کو زندہ رہنا ہے۔ ڈھیر سارا کام کرنا ہے۔''

ہنسے ... گو ہنسا منع تھا۔ کہنے لگے، ''بڑے موقع سے آپ چیک لے آئے۔ اسے فوراً کیش کرا کر یہاں کا بل ادا کر کے حیدرآباد چلا جاؤں گا۔ ہم وطنوں، دوستوں، عزیزوں کی خواہش بھی ہے۔ وہاں علاج ہوگا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔ جن جن سے قرض لینا تھا لے چکا ہوں۔ زندگی بھر اکادمی سے کوئی گرانٹ نہیں لی۔ آج یہ دن بھی دیکھنا پڑ رہا ہے۔''

میں نے ان کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔ لگا کہ کراں تا کراں خلا ہی خلا ہے جہاں باضمیری اور خودداری کا پنچھی پھڑ پھڑا رہا ہے۔ میں نے ان کی دلجوئی کی خاطر عرض کیا، ''قیسی صاحب! یہ تو اکادمی کا فرض تھا جو اس نے نبھایا۔''

وہ سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیسا پہاڑ جیسا بدن برف کی سل کی طرح ہر مرتی ہوئی ساعت کے ساتھ پگھل رہا ہے۔ کل ہوا ہو جائے گا۔ جس کے تذکرے اور کارنامے کتابوں میں ملیں گے۔ رخصت کی اجازت چاہی تو کہا، ''بہتر ہے۔ حیدرآباد سے واپسی پر ملاقات ہوگی۔''

وہ گئے اور مہینے بھر کے اندر واپس آ گئے اور دو ہی چار روز میں یہ خاکی آدمی سپردِ خاک ہو گیا۔ سچ ہے ؎

حدِّ یقیں سے حدِّ گماں تک
سایے سایے سایے ہیں

معانی واشارات

قاب	– رکابی
ٹسل	– ٹکراؤ
ہرزہ گو	– نامعقول بات کرنے والا
ہَوکا	– لالچ
تل چاولے	– سیاہ وسفید
کلبۂ افلاس	– جھونپڑی
غالی	– جھوٹا
محاکمہ	– تجزیہ

مشقی سرگرمیاں

٭ خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ جان پہچان سے موزوں لفظ تلاش کرکے شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔

مرکز: انور ظہیر خاں
- تاریخ پیدائش: ______
- مقام پیدائش: ______
- ملازمت: ______
- تاریخ وفات: ______

۲۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کرکے خاکہ مکمل کیجیے۔

مرکز: حیدرآباد کے پکوان
- ______
- ______
- ______
- ______

۳۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کرکے خاکہ مکمل کیجیے۔

مرکز: حیدرآباد کے مشہور مقامات
- ______
- ______
- ______
- ______

٭ چوکون مکمل کیجیے۔

ہڈیاں	______
رنگ	______
چہرہ	______
گال	______

٭ ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ شہر حیدرآباد سے عزیز قیسی کو جو لگاؤ تھا اُسے تحریر کیجیے۔

۲۔ سبق میں مذکور ممبئی کا منظرنامہ بیان کیجیے۔

۳۔ حیدرآباد کی خاک سے اُٹھے دو مشہور شعرا کے نام لکھیے۔

۴۔ سبق میں مذکور ظ. انصاری صاحب کی ترجمہ نگاری پر عزیز قیسی کا تبصرہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۵۔ وہ واقعہ بیان کیجیے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عزیز قیسی کی ذہانت فطری تھی اور موروثی بھی۔

۶۔ سبق کی روشنی میں عزیز قیسی کی شاعری کے بارے میں لکھیے۔

٭ درج ذیل جملے کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

ہاں بھئی اس حقیر زبان کے حقیر ادیب کو دیدے ٹپکانے اور خون پسینہ ایک کرنے کا صلہ صفر کی صورت ہی میں ملتا ہے۔

٭ ہدایت کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمی مکمل کیجیے۔

سبق سے چار محاورے تلاش کیجیے اور ان کے معنی لکھیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ ترقی پسند تحریک اور جدیدیت کے متعلق معلومات حاصل کرکے لکھیے۔

۲۔ انور ظہیر خاں کی خاکوں پر مشتمل کتاب 'مت سہل ہمیں جانو' حاصل کرکے اُس کا مطالعہ کیجیے۔

۱ انٹرویو (مصاحبہ)

تمہید

ہم اخباروں، رسالوں، ریڈیو، ٹیلی وِژن وغیرہ پر 'انٹرویو' کے نام سے کچھ لوگوں کی گفتگو کو سنتے اور دیکھتے رہتے ہیں۔ جلسے جلوس اور ثقافتی پروگرام میں بھی انٹرویو لیے جاتے ہیں۔ ایسے انٹرویو کے ذریعے کسی شخص کی زندگی اور اس کی کارکردگی کے متعلق معلومات حاصل کی جاتی ہے۔ انٹرویو لینا اور دینا نہایت مہارت کا کام ہے۔ آج کل ملاقات یا انٹرویو کو بڑے پیمانے پر پیشہ ورانہ اہمیت حاصل ہورہی ہے۔ اس لیے انٹرویو کی پیشگی تیاری کیسے کریں، انٹرویو کیسے لیں، ملازمت کے لیے، کسی بھی قسم کے کورس میں داخلے کے لیے انٹرویو کیسے دیں، اس وقت کون سی احتیاط برتیں جیسے کچھ نکات کی معلومات ہمیں ہونی چاہیے۔

ہیئت

انٹرویو یعنی مکالمہ یا مصاحبہ۔ یہ مکالمہ منصوبہ بند ہوتا ہے اور اسے ایک مقصد کے تحت مکمل کیا جاتا ہے۔ انٹرویو دینے والے، انٹرویو لینے والے اور سننے، دیکھنے اور پڑھنے والوں کی شمولیت سے انٹرویو مکمل ہوتا ہے۔ اس میں ترتیب وار سوال جواب کے ذریعے ایک شخص دوسرے شخص کی زندگی اور اس کی کارکردگی ناظرین کے سامنے آشکار کرتا ہے، اس وقت ان کے درمیان ہونے والا مکالمہ ہی انٹرویو کہلاتا ہے۔ ارادتاً کیے جانے والے نظریاتی مکالمے یعنی انٹرویو کے لیے شخصیت، دن، وقت، مقام، موضوع، مدت، مقاصد وغیرہ امور پہلے سے طے کر لیے جاتے ہیں۔

انٹرویو کی مختلف قسمیں ہیں۔ ایک وقت میں ایک شخص دوسرے شخص سے انٹرویو لے سکتا ہے۔ اسی طرح ایک وقت میں ایک شخص کئی لوگوں سے انٹرویو لے سکتا ہے۔ فون پر بھی انٹرویو لیا جاسکتا ہے۔

انٹرویو تحریری، زبانی، ریکارڈ کر کے اور بالمشافہ گفتگو پر مشتمل ہوتا ہے۔ انٹرویو خیالات کو وسعت دینے والے، جذبات پر مبنی، سامعین کی دلچسپی اور تجسّس پر مبنی، کسی موضوع کے تمام پہلوؤں کو واضح کرنے والے، تجربات بتانے والے، ادب کی خوب صورتی کو آشکار کرنے والے، آنے والی نسلوں کی رہنمائی کرنے والے، اس طرح مختلف اقسام کے انٹرویو ہوتے ہیں۔

جن کے پاس کہنے کے لیے کچھ ہو اور جن کے پاس سننے کے لیے کچھ ہو، ایسے ہی افراد کا انٹرویو لیا جاسکتا ہے۔ یہ افراد عوامی نمائندے، فنکار، کھلاڑی، سائنس داں، ڈاکٹر، اساتذہ ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح پیشہ ور، کاروباری، وکیل، ماہر، ٹیکنیشین، مصنف، شاعر، کوہ پیما، مدیر، معمر شہری، فوجی، پائلٹ، انعام یافتہ شخصیت، مفکر، زرعی مزدور، مزدور اور پھیری والے بھی اس کا حصہ بن سکتے ہیں۔ عام طور پر ایسے ذمے دار افراد جنھوں نے اپنے شعبوں میں اپنی چھاپ چھوڑی ہے، جنھوں نے دنیا سے ہٹ کر چیلنج قبول کر کے غیر معمولی کام انجام دیے ہیں اور جنھیں معاشرے میں خاص احترام اور خاص مقام حاصل ہے، ایسے کئی لوگوں سے انٹرویو لیا جاسکتا ہے۔ عام

آدمی سے بھی انٹرویو لیا جاسکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ انوکھی باتیں ہوں۔

مقصد

انٹرویو کے کئی مقاصد ہوتے ہیں۔ انٹرویو دینے والی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے، نیز اس کی کارکردگی پر روشنی ڈالنے کے لیے انٹرویو لیا جاسکتا ہے۔ کئی لوگوں کی زندگیاں جدوجہد سے عبارت ہوتی ہیں۔ عوام کے دلوں میں اس جدوجہد کو جاننے کی خواہش ہوتی ہے، جس کے لیے انٹرویو لیا جاسکتا ہے۔ فرد کی کارکردگی کے ساتھ اس فرد کے اندرون پوشیدہ 'شخصیت' کو سمجھنے کے لیے خاص طور پر انٹرویو لیا جاتا ہے۔ مختلف موضوعات پر مفکرین کی رائے جاننے، کسی ماہر شخص سے کچھ نئی معلومات حاصل کرنے، کسی واقعے کی گہرائی جاننے کے لیے انٹرویو کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ انٹرویو دینے والا شخص جس ماحول میں پروان چڑھا، اس کو سمجھنے کے لیے، معاشرے میں انقلاب لانے، عوامی بیداری اور فنون کے استحسان کے لیے انٹرویو لیے جاتے ہیں۔

انٹرویو کی پیشگی تیاری

کامیاب انٹرویو کے لیے پیشگی تیاری لازمی ہے جو کامیاب انٹرویو کی بنیاد ہے۔ سب سے اہم پیشگی تیاری یہ کہ جس فرد کا انٹرویو لینا ہے، اس کے تعلق سے ضروری معلومات انٹرویو لینے والے کے پاس پہلے سے موجود ہونا چاہیے مثلاً اس کا پورا نام، قلمی نام، عمر، تاریخِ پیدائش، مقامِ پیدائش، پتا، تعلیم، خاندانی معلومات، کارکردگی، موجودہ عہدہ، حاصل شدہ انعامات و اعزازات، تصانیف، نظریات کا پس منظر وغیرہ۔ انٹرویو لینے والے کو انٹرویو کے تعلق سے گہرا مطالعہ کر کے رکھنا چاہیے۔ انٹرویو کا مقصد بھی اچھی طرح سے جان لینا چاہیے۔ اس کے بعد اس موضوع اور مقصد کو ذہن میں رکھ کر عملی انٹرویو کے لیے پوچھے جانے والے سوالات تیار کرنے چاہئیں۔ انٹرویو کے لیے کتنا وقت درکار ہوگا، اسے ذہن میں رکھ کر اس کے مطابق سوالوں کی تعداد کا تعین کرنا چاہیے۔ انٹرویو کے سوالات مناسب ترتیب میں ہونے چاہئیں۔

اصل میں انٹرویو کی نوعیت کیا ہے، وہ بالمشافہ ہونے والا ہے یا تحریری شکل میں، ناظر یا سامع کون ہوں گے (طلبہ، مجموعی طور پر طلبہ اور سرپرست، صرف عام شہری یا صرف خواتین وغیرہ) یہ تمام معلومات انٹرویو لینے والے کو حاصل کر کے رکھنا چاہیے۔ اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ انٹرویو راست ناظرین کے سامنے ہے، ریڈیو کے لیے ہے یا ٹیلی وِژن کے لیے۔ انٹرویو کے لیے نشست کا انتظام، ریکارڈنگ کا انتظام، سازگار ماحول، حسبِ ضرورت حوالہ جاتی کتب، تصاویر، موسیقی کے آلات وغیرہ امور کا پہلے ہی سے خیال رکھنا مناسب ہوتا ہے۔ ضرورت ہو تو انٹرویو دینے والے سے پہلے ہی ملاقات کر کے بات چیت کر لی جائے جس سے انٹرویو لینا آسان ہو جاتا ہے۔ آکاش وانی، ٹیلی وِژن پر، اسی طرح روبرو لیے گئے انٹرویو سننے سے انٹرویو کی پیشگی تیاری کے لیے راہ متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔

انٹرویو کس طرح لیا جائے:

• انٹرویو کا تمہیدی مرحلہ

انٹرویو کی ابتدا نہایت دلچسپ، مزیدار اور راست ناظرین/ قارئین کے دل کو چھونے والی ہونی چاہیے۔ انٹرویو لینے والے کے پہلے چار چھے جملے ایسے ہوں کہ سامعین/ قارئین سننے/ پڑھنے میں محو ہوجائیں۔ 'Well begun is half done' اسی لیے کہا جاتا ہے۔

میچ کی پہلی ہی گیند پر کسی بلّے باز کے ذریعے گیند کو باؤنڈری لائن کے پار کرا دینے سے جو خوشی کا احساس ہوتا ہے اسی طرح انٹرویو بھی خالص فطری انداز میں، آسانی سے، رواں دواں ہونا چاہیے۔ اس میں ذرا بھی مصنوعی انداز نہ آنے پائے جس کے لیے انٹرویو لینے والے کو انٹرویو دینے والے کے مزاج اور فطرت سے مکمل واقفیت حاصل ہونا ضروری ہے۔ ایک آدھ چٹکلا، تازہ واقعہ سنا کر اس کے آخر میں اتنا ہی اہم اور چبھتا ہوا سوال گیند کی طرح آغاز ہی میں انٹرویو دینے والے کے پالے میں پھینکا جاسکتا ہے۔

انٹرویو کی ابتدا ہلکے پھلکے سوالوں سے ہو تاکہ ماحول خوش گوار رہے۔ انٹرویو کا آغاز جتنا رواں دواں ہوگا، آگے کی محفل زیادہ سے زیادہ پُرلطف ہوتی چلی جائے گی۔ انٹرویو لینے والے کی خود اعتمادی دوگنی ہوجائے گی۔ انٹرویو دینے والا کھل کر سامنے آئے گا اور سامعین/ قارئین اس انٹرویو سے خوب لطف اُٹھائیں گے۔

• انٹرویو کا درمیانی مرحلہ

چلیے! آغاز تو ہوا۔ اب حقیقی بلے بازی کی ابتدا ہوتی ہے۔ سوالوں کی فہرست تو سامنے ہے ہی، ان کی ترتیب بھی درست ہے۔ جواب کیا ملیں گے یہ غیر یقینی ہے۔ چنانچہ ایک سوال، پھر اس کا مکمل جواب، پھر دوسرا سوال، اس کا مکمل جواب، تیسرا، چوتھا... اس ترتیب سے بڑھتے جائیں تو انٹرویو خشک اور بے لطف ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ اس لیے سوال ہی ایسے لچک دار تیار کریں کہ حاصل ہونے والے جوابوں کی ڈور پکڑ کر اگلے سوال تک پہنچنا آسان ہوجائے۔ اسی کا نام مہارت ہے اور یہ فی البدیہہ اظہارِ خیال کی صلاحیت کی ورزش بھی ہے جو صرف مشق سے حاصل ہوتی ہے۔ سوالوں کی فہرست انٹرویو لینے والے کے لیے ہوتی ہے، سامعین کے لیے نہیں۔

سوالوں کے رنگ برنگی پھول ایک کے بعد ایک انٹرویو کی ڈور میں پروتے جائیں تو وہ ایک مسلسل ذہنی مکالمے کا ہار بن جاتا ہے۔ سوالوں سے جواب، جوابوں سے سوال، سوالوں کے جواب، جوابوں کے سوال ... دیکھتے دیکھتے انٹرویو دینے والے کی شخصیت کے پہلو اُجاگر ہوتے جاتے ہیں۔ اس مرحلے میں اصل موضوع سے ہٹنے سے بچا جائے۔ انٹرویو کے مقصد سے دور نہ جایا جائے۔ انٹرویو مزاح سے پُر ہو لیکن مزاح میں گم ہوکر انٹرویو کے مقصد سے نہ بھٹکیں۔

جس طرح سورج کی کرنوں کے لمس سے کلی کی ایک ایک پنکھڑی کھل کر خوش نما پھول میں تبدیل ہوتی ہے، اسی طرح سوال پوچھنے والا ایک ایک سوال کے ذریعے انٹرویو دینے والے کی شخصیت اور اس کی کارکردگی اُجاگر کرتا جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ انٹرویو نقطۂ عروج کی جانب گامزن رہتا ہے۔ موضوع، شخصیت اور نظریات کے پہلو سامنے آتے جاتے ہیں۔ اسی طرح انٹرویو کے اس

مرحلے پر انٹرویو لینے والا انٹرویو دینے والے کو زیادہ سے زیادہ وقت دے تاکہ اسے زیادہ کھلنے کا موقع ملے۔سوال اس طریقے سے پوچھے جائیں کہ جواب دینے والے کا جوش بڑھتا جائے۔

اسی مرحلے پر پورے انٹرویو کے سب سے اہم اور موضوع سے براہِ راست تعلق رکھنے والے سوال پوچھیں۔انٹرویو کے ذریعے لوگوں کو جو پیغام دینا ہے وہ اسی مرحلے میں دینا ہے۔

• انٹرویو کا اختتامی مرحلہ

اب تک کا وقت بہت خوش گوار گزرا لیکن اب کہیں تو ٹھہرنا ہے۔مگر اس نکتے پر ٹھہراؤ کا مطلب انٹرویو بامِ عروج پر ہونا چاہیے۔ یہاں انٹرویو لینے والے کو اپنی زبان دانی کی مکمل مہارت کو مربوط کرلینا ہوتا ہے۔ اختتام ایسا کرنا ہوتا ہے کہ سامعین/ناظرین محسوس کریں کہ ’’ارے ! انٹرویو تو بہت جلد ختم ہوگیا۔‘‘ اختتامی مرحلے پر انٹرویو لینے والا خود کے لیے کچھ زیادہ وقت رکھے تو کوئی ہرج نہیں۔سوالوں کی بجائے نتیجہ خیز اور پُراثر گزارش کرنا اس مرحلے پر زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

انٹرویو مناسب وقت اور مناسب مقام پر ختم کریں۔مناسب وقت کیا ہوسکتا ہے؟ مناسب وقت وہ ہوتا ہے جب سامعین کو بالکل بھی اندازہ نہ ہو کہ انٹرویو ختم ہوسکتا ہے۔یعنی غیر متوقع طور پر اور تجسّس کو برقرار رکھتے ہوئے ختم کریں۔خیال رہے کہ انٹرویو نامکمل یا ادھورا نہ لگے۔سامعین کا مکمل اطمینان لازمی ہے۔سامعین یہ محسوس کریں کہ ’’اور کچھ دیر یہ انٹرویو اسی طرح جاری رہتا تو اچھا ہوتا۔‘‘ اس طرح کا اختتام عمدہ اختتام ہوتا ہے۔انٹرویو سننے والے اگر انٹرویو کے کچھ مکالمے بطور یادگار اپنے ساتھ لے گئے تو سمجھیے کہ انٹرویو کامیاب رہا۔

ملازمت یا کسی کورس میں داخلے کے لیے انٹرویو

ملازمت یا کسی کورس میں داخلے کے لیے اب تک جس قسم کے انٹرویو لیے جاتے رہے ہیں ان میں تیزی سے تبدیلیاں آنے لگی ہیں۔اُمیدوار کی ذہنی استعداد، اس کی معلومات کی سطح، اس کا میلان وغیرہ تو پہلے کی طرح آج بھی انٹرویو میں جانچے جاتے ہیں لیکن اس سے بڑھ کر اب زور دیا جاتا ہے اُمیدوار کی شخصیت کی قدر پیمائی پر، اس کے برتاؤ پر۔اب صرف ملازمت کے لیے ہی نہیں بلکہ زندگی سے متعلق نظریات جانچنے کا زمانہ آ گیا ہے۔اب اُمیدوار سے مختلف توقعات کی جاتی ہیں : اس کی ذہنی استعداد، تکنیکی معلومات، قوتِ فیصلہ، زبان پر عبور، اس کی نشست و برخاست، لباس، نیز ’کیا آپ اس مقابلے میں قائم رہ سکیں گے، کیا آپ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرسکتے ہیں، آپ کہاں تک اپنی کامیابی کا سہرا ٹیم کے دیگر افراد کے سر باندھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، دوسروں کے خیالات، جذبات اور ہدایات قبول کرنے کی آپ میں کتنی صلاحیت ہے‘، یہ اور اس طرح کی باتیں آج کل انٹرویو کے وقت زیادہ سے زیادہ اہمیت دے کر جانچی پرکھی جاتی ہیں۔اُمیدوار باہر کی دنیا کی بجائے اپنے اندرون میں کتنا ترقی یافتہ ہو چکا ہے، یہ جاننا آج کل کے انٹرویو کا خاصہ ہے۔

انٹرویو لیتے وقت 'یہ' ضرور کریں:

- انٹرویو لینے والا اپنی حدود کا خیال رکھتے ہوئے سوال پوچھے۔
- سوالوں کے جواب دینے یا نہ دینے کی آزادی انٹرویو دینے والے کو دی جائے۔
- انٹرویو کا انداز رواں، آسانی سے سنا جا سکے اور جوش و جذبے سے پُر ہو۔
- انٹرویو کے درمیان بے تکلفی اور سازگار ماحول بنا رہے۔
- 'ہاں، نہیں، معلوم نہیں، بعد میں کہوں گا' جیسے جواب موصول نہ ہوں، اس بات کو ذہن میں رکھ کر سوال بنائے گئے ہوں۔
- اطمینان سے، جوش و جذبے پر قابو اور اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ انٹرویو میں دلچسپی برقرار رکھی جائے۔

انٹرویو لیتے وقت ان باتوں کی احتیاط برتیں:

- غلط اور ناموزوں سوال پوچھنے سے گریز کریں۔
- سوال پوچھتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ انٹرویو دینے والے کی بے عزّتی نہ ہو۔
- ایسے سوالوں سے اجتناب برتیں جن سے کشیدگی اور اختلاف کا ماحول پیدا ہو سکتا ہے۔
- بنیادی موضوع سے ہٹ کر غیر ضروری سوال نہ کریں۔
- متوقع قیاسی جواب ملیں، قیاس پر مبنی ایسے سوال نہ کریں۔
- پیچیدہ اور مشکل سوال نہ کریں۔
- سوالوں کو دہرانے سے گریز کریں۔
- پیشگی تیاری اور پیشگی مطالعے کے بغیر حد سے زیادہ پُر اعتمادی کے ساتھ انٹرویو نہ لیں۔
- اُکتا دینے والے، تھکا دینے والے اور بے اثر سوال پوچھنے سے پرہیز کریں۔
- انٹرویو کے دوران مضحکہ خیز حرکات و سکنات سے بچیں۔
- انٹرویو لینے والے کو چاہیے کہ وہ انٹرویو دینے والے سے زیادہ نہ بولے۔
- انٹرویو مقررہ وقت میں مکمل کر لیں۔

بالمشافہ انٹرویو، رسالوں میں شائع شدہ انٹرویو، آکاش وانی پر لیے گئے انٹرویو، ٹیلی وِژن پر لیے گئے سمعی و بصری انٹرویو، جائے وقوع پر لیے گئے انٹرویو جیسے مختلف قسم کے انٹرویو نے آج کی عوامی زندگی کے اندرون و بیرون کا احاطہ کر رکھا ہے۔

فرد میں 'شخصیت' کی تلاش کرنے والا، پڑھنے والوں کو چونکا دینے والا، بامعنی، فکر انگیز اور زندگی سے بھرپور انٹرویو معاشرے کی بہتری کا باعث بنتا ہے۔ انٹرویو کے یہ نتائج ذہن میں رکھیں تو انٹرویو کے معنی مزید واضح کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔

مشقی سرگرمیاں

(الف) جواب دیجیے۔

۱۔ انٹرویو کی پیشگی تیاری کیسے کریں گے؟

۲۔ انٹرویو کا اختتام کیسے کریں گے؟

۳۔ واضح کیجیے کہ انٹرویو کسی فرد کی کارکردگی کی شناخت ہوتا ہے۔

(ب) درج ذیل سوالوں کے مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ انٹرویو کے خاص مقاصد اپنے الفاظ میں واضح کیجیے۔

۲۔ واضح کیجیے کہ انٹرویو کے معنی منصوبہ بند مکالمہ ہیں۔

۳۔ واضح کیجیے کہ فرد میں 'شخصیت' کی تلاش کے لیے انٹرویو لیے جاتے ہیں۔

۴۔ انٹرویو لیتے وقت برتی جانے والی احتیاط لکھیے۔

۵۔ اُمیدوار کا 'اندرون' جاننے کے لیے انٹرویو ضروری ہے۔ مثالوں کے ساتھ وضاحت کیجیے۔

(ج) انٹرویو کی پیشگی تیاری کیسے کریں گے، اسے درج ذیل نکات کی مدد سے لکھیے۔

- انٹرویو دینے والے شخص کی معلومات۔
- انٹرویو دینے والے شخص کی کارکردگی۔
- انٹرویو کے تعلق سے مطالعہ۔
- سوالوں کی تیاری۔

(د) درج ذیل افراد کا انٹرویو لینے کے لیے سوال نامہ ترتیب دیجیے۔

۱۔ سبزی فروش

۲۔ ڈاکیا

۳۔ نرس



۲ تعارف نامہ

تمہید

آج کے مسابقتی دور میں عالم کاری اور تجارتی عمل کی وجہ سے گاہک (صارف) خرید و فروخت کے معاملات میں بڑے بیدار ہوگئے ہیں۔ کوئی معاملہ کرتے وقت لوگوں کو متعلقہ معاملے کے تعلق سے تفصیلی معلومات درکار ہوتی ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ انھیں یہ معلومات گھر بیٹھے تحریری طور پر حاصل ہوجائے۔ لوگوں کے اس رجحان کو تاجروں، سماجی، تعلیمی اور مالیاتی اداروں نیز صنعت کاروں اور بیوپاریوں نے سمجھ لیا ہے۔ گاہکوں کی تسکین کے لیے یہ لوگ جو نئے نئے طریقے اور ذرائع استعمال کررہے ہیں، ان میں سے ایک 'تعارف نامہ' ہے۔

ہیئت

تعارف نامہ یعنی منفرد معلومات والا ورقیہ۔ تعارف نامہ موضوعات، خدمات، شعبہ جات کو لوگوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ لوگوں کو نئے نئے منصوبوں کی جانب راغب کرنے کا کام کرتا ہے۔ تعارف نامے کی وجہ سے معلومات دینے اور معلومات حاصل کرنے والوں کے درمیان ایک رشتہ قائم ہونے میں مدد ملتی ہے۔ 'تعارف نامہ' نئے گاہک کے حصول اور نئے بازار پر غلبہ حاصل کرنے کا پہلا زینہ ہے۔ گاہک کو تعارف نامے کے ذریعے ضروری معلومات ہمیشہ دستیاب ہوسکتی ہے۔ اسے کم وقت اور کم خرچ میں گاہک کے مکان تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ تعارف نامہ بالواسطہ طور پر اشتہار کا کام کرتا ہے۔ اسے پڑھتے وقت اشیاءِ فروخت سے متعلق لوگوں میں اشتیاق، خواہش اور دلچسپی پیدا ہو تو سمجھیں کہ تعارف نامے کا مقصد حاصل ہوگیا۔

تعارف نامے کی ضرورت اور افادیت

تعارف نامے کی ضرورت ہر جگہ ہوتی ہے۔ پھلوں، ترکاریوں کی آڑھت کرنے والوں سے لے کر لاکھوں روپوں کی عالی شان کاروں کے تاجروں تک کے لیے تعارف نامہ ضروری ہے۔ آج کل عید اور تہواروں کا سامان، تیار کپڑوں، ساڑیوں، کھلونوں، پنساریوں، کتابوں، اسٹیشنری، گاڑیوں، ہوٹلوں، اوزاروں، کارخانوں، الیکٹرانک اشیا، دواؤں، ڈیری مصنوعات، غذائی اشیا، گھریلو استعمال کی چیزوں کے تعارف نامے بھی نظر آتے ہیں۔ ڈراما، تھیئٹر، سنیما گھر، امدادِ باہمی، مالیاتی اور تعلیمی ادارے، سماجی اور ادبی ادارے، ثقافتی اور کھیل کود کے ادارے، کمپنیاں، اسپتال، سیاحت کے مراکز، ایل.آئی.سی.، ڈاک، بنک، بچت گٹ وغیرہ کو تعارف ناموں کی ضرورت ہوتی ہے۔

فن، موسیقی، چھوٹے بڑے کورسیس، زراعتی آلات، تعمیری آلات، دوا ساز کمپنیاں، پودگھر (نرسری) جیسے کئی شعبے ہیں جن کی طرف عوام کو راغب کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لیے تعارف نامہ ضروری ہے۔ آپ کی انفرادیت، آپ سے گاہک کو ہونے والا فائدہ ایسے نکات ہیں جنھیں نمایاں کرنا ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے تعارف نامے کی ضرورت ہوتی ہے۔

تعارف نامے کے تشکیلی خاکے کی خصوصیات:

• معلومات کو ترجیح

تعارف نامے میں معلومات کو ترجیح دی جانی چاہیے۔ اس مقصد کے تحت درست معلومات دینا ضروری ہے۔ معلومات واضح اور مختصر ہونی چاہیے۔ ادارے سے متعلق ضروری اور قانونی معلومات (مثلاً ادارے کا رجسٹریشن نمبر، ادارے کے رجسٹریشن کی تاریخ، فون نمبر، ای-میل، ویب سائٹ، ادارے کا نشان، نعرہ، پتا، عہدیداران کے نام، اوقاتِ کار وغیرہ) تعارف نامے میں لازماً دی جانی چاہیے۔ تعارف نامے میں دی جانے والی معلومات معروضی، درست اور مصدقہ ہونی چاہیے۔ اس میں مبالغہ آمیز اور جھوٹی معلومات نہیں دی جانی چاہیے۔ تعارف نامے میں دی گئی معلومات کی زبان عام فہم ہونی چاہیے۔ اس میں اضافی معلومات سے گریز کرنا چاہیے۔

• افادیت

تعارف نامہ کس طرح مفید اور مؤثر ہوسکتا ہے، اس جانب توجہ دینا ضروری ہے۔ لوگوں میں اسے پڑھ کر پھینکنے کی بجائے حفاظت سے رکھنے اور اسے حوالے کے لیے دوبارہ پڑھنے کی خواہش پیدا ہونی چاہیے۔ ایسا مفید تعارف نامہ تب ہی بن سکتا ہے جب اس میں درج معلومات گاہک کے دل کو چھوٗ لے۔ 'میری روزمرہ زندگی کے مسائل'، رکاوٹیں، سوالات کو حل کرنے کے لیے تعارف نامہ مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ گاہک کو اس طرح کا احساس دلانے والا تعارف نامہ فائدہ مند ہی ہوتا ہے۔ تعارف نامے میں درج جملوں 'کیا آپ کی ترکاریوں پر حشرات کش دواؤں کا ضرورت سے زیادہ چھڑکاؤ کیا گیا ہے؟، دودھ میں ملاوٹ کی جانچ اس طرح کریں' کے اعلان کی جانب گاہک کے متوجہ ہونے پر شہری افراد کو بھی زرعی نمائش کا تعارف نامہ فائدہ مند محسوس ہوتا ہے۔

• انفرادیت

اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ آپ کا تعارف نامہ اوروں کے تعارف ناموں کی بہ نسبت ہر طرح سے مختلف اور نمایاں ہو۔ فرق تعارف نامے کے متن اور تشکیل میں ہونا چاہیے۔ دوسروں سے مختلف، نئی، دلچسپ، فائدہ مند معلومات دینا اور مختلف لے آؤٹ، سائز، ترتیب اور مختلف نقطۂ نظر کے ذریعے تعارف نامے کو منفرد اور ممتاز بنایا جاسکتا ہے۔

• دلکش لے آؤٹ

تعارف نامے میں معلومات کی ترتیب سیدھی سادی نہیں بلکہ دلکش ہونی چاہیے۔ تعارف نامہ ایسا پرکشش اور دلچسپ ہونا چاہیے کہ دیکھتے ہی اسے پڑھنے کی خواہش ہونی چاہے۔ اس کا کاغذ بہترین، طباعت رنگین اور سرورق دیدہ زیب ہونا چاہیے۔ اس کا سائز مناسب ہو۔ اس کا موضوع اور نعرہ واضح طور پر نظر آنا چاہیے۔ تعارف نامے کی عمدہ ترتیب کے لیے ماہرِ فن، مصوّر، کمپیوٹر کے ماہر سے مدد لینا چاہیے۔

• زبان

تعارف نامہ صرف دیکھا نہیں بلکہ پڑھا جاتا ہے اس لیے اس کا طرزِ تحریر دلچسپ اور راغب کرنے والا ہونا چاہیے مثلاً 'ہمارے

زرعی سیاحتی مرکز میں قیام کرکے آپ بہت خوش ہوں گے۔ یہاں آپ اتنے کھو جائیں گے کہ آپ کو دُکھ کے متعلق سوچنے کی بھی فرصت نہیں ملے گی۔' یہ تمام معلومات آپ اور مختصر کرکے اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں: 'اب تناؤ کے لیے وقت نہیں۔' اس طرح الفاظ کی ترتیب دلچسپ ہو۔ مختصراً زبان و بیان دل کو چھونے والا ہو۔

تعارف نامے کا تشکیلی خاکہ

کسی جونیئر کالج میں نئے تعلیمی سال سے شعبۂ سائنس کا آغاز کرنا ہے۔ اس کی اطلاع داخلے کے خواہش مند طلبہ اور ان کے سرپرستوں تک مؤثر طریقے سے پہنچانا ہے۔ اس کے ذریعے طلبہ داخلے کے لیے جونیئر کالج سے رابطہ کریں گے۔ یہ اطلاع ان تک کس طرح پہنچائی جاسکتی ہے؟

یقیناً یہ کام تعارف نامے کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے۔

تعارف نامے میں کون کون سے نکات ہونے چاہئیں۔

(۱) جونیئر کالج جس تعلیمی انجمن کے ذریعے چلایا جاتا ہے، اس کا مخصوص نشان (لوگو)، انجمن کا نعرہ، انجمن کے اہم عہدیداروں کے نام۔

(۲) انجمن کا نام، پتا، سنۂ تاسیس، فون نمبر/ موبائل نمبر، ای-میل، ویب سائٹ۔

(۳) جونیئر کالج کا نام، پتا، سنۂ تاسیس، فون نمبر/ موبائل نمبر، ای-میل، ویب سائٹ۔

(۴) انجمن اور جونیئر کالج کی سرکاری منظوری/ منظوری سے متعلق مختصر معلومات۔

(۵) جونیئر کالج کے تعلق سے بنیادی معلومات (مثلاً سرکاری/ خانگی/ امدادی/ غیر امدادی وغیرہ)

(۶) جونیئر کالج کا مختصر پس منظر۔

(۷) ضروری اعداد و شمار۔

(۸) جونیئر کالج میں دستیاب سہولتیں (مثلاً بیت الخلا، تجربہ گاہ، کھیل کا میدان، اسمبلی ہال، لائبریری، کمرۂ مطالعہ، ہاسٹل، پارکنگ، کینٹین وغیرہ)

(۹) جونیئر کالج کی دیگر خصوصیات۔

(۱۰) جونیئر کالج میں ہونے والی سرگرمیاں (مثلاً پڑھتے پڑھتے کمائیے، این.ایس.ایس.، سیاحت وغیرہ)

(۱۱) تصاویر۔

(۱۲) انجمن کے دیگر کالجوں کے نتائج۔

(۱۳) جونیئر کالج کے مستقبل کے منصوبے۔

(۱۴) طلبہ کو دی جانے والی تعلیمی سہولتیں (اسکالرشپ) وغیرہ۔

(۱۵) جونیئر کالج کو جانے والے راستے کی معلومات/ نقشہ۔

(۱۶) داخلے سے متعلق معلومات، نشستیں، شرائط، مطلوبہ دستاویزات، اہلیت، آخری تاریخ، داخلہ فارم کا نمونہ، فیس، ابتدا میں ادا کی جانے والی رقم، متعلقہ کورس کی مدت، داخلے کے دوران اوقاتِ کار، تعطیلات، متعلقہ ذمہ داروں کے نام، ان کے فون نمبر، داخلے کے قطعیت کی تاریخ (منتخبہ طلبہ کے ناموں کی فہرست کا اعلان)، تعلیمی سال کے آغاز کی تاریخ سے متعلق معلومات۔

آج کے دور میں درست معلومات بہم پہنچانے والا پرکشش تعارف نامہ تیار کرنا تاجروں کی ضرورت ہے اور اس کا بروقت دستیاب ہونا گاہکوں کی ضرورت ہے۔ اس لیے تعارف نامے کی تیاری کو پیشہ ورانہ اہمیت حاصل ہو رہی ہے۔

مشقی سرگرمیاں

(الف) مثال کے ساتھ تعارف نامے کی وضاحت کیجیے۔

(ب) درج ذیل نکات کی مدد سے تعارف نامے کی خصوصیات واضح کیجیے۔

۱۔ دیدہ زیب پیشکش

۲۔ زبان

(ج) مختصر معلومات دیجیے۔

۱۔ وہ شعبے جن میں تعارف ناموں کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲۔ تعارف نامہ دراصل اشتہار ہی کی ایک قسم ہے۔

(د) اپنے لفظوں میں تعارف نامے کے فائدے واضح کیجیے۔

(ہ) کسی ہوٹل میں کھانوں کی معلومات دینے کے لیے تعارف نامے میں کن نکات کی شمولیت ہوتی ہے، لکھیے۔

(و) کسی کپڑے کی دکان کا تعارف نامہ ترتیب دیجیے۔



۳ روداد نویسی

تمہید

اسکولوں اور کالجوں میں تقریری مقابلے، کھیلوں کے مقابلے، ثقافتی تقاریب یا پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح سیاسی، سماجی اور مالیاتی اداروں کے پروگرام بھی ہوتے رہتے ہیں۔ ان پروگراموں کے اختتام پر ان کی رودادیں لکھی جاتی ہیں۔ یہ رودادیں مستقبل میں نہایت مفید ثابت ہوتی ہیں۔ ان کے ذریعے قارئین کو منعقد کیے گئے پروگراموں اور تقریروں کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے روداد کی تعریف، اس کی اہمیت، روداد کا خاکہ، روداد نویسی کے اُصول، روداد لکھتے وقت برتی جانے والی احتیاطی تدابیر وغیرہ کا علم ہونا ضروری ہے۔ یہ ساری تفصیلات روداد نویسی اور روداد کی قرأت میں مدد کرتی ہیں۔

ہیئت

کسی دفتر یا ادارے میں منعقدہ پروگرام یا تقریب کا احوال مناسب طریقے سے ضبطِ تحریر میں لانا 'روداد نویسی' کہلاتا ہے۔ تقریب کی تفصیل لکھتے وقت تقریب کا مقصد، اس کی تاریخ اور وقت، شرکاءِ جلسہ، کارروائی، اختتام وغیرہ نکات شامل کیے جاتے ہیں۔ پروگرام کی ابتدا سے لے کر اس کے اختتام تک کی مرحلہ وار مناسب تفصیل روداد میں شامل کی جاتی ہے۔ کسی مسئلے کے متعلق معلومات حاصل کر کے اس کی پیچیدگیوں کا جائزہ لینے کے لیے خاص طور پر اس مسئلے کے حل کے لیے مقرر کیے گئے کمیشن کے احوال کو روداد کہتے ہیں۔ اسی طرح ترقی کی روداد، تفتیشی روداد، معلوماتی روداد، تحقیقی روداد، ماہانہ روداد اور سالانہ روداد جیسی مختلف قسم کی رودادیں ہوتی ہیں۔

تقریبات کے احوال اگر تحریری طور پر محفوظ نہ کر لیے جائیں تو اداروں کی ترقی اور ان کے کارہائے نمایاں کی تفصیل حاصل کرنے میں مستقبل میں دشواری ہوگی۔ اس دشواری سے بچنے کے لیے روداد کو ضبطِ تحریر میں لانا بے حد ضروری ہو جاتا ہے۔ آئندہ زمانے کی منصوبہ بندی کے لیے بھی روداد مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ مختلف اداروں، چھوٹی بڑی صنعتوں اور گرام پنچایت سے لے کر کارپوریشنوں تک میں ہوئے عملی اقدامات اور تبدیلیوں کی صداقت کو جانچنے کے لیے ان کی روداد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ کسی مسئلے کے متعلق مناسب فیصلے کے لیے، عوامی مقام پر کسی نہایت اہم منصوبے یا صنعت کو جاری کرنا ہو تو اوّلاً ان کی روداد جمع کرنی ہوتی ہے۔

روداد کا خاکہ

دراصل جس واقعے کے احوال قلم بند کرنے ہوتے ہیں، انھی کی بنیاد پر روداد کا خاکہ تیار کیا جاتا ہے۔ کسی ادارے کے عملی میدان اور مقاصد کے مطابق روداد کے نکات تبدیل ہوتے ہیں۔ کسی کالج کے تقریری مقابلے اور کھیل کے مقابلے کے احوال کی روداد میں فرق ہو سکتا ہے کیونکہ کھیل اور تقریر کے مقابلے کی نوعیت دونوں جدا جدا ہوتی ہے۔

موضوع کی مناسبت سے روداد کی تحریر، ان کے مراحل، ان کی اکائیاں، ان کے جزوی موضوعات، ان کے مدارج وغیرہ میں

کسی حد تک فرق کی گنجائش رہے گی۔

روداد نویسی کے چار مراحل:

۱۔ تمہید (روداد کا آغاز)

۲۔ روداد کا درمیانی مرحلہ (تفصیل)

۳۔ روداد کا اختتامی مرحلہ (اختتامیہ)

۴۔ روداد کی زبان

بطور مثال درج بالا نکات کی روشنی میں دیکھیں گے کہ کسی ثقافتی تقریب کے احوال کی روداد کا خاکہ کس طرح ہوسکتا ہے۔

روداد کا موضوع : ''یومِ اُردو/ اُردو کی ترویج و ترقی کا ہفتہ/عشرہ'' - اختتامی تقریب کی روداد

تمہید

اس میں حسبِ ذیل نکات کا اندراج متوقع ہے۔ جلسے کا موضوع، مقامِ جلسہ، تاریخ، دن، وقت، نوعیت، صدر کا نام اور عہدہ، مہمانِ خصوصی کا نام اور عہدہ، جلسے کے منتظمین کے نام اور عہدے، دیگر مندوبین کی تفصیل، ان تمام کے لیے توصیفی کلمات/ استقبال، تلاوتِ قرآن، حمد، نعت خوانی، استقبالیہ گیت وغیرہ کا ذکر بھی تمہید (آغاز) میں ہوتا ہے۔

روداد کا درمیانی مرحلہ

اُردو زبان کی ترویج و ترقی کے لیے منائے گئے یوم/ ہفتے/عشرے کا مقصد، اس کی منصوبہ بندی، کون کون شامل تھے، کون سی سرگرمیاں عمل میں آئیں، ان سرگرمیوں سے کیا حاصل ہوا، اس حوالے سے آئندہ کی منصوبہ بندی، اس کی تنظیم کیسے کی گئی، اس کے بارے میں ہر نکتے کی ترتیب وار وضاحت کی توقع کی جاتی ہے۔ اس تقریب میں حصہ لینے والے طلبہ و اساتذہ کے تاثرات کا اندراج بھی متوقع ہے۔ مہمانانِ خصوصی کے خیالات اور صدر کی تقریر، پیش کردہ دو تین خاص سرگرمیوں کا تذکرہ، تقسیمِ انعامات کی تفصیل وغیرہ روداد کے اس حصے میں شامل کرنا متوقع ہوتا ہے۔

روداد کا اختتامی مرحلہ

تقریب کے اہم نکات، تقریب کی کامیابی اور اس میں پائی گئیں کمیوں کے متعلق حتمی فیصلے کو روداد کے اختتامی حصے میں شامل کرنا متوقع ہوتا ہے۔

روداد کی زبان

ادارے کا شعبۂ کار، موضوعاتِ تقریب، تقریب کی نوعیت وغیرہ کے مطابق روداد میں خاص ناموں اور اصطلاحوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے مختلف علاقوں کی رائج زبان میں روداد لکھی جاتی ہے۔

روداد نویسی کی خصوصیات :

• جامع اور واضح

روداد کی نوعیت کی مناسبت سے اس میں تاریخ، دن، وقت، مقام، شرکا کے نام، عہدے، تقریب کی عملی صورت، مقاصد، اعداد و شمار اور نتیجے وغیرہ اہم نکات کا اندراج واضح طور پر اور غلطیوں سے پاک ہونا چاہیے۔

• اعتباریت

روداد میں درج صحیح معلومات روداد کو اعتبار بخشتی ہے۔ روداد کی اسی اعتباریت کی وجہ سے بعض اوقات سنگین مسائل کو حل کرنے کے لیے ثبوت کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ روداد کی اہم خصوصیت ہوسکتی ہے۔

• سہل اور سادہ

یہ توقع کی جاتی ہے کہ ممکنہ حد تک عام آدمی بھی روداد کو بہ آسانی سمجھ سکے۔ اس مفروضے کے تحت جب روداد لکھی جاتی ہے تو قصداً اس کی زبان آسان اور عام فہم رکھی جاتی ہے۔ بلا وجہ اس میں مشکل الفاظ اور پیچیدہ اصطلاحات کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ روداد میں فصیح و بلیغ زبان، ڈرامائی انداز اور صنائع بدائع سے کلّی طور پر اجتناب برتا جاتا ہے مگر روداد میں متعلقہ علاقے کی زبان اور وہاں کی اصطلاحات بالعموم استعمال کی جاتی ہیں۔

• ذخیرۂ الفاظ

روداد کی نوعیت اور موضوع پر روداد میں استعمال ہونے والے الفاظ کی تعداد کا انحصار ہوتا ہے۔ ثقافتی، ادبی اور کھیل کود پر مبنی مقامی سطح کی رودادیں مختصر ہوتی ہیں۔ البتہ سرکاری اداروں کی سالانہ میٹنگوں کی رودادیں قدرے طویل ہوتی ہیں، ان کی نوعیت بھی متعین ہوتی ہے۔

کسی مسئلے یا سرگرمی کے حوالے سے لکھی گئی تحقیقی نوعیت کی روداد یا عوامی مقامات پر قائم صنعتوں، خدماتِ عامہ (اندرونِ شہر آمد و رفت کے وسائل) کے احوال کافی طویل ہوتے ہیں۔ ان میں بہت زیادہ معلومات، اعداد و شمار، مشاہدات، تفصیلات اور نتائج شامل کیے جاتے ہیں۔ کسی تقریب یا جلسے کی روداد تین چار صفحات پر مشتمل ہوتی ہے جبکہ کسی کمیشن کی روداد ہزار یا زائد صفحات کی بھی ہوسکتی ہے۔

• غیر جانبداری

روداد کا موضوع کچھ ہو اور کسی بھی قسم کا ہو، ان تمام کی ایک ہی خصوصیت ہوتی ہے، غیر جانب داری۔ روداد نویس اپنے ذاتی خیالات اور ذاتی رائے کو من مانے طور پر روداد میں شامل کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اپنی مرضی کے مطابق روداد نہیں لکھ سکتا۔ حقیقت نمایاں کرنے والی تحریر روداد کی گویا روح ہوتی ہے۔ الگ الگ تقریبات، مجلسوں، تحقیقاتی سرگرمیوں میں روداد نویس نے کیا محسوس کیا، کیا دیکھا، کیا سنا وغیرہ تمام جزئیات کی حقیقی تفصیل روداد میں ہوتی ہے۔

روداد نویسی کے لیے غور طلب اُمور :

روداد نویسی اگرچہ ادب کی صنف نہیں لیکن یہ تحریر کا ایک ہنر ہے۔کوٹھاری کمیشن کی روداد کا پہلا ہی جملہ :
The destiny of India is being shaped in her classrooms. (بھارت کی تقدیر جماعت کے کمروں میں تشکیل پا رہی ہے) اس طرح کے خوب صورت، رہنما اور فکر انگیز جملوں نیز خیالات کی وجہ سے روداد پرکشش بنتی ہے اور ضرورت کے مطابق اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

روداد نویسی کے وقت درج ذیل امور کا خیال رکھا جائے :

(۱) روداد نویس کو متعلقہ موضوع کا اچھا علم ہو۔

(۲) جو واقعہ رونما ہوا اور جیسا ہوا، اس کے مطابق روداد لکھی جانی چاہیے۔

(۳) روداد نویسی کے لیے زبان پر مکمل دسترس ہونی چاہیے۔ بالخصوص ثقافتی تقاریب کی روداد قلم بند کرتے وقت منظر کشی میں جان پیدا ہوجائے۔ اس کے برخلاف تحقیقاتی سطح کے احوال لکھتے وقت مناسب اور موزوں اصطلاحات کا استعمال کیا جانا چاہیے۔

(۴) خلاصے کی صورت میں مختصر نویسی کی مشق ہونی چاہیے۔

(۵) تحریر کا اسلوب سادہ، آسان اور فطری ہونا چاہیے۔ اس میں صناعی، ڈرامائیت اور مبالغے کا گزر نہ ہو۔

(۶) شرکا کے نام اور ان کے عہدوں میں غلطیاں نہ ہوں۔ اسی طرح واقعات کے بیان میں تسلسل اور ربط کا ہونا لازمی ہے۔ روداد لکھتے وقت تکنیکی امور (سرنامہ/ سرخی، تاریخ، مقام، مہمانانِ خصوصی، صدر، نام، عہدے وغیرہ) کے نقل کرنے میں غلطی اور بھول چوک نہ ہو۔

(۷) روداد نویس میں باریک بینی اور قوتِ مشاہدہ کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں روداد کے موضوع کی نوعیت، انفرادیت اور خصوصیات کا مشاہدہ باریک بینی سے کرنے کی مہارت ہو۔

(۸) روداد میں موضوع کی رو میں بہہ جانے والے اپنے خیالات کا اظہار نہ ہو۔

(۹) روداد متعلقہ تقریب اور موضوع سے باہم مربوط ہونی چاہیے۔ وہ نامکمل اور غیر مربوط نہ ہو۔

(۱۰) روداد کی تکمیل کے بعد اس کے نیچے صدر اور سکریٹری کے تائیدی دستخط ہونے لازمی ہیں۔

روداد متعلقہ ادارے کی تقریب کی اہم دستاویز ہوتی ہے اس لیے اس کو لکھتے وقت نہایت احتیاط لازمی ہے۔ ادارے یا دفتر کے کاموں کی طویل مدتی جانچ کے وقت ان کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے انھیں محفوظ رکھا جانا چاہیے۔

مشقی سرگرمیاں

(الف) روداد کی ہیئت بیان کیجیے۔

(ب) روداد کی ضرورت بیان کیجیے۔

(ج) حقیقت نمایاں کرنے والی تحریریں روداد کی روح ہوتی ہیں۔ واضح کیجیے۔

(د) درج ذیل نکات کی روشنی میں روداد نویسی کی خصوصیات واضح کیجیے۔

- جامع اور واضح
- ذخیرۂ الفاظ
- غیر جانب داری

(ہ) روداد قلم بند کرتے وقت غور طلب اُمور میں سے مثالوں کے ذریعے دو کی وضاحت کیجیے۔

(و) درج ذیل عنوانات پر روداد لکھیے۔

۱۔ آپ کے جونیئر کالج کا سالانہ جشن

۲۔ آپ کے جونیئر کالج میں شجر کاری کی مہم



۴ فیچر نویسی

تمہید

ہماری زندگی خبروں سے بھری پڑی ہے۔ ریڈیو کے ذریعے خبریں ہم تک پہنچتی ہیں۔ ٹیلی وِژن پر ہم خبریں سنتے اور دیکھتے بھی ہیں۔ اخباروں میں خبریں پڑھنے کے بعد بھی تجسّس ختم نہیں ہوتا۔ خبر جس واقعے پر مبنی ہو، پڑھنے والے اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اخبارات قارئین کے اس تجسّس کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ ان کا مقصد معلومات بہم پہنچانا ہے۔ اسی کے ساتھ اخبارات ہمارے سماج میں عوامی بیداری، تعلیم و تربیت اور تفریحِ طبع کا عمل بھی انجام دیتے ہیں۔ خبر میں ماجرا جوں کا توں بیان کیا جاتا ہے۔ اس میں خبر نگار کے 'مَیں' کی گنجائش نہیں ہوتی۔ واقعے کو اس کی اصل شکل میں پیش کرنا خبر کی ضرورت ہے۔ البتہ جو چیزیں خبر میں نہیں ہوتیں مثلاً دلچسپی، انوکھا پن، خبر کی باریکیاں اور طرح طرح کی تفصیلات، یہ تمام باتیں فیچر میں موجود ہوتی ہیں۔

ہیئت

بعض خبریں ایسی ہوتی ہیں جن کے پیچھے چُھپی ہوئی تفصیلات سے قارئین کو واقف کرانا ضروری ہوتا ہے لیکن خبر میں اس کا موقع نہیں ہوتا۔ اس مقصد کے لیے جو مضمون لکھا جاتا ہے اسے فیچر کہتے ہیں۔ آکسفورڈ ڈِکشنری میں فیچر کی تعریف حسبِ ذیل ہے :

It is a non news article in a newspaper

اس سے مراد خبر کے پیچھے چُھپی اہم اور دلچسپ باتیں ہیں۔ اخبار مغربی ملکوں کی پیداوار ہے اسی لیے بھارت کی صحافت میں بھی وہاں کے کئی تصوّرات شامل ہو گئے ہیں۔ ان میں سے ایک فیچر بھی ہے جو اخبار پڑھنے والوں کی ضرورت بن چکا ہے۔ خبر جس واقعے سے متعلق ہو اس کی تفصیلات قارئین تک پہنچانا ضروری ہوتا ہے۔ اسی مقصد سے فیچر لکھا جاتا ہے۔ فیچر کو 'نان نیوز آرٹیکل' کہا گیا ہے، تاہم اس کا تعلق ہمیشہ خبر سے ہوتا ہے۔ اس کی تازگی برقرار رکھنا ضروری ہے۔ فیچر وقوع پذیر ہونے والے اور پیش آنے والے واقعات سے متعلق ہوتا ہے۔ اسے 'ہنگامی تحریر' بھی کہا جاتا ہے۔ فیچر فوری طور پر لکھی جانے والی تحریر ہے۔ اس کے باوجود اس میں غلطیوں سے دامن بچانا ضروری ہے کیونکہ حقیقت پر مبنی ہونے کے سبب اس میں خیال آرائی کی گنجائش ذرا کم ہی ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فیچر خبر کو پُرلطف بناتا ہے اور وہ پڑھنے والوں کے احساسات کا خیال رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ قارئین کی تسکین ضروری ہے۔

فیچر ایک منفرد قسم کی تحریر ہے جس کی مخصوص خوبیاں ہیں۔ فیچر کا اسلوب اور اس کی دلکشی قارئین کو باندھے رکھتی ہے۔ اس کی زبان سادہ، عام فہم اور اپنائیت سے بھرپور ہوتی ہے۔ کم لفظوں میں وسیع مفہوم بیان کرنے کے علاوہ قارئین کے دلوں تک پہنچنے کی صلاحیت بھی اس میں ضروری ہے۔ ظاہر ہے زبان پر ایسی قدرت بڑی مشق و محنت کے بعد ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ فیچر کے مطالعے سے قارئین کو مسرّت، تفریح اور معلومات حاصل ہوتی ہے۔ اس سے مطالعے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ فیچر کبھی کبھی اپنے پڑھنے والوں کو چونکاتا ہے اور اس کا موضوع، اسلوب اور مواد انھیں دعوتِ فکر بھی دیتا ہے۔ اپنی بات کو مؤثر انداز سے پیش کرنے کے لیے اس میں اعداد و شمار، تصاویر، کارٹون، ترسیم اور جدول کا استعمال بھی کیا جاتا ہے۔ فیچر میں اپنے تجربات اور اس موضوع سے متعلق معلومات بھی پیش کی جاسکتی ہے۔

فیچر کی قسمیں:

موضوع اور تحریر کے اعتبار سے فیچر کی اہم قسمیں درج ذیل ہیں۔

خبر پر مبنی فیچر: کسی خبر کے سیاق وسباق میں یہ فیچر لکھا جاتا ہے۔اس میں خبر کا تجزیہ بھی کیا جاتا ہے۔اخبار میں شائع ہونے والی خبر کی تمام معلومات اس فیچر میں نہیں ہوتی البتہ اہم نکات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ لکھنے والے کے پاس اس موضوع پر تازہ معلومات موجود ہوتی ہے۔ اکثر اس شعبے کے ماہرین سے مل کر اور اس خبر کی گہرائی تک پہنچ کر فیچر لکھا جاتا ہے۔ قارئین کے لیے یہ نئی معلومات مسرت بخش ثابت ہوتی ہے۔

فیچر کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ اس میں قومی، بین الاقوامی، شہری، دیہی، سماجی، تعلیمی، ثقافتی، صنعتی اور سیاسی ہر قسم کے موضوعات کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر آلودگی: اس موضوع کے تحت دہلی میں بڑھتی ہوئی فضائی آلودگی، اس کے اسباب، انسانی صحت پر اس کے مضر اثرات وغیرہ کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس کے علاوہ نقل وحمل کے ذرائع پر سرمایہ کاری، مویشی پالن میں کمی اور اس کے سماج پر اثرات جیسے موضوعات بھی ہو سکتے ہیں۔

سوانحی فیچر: سماج میں کارہائے نمایاں انجام دینے والے افراد سے متعلق بھی فیچر لکھا جاسکتا ہے۔ کسی مخصوص اہمیت کا حامل کوئی کام، کسی خاص شعبے میں غیر معمولی کامیابی کا حصول، کسی مسئلے کو حل کرنے کے لیے یا کسی منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کی گئی کوششیں یا کوئی کارنامہ فیچر کا موضوع ہوسکتا ہے۔ کسی شخص کے انعام سے سرفراز کیے جانے پر، کسی کی سالگرہ پر، کسی مشہور شخصیت کے یومِ وفات پر یا کسی ادارے کے جشنِ سیمیں یا کسی خاص موقعے پر فیچر لکھا جاسکتا ہے۔

شخصیات سے متعلق فیچر تیار کرتے وقت کئی وسائل کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ کسی شخص سے متعلق شائع ہونے والے مضامین، اس کی سوانح، آپ بیتی یا اس کے ساتھ کام کرنے والوں، اس کے دوستوں، رشتے داروں سے لیے گئے انٹرویو وغیرہ کے ذریعے معلومات حاصل کر کے عمدہ فیچر تحریر کیا جاسکتا ہے۔ ایسے فیچر ماہ وسال کی تفصیلات، اعداد وشمار اور تعارف تک محدود نہیں ہوتے بلکہ اس تحریر سے اس شخص کے طرزِ حیات، انفرادی خصوصیات، عادات و اطوار وغیرہ کے متعلق واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس قسم کی تحریروں کی ایک اہم خوبی ان میں پایا جانے والا جذبات کا اظہار ہے جو قاری کو متاثر کرتا ہے۔

انٹرویو پر مبنی فیچر: مختلف شعبوں میں لوگ غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کے انٹرویو پر مبنی فیچر شائع کیے جاتے ہیں۔ ان میں افراد کی فرض شناسی، ان کا منفرد زاویۂ نظر، اس شعبے میں ان کی دریافت یا اختراع کے علاوہ ان کا کوئی ناقابلِ فراموش سفر، ان کی کامیابی یا تجربات ومشاہدات بیان کیے جاتے ہیں۔ اس فیچر میں عام لوگ جن چیزوں سے واقف ہیں اس سے الگ کچھ پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جس سے انٹرویو لیا گیا ہے اس کے موقف کو واضح کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے انٹرویو میں افراد کی غیر معمولی کامیابی یا کسی شعبے میں ان کی قابلِ ذکر کارکردگی کو نمایاں کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کوہ پیما، محقق، مشہور ادیب یا شاعر، سیاست داں، ماہرِ تعلیم وغیرہ اہم شخصیات کے انٹرویو کی مدد سے یہ فیچر لکھے جاتے ہیں۔

تاریخی مقامات سے متعلق فیچر: مختلف شہروں اور قصبوں کو تاریخی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ کہیں کھدائی کے دوران دفینے،

کتبے، پرانے سکّے، دستاویزات اور تامرپٹ وغیرہ نکل آتے ہیں اور ان سے کسی علاقے کے متعلق نئے حقائق سامنے آتے ہیں۔ کبھی ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے بیانات سے نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان سب کی مدد سے کسی تاریخی مقام کے بارے میں فیچر لکھا جا سکتا ہے۔ فیچر تحریر کرنے والا ان مقامات کی سیر کرتا ہے اور وہاں سے حاصل ہونے والی معلومات کے سہارے فیچر لکھتا ہے۔ اس میں مشاہدات، تجربات، کسی تاریخ کے ماہر سے ہونے والی گفتگو یا تقریر سے معلوم ہونے والی باتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ اس قسم کے فیچر کے لیے تصاویر اور نقشوں کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے مثلاً احمد نگر کا زمینی قلعہ، شنی وار واڑا، بی بی کے مقبرے کی سنگ تراشی وغیرہ۔

انوکھے، پر اسرار اور حیرت انگیز موضوعات پر مبنی فیچر: عام طور پر کسی علاقے کے عجیب و غریب قدرتی مناظر، کوئی پر اسرار واقعہ، کوئی کرشمہ وغیرہ اس قسم کے فیچر کا موضوع ہوتا ہے۔ اس قسم کے فیچر لکھتے ہوئے واقعات یا حالات کی تصدیق ضروری ہے۔ معلومات معتبر اور مصدقہ ہونی چاہیے مثلاً سانگلی کے سیلاب کے پانی کی سطح کا ۵۸ فٹ تک پہنچ جانا، ہمالیہ کے قدرتی مناظر، بڑے حادثے میں کسی بچے کا محفوظ رہ جانا، کسی کسان کا پانی ڈھو کر سیکڑوں درختوں کی آبیاری کرنا اور انھیں زندہ رکھنا وغیرہ واقعات اس قسم کے فیچر میں جگہ پا سکتے ہیں۔

فیچر کے موضوعات کے ماخذ:

صحافت کے شعبے میں کام کرنے والے لوگوں کو طرح طرح کے افراد سے ملاقات کے مواقع ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے اپنے مشاہدات، تجربات، مختلف اخباروں میں شائع ہونے والی خبروں، رسائل، کتابوں، ٹیلی وِژن کی خبروں وغیرہ سے فیچر کے موضوعات مل جاتے ہیں۔ اس قسم کے ذرائع درج ذیل ہیں:

۱۔ **خبریں:** اخبار میں شائع ہونے والی خبریں، مختلف رسائل کے خاص نمبر، کتابیں یا ٹی وی پر پیش کیے گئے واقعات دیکھ کر ذہن میں فیچر کا خاکہ تیار ہو جاتا ہے۔ ان کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے، انٹرویو لینے اور ان پر غور و خوض کرنے سے ایک اچھے فیچر کے لیے بہ آسانی مواد حاصل ہو جاتا ہے۔

۲۔ **ذاتی تجربات:** صحافت کے شعبے میں خبروں کے حصول میں پیش آنے والے تجربات میں سے بعض تو فیچر کی تیاری میں کام آتے ہیں اور بقیہ شخصی تجربات کے ذخیرے کا حصہ بن کر رہ جاتے ہیں۔ بس اسٹینڈ پر پھیری والوں کی تنظیم کا قیام، اس قسم کی خبر پڑھ کر پھیری والوں کی تعداد، ان کے پیشے میں مشکلات، ان کی آمدنی، ان کے گزر بسر کے مسائل جیسے معاملات کا احاطہ کر کے فیچر لکھا جا سکتا ہے۔ اس میں اعداد و شمار اہم نہیں ہوتے بلکہ ان کی زندگی کی حقیقی تصویر پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔

۳۔ **ملاقات/گفتگو:** ایک صحافی کے لیے بہتر تحریری صلاحیت اور اس کے لیے زبان کا گہرا علم ضروری ہے۔ اسی طرح بات چیت کا ہنر بھی اس کے پیشے کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اسے کبھی اعلیٰ افسران کے ساتھ بات چیت کی ضرورت پیش آ سکتی ہے اور کبھی کسان، مزدور، فنکار، کھلاڑی اور کمپنیوں کے مالکان کے ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو کرنی پڑ سکتی ہے۔ اسی گفتگو کے دوران ان افراد کی شخصیات کے انوکھے پہلو نمایاں ہوتے ہیں مثلاً وِدَربھ میں اپنا کھیت فروخت کر کے چاولوں کی قسموں پر تحقیق کرنے والے شری کھوبرا گڑے نے محقق نہ ہونے کے باوجود اِس میدان میں اہم معلومات حاصل کر کے سماجی فلاح کا ایک اہم کام انجام دیا۔ اس قسم کے افراد یا ان کے خاندان والوں سے مل کر ان کی شخصیت کے کئی انوکھے پہلو معلوم کیے جا سکتے ہیں۔

۴۔ **مشاہدات :** صحافی کسی راہ سے گزر رہا ہوتب بھی اسے کسی نہ کسی خبر کی بھنک لگ ہی جاتی ہے۔اس صلاحیت کے بغیر اس شعبے میں کامیابی حاصل کرنا دشوار ہے۔اسی طرح فیچر لکھنے کے لیے مخصوص نظر اور شعور کی ضرورت ہوتی ہے۔اپنے گرد وپیش واقع ہونے والی سرگرمیوں کا مشاہدہ کر کے ان میں فیچر کا موضوع تلاش کر لینا ایک صحافی کی اہم خوبی ہے۔تجربات سے واقعات کا پس منظر اور متعلقہ معلومات حاصل کر کے ان کے اثرات کا جائزہ لینے کی صلاحیت فیچر لکھنے میں معاون ثابت ہوسکتی ہے۔

ماہِ صیام میں شائع ہونے والی ایک خبر : ''معمر ہونے کے باوجود قُلی نے روزے رکھے۔'' مزید تحقیقات کی جائے تو فیچر کے لیے اہم معلومات حاصل ہوسکتی ہے۔'کھیت میں بیل کی جگہ آدمی کا استعمال'، 'چائے کی دکان چلا کر اپنے بچے کو کلکٹر بنایا'، 'تعمیری کام کے لیے بے کار موٹر سائیکل کا استعمال' اس قسم کی خبروں پر دلچسپ فیچر لکھے جاسکتے ہیں۔اس کے لیے ہمیشہ موضوعات کی تلاش میں رہنا ضروری ہے۔

فیچر نویسی کے سلسلے میں احتیاط :

صحافت کو اب تجارت کی حیثیت حاصل ہوچکی ہے اس لیے قارئین کی ضروریات کا ہمیشہ خیال رکھا جاتا ہے۔اخباروں کے مالکان قارئین کے ذوق کی تسکین کا سامان مہیا کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔قارئین کی تعداد پر اخبار کی فروخت منحصر ہوتی ہے اس لیے قارئین کی ضروریات اور پسند کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے۔

- **قارئین کی دلچسپی :** صحافت میں قارئین کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔انھی کے ذریعے اخبار کا کاروبار چلتا ہے اور اسے مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔اسی لیے قارئین کی دلچسپی کے پیشِ نظر اخبار میں مختلف تحریروں کو جگہ دی جاتی ہے۔اگر اخبار دیہی علاقوں میں پڑھا جاتا ہوتو وہاں کے قارئین کی دلچسپی اور پسند کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ان کے لیے مناسب موضوعات اور زبان کو ترجیح دی جاتی ہے۔
- **وقت کی اہمیت :** فیچر لکھتے وقت اس کی منصوبہ بندی اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ وقت کی ضرورت کے لحاظ سے حسبِ حال ہو۔بروقت پیش کی جانے والی تحریریں دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔خبریں پرانی ہوجائیں تو ان پر لکھے گئے فیچر قارئین میں دلچسپی کھو بیٹھتے ہیں۔
- **انوکھا پن :** فیچر محض خبروں کی تفصیل نہیں ہوا کرتا۔خبر کے پسِ پردہ احساسات اور خیالات کو فیچر میں جگہ دینا ضروری ہے۔ان کا انوکھا پن فیچر کی جان ہے۔فیچر میں خبر ہی کو دہرایا جائے تو وہ پڑھنے والوں کے لیے دلچسپ نہیں ہوتی اس لیے اس خبر کے متعلق تجسّس کو بیدار کرنا اور دلچسپی کو بڑھانا ضروری ہوتا ہے۔اس خبر سے متعلق انوکھے پہلوؤں کا بیان ہی فیچر کو دلچسپ بناتا ہے۔
- **قارئین کی دلچسپی :** فیچر کی منصوبہ بندی کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ قارئین کی دلچسپی شروع سے آخر تک برقرار رہے۔اس مقصد کے لیے فیچر کا موضوع، مرکزی خیال، ذیلی عنوانات، تجزیہ، تصاویر اور مختلف جدولوں کے سلسلے میں غور وخوض کرنا ضروری ہوتا ہے۔تصاویر کہاں دستیاب ہوں گی اور مواد سے مطابق تصاویر کس طرح پیش کی جائیں، اس بات کا

خیال رکھا جاتا ہے۔ ایک تصویر ہزار لفظوں پر بھاری ہوتی ہے۔ اس قسم کی منصوبہ بندی سے فیچر لکھنا آسان ہو جاتا ہے۔

فیچر کا طرزِ تحریر:

فیچر کی تشکیل بظاہر خبر ہی کی طرح ہوتی ہے لیکن اس کے انوکھے پن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ فیچر کے ابتدائی حصے میں خبر کا تجزیہ کیا جاتا ہے اور قارئین کے تجسّس کو بیدار کرنے کے بعد درمیانی حصے میں اس پر بحث کی جاتی ہے۔ آخر میں فیچر لکھنے کا مقصد اور توقعات کو بیان کیا جاتا ہے۔ فیچر کا مقصد اس موضوع پر سیر حاصل معلومات فراہم کرنا یا زندگی کے کسی اہم پہلو سے واقف کروانا نہیں ہے اس لیے اس کی زبان آسان، عام فہم ہو۔ ثقیل الفاظ اور مشکل تراکیب کے استعمال سے پرہیز ضروری ہے۔ مختصر جملے تحریر کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ فیچر لکھنے سے پہلے مطالعہ اور تیاری ضروری ہے۔

صحافت کی ترقی کے سبب مختلف علاقوں میں اخبارات و رسائل کثیر تعداد میں شائع ہو رہے ہیں۔ جدید تکنالوجی نے اس شعبے کو ترقی کی شاہراہ پر کھڑا کر دیا ہے۔ 'بریکنگ نیوز' کے زمانے میں خبریں بہت جلد لوگوں تک پہنچ جاتی ہیں لیکن ان خبروں کے متعلق ان کے تجسّس کی تسکین کے لیے فیچر کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ اسی لیے فیچر کو مقبولیت حاصل ہو رہی ہے اور فیچر لکھنے والوں کے لیے صحافت کے شعبے میں بہتر روزگار کے مواقع موجود ہیں۔

مشقی سرگرمیاں

(الف) **روداد نویسی کی نوعیت تفصیل سے بیان کیجیے۔**

(ب) **فیچر کی درج ذیل اقسام کے بارے میں اپنے لفظوں میں لکھیے۔**

۱۔ سوانحی فیچر

۲۔ تاریخی مقامات سے متعلق فیچر

۳۔ انوکھے، پراسرار اور حیرت انگیز موضوعات پر مبنی فیچر

(ج) **فیچر نویسی کے تعلق سے برتی جانے والی احتیاط پر روشنی ڈالیے۔**

(د) **ملک کے سلگتے موضوعات پر شائع ہونے والی خبروں میں سے کسی ایک پر فیچر لکھیے۔**





مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی وابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ

MAHARASHTRA STATE BUREAU OF TEXTBOOK PRODUCTION AND CURRICULUM RESEARCH, PUNE.

उर्दू युवकभारती इयत्ता बारावी (उर्दू भाषा)

₹ 104.00